محمد ﷺ

غیر مسلموں کی نظر میں

خطوط / معجزات

خصائص نبوی ﷺ

مرتب و پیش کردہ

الحاج میاں عبدلکریم

صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ

الكعبة المشرفة (قبلة المسلمين)

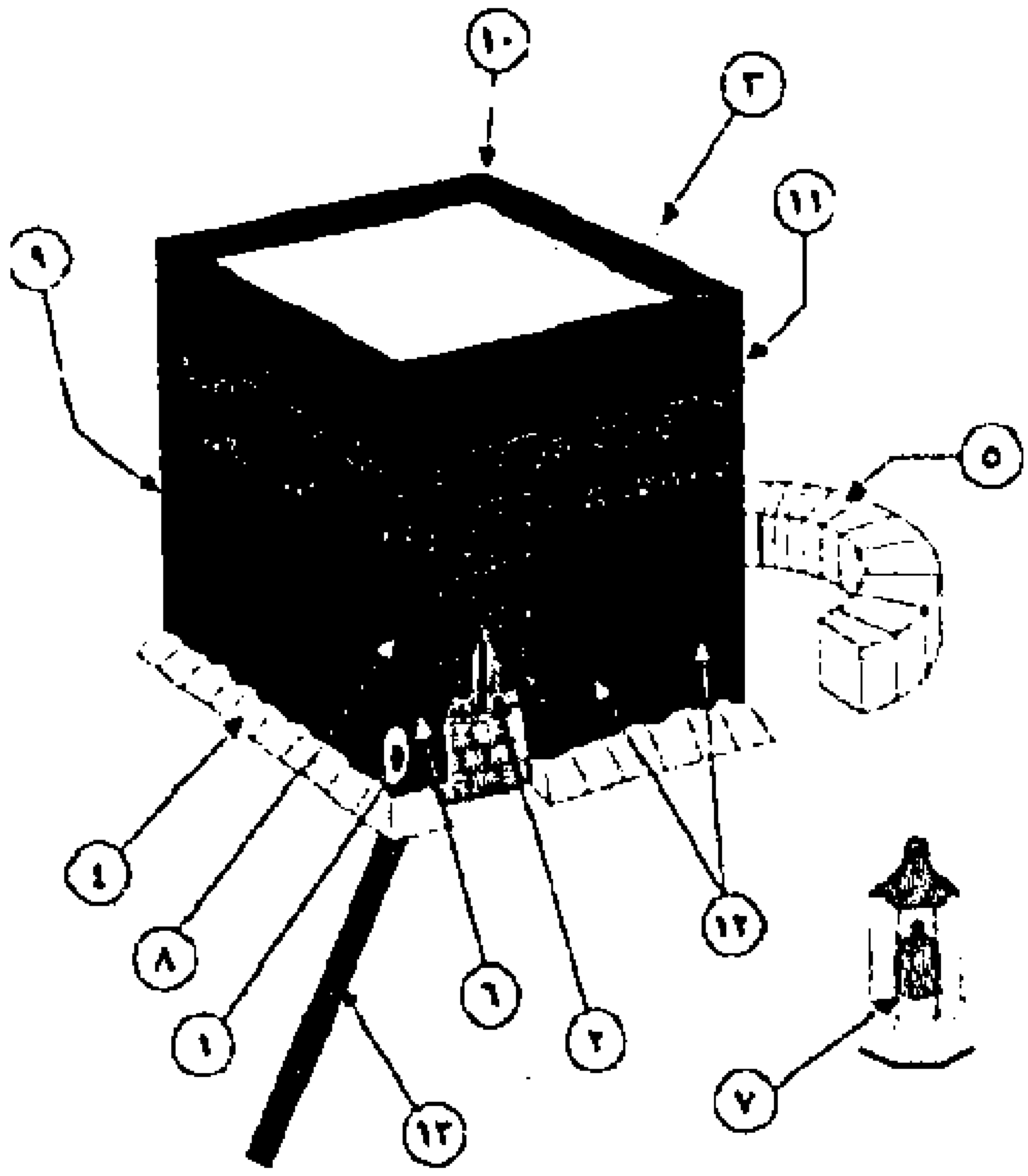

١ الحجر الأسود
٢ باب الكعبة
٣ الميزاب (مزراب الرحمة)
٤ الشاذروان
٥ حجر إسماعيل (الحطيم)
٦ الملتزم
٧ مقام سيدنا إبراهيم
٨ ركن الحجر الأسود
٩ الركن اليماني
١٠ الركن الشامي
١١ الركن العراقي
١٢ ستار الكعبة
١٣ خط المرمر البني

بیت اللہ شریف کے بیرونی حصہ جات

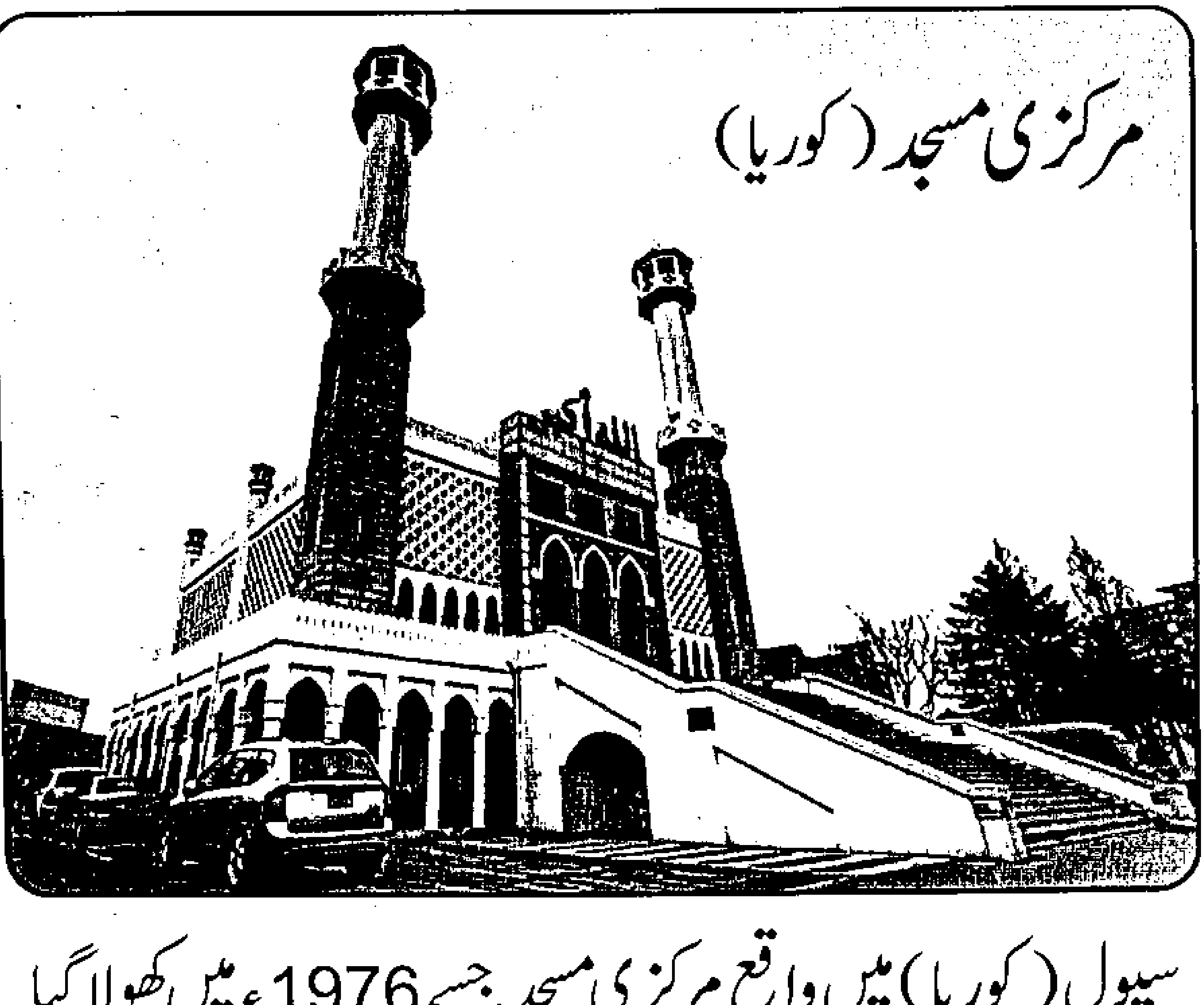

سیول (کوریا) میں واقع مرکزی مسجد جسے 1976ء میں کھولا گیا

Marfat.com

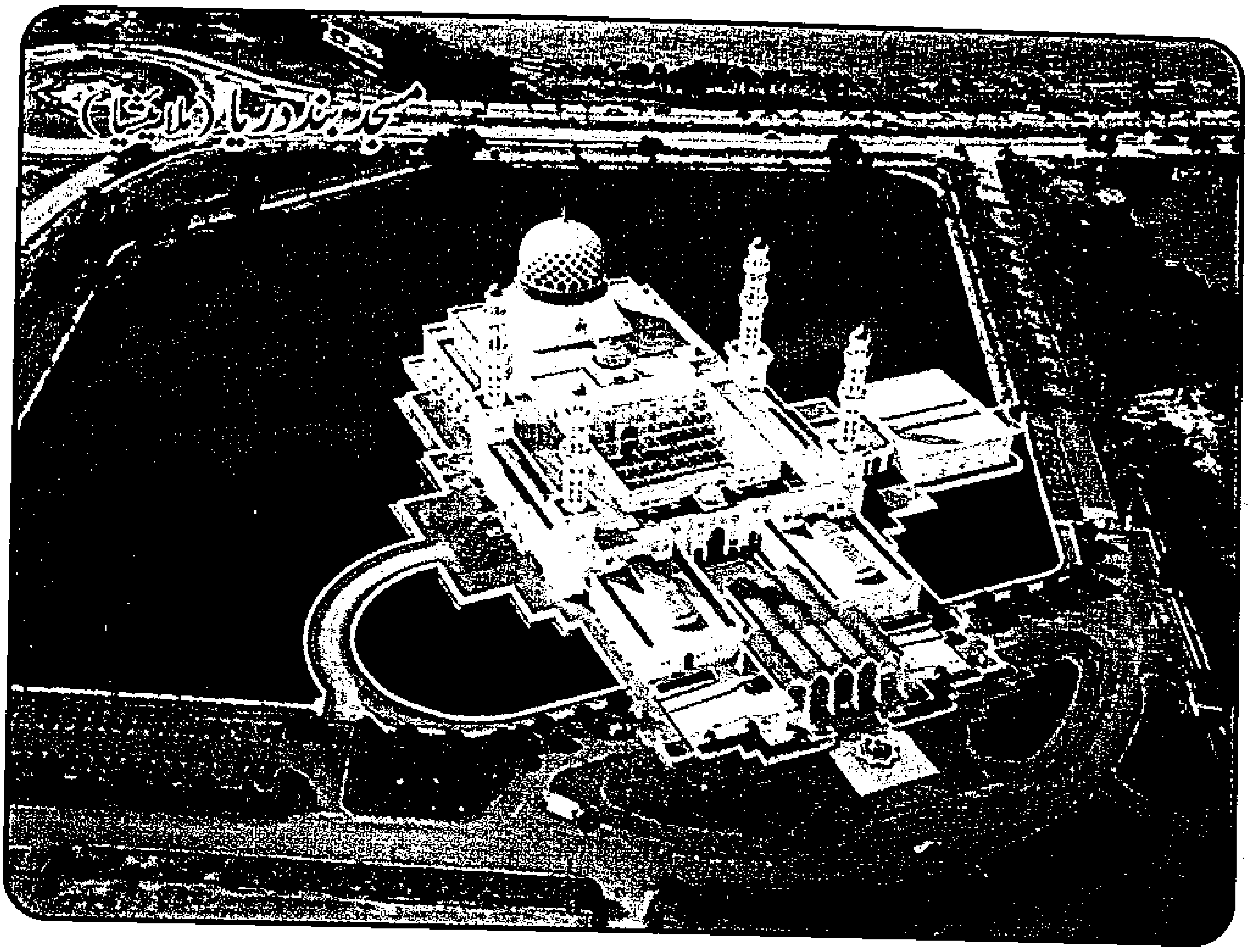

ملائیشیا میں واقع مسجد بندریا کا ایک دلکش منظر

مصر (القاهرة) میں واقع مسجد محمد علی جسے محمد علی پاشا نے 1830ء میں تعمیر کیا

Marfat.com

بیت المقدس فلسطین میں واقع اور مسلمانوں کا پہلا قبلہ

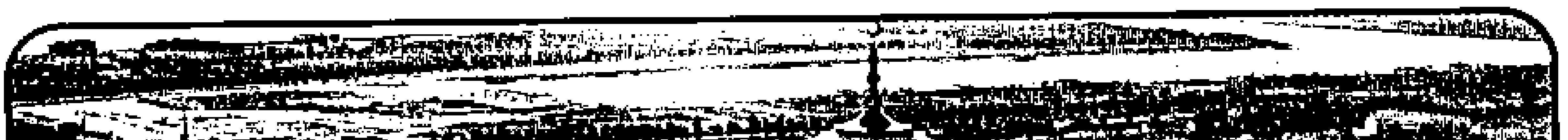

متحدہ عرب امارات میں واقع مسجد جو عرب امارات کے ولی عہد نے تعمیر کروائی یہ عرب امارات کی سب سے حسین و جمیل اور سب سے بڑی مسجد ہے جو جدید فنِ تعمیر اور سلامی ثقافت کو واضح کر رہی ہے۔ مسجد کے محراب اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

Marfat.com

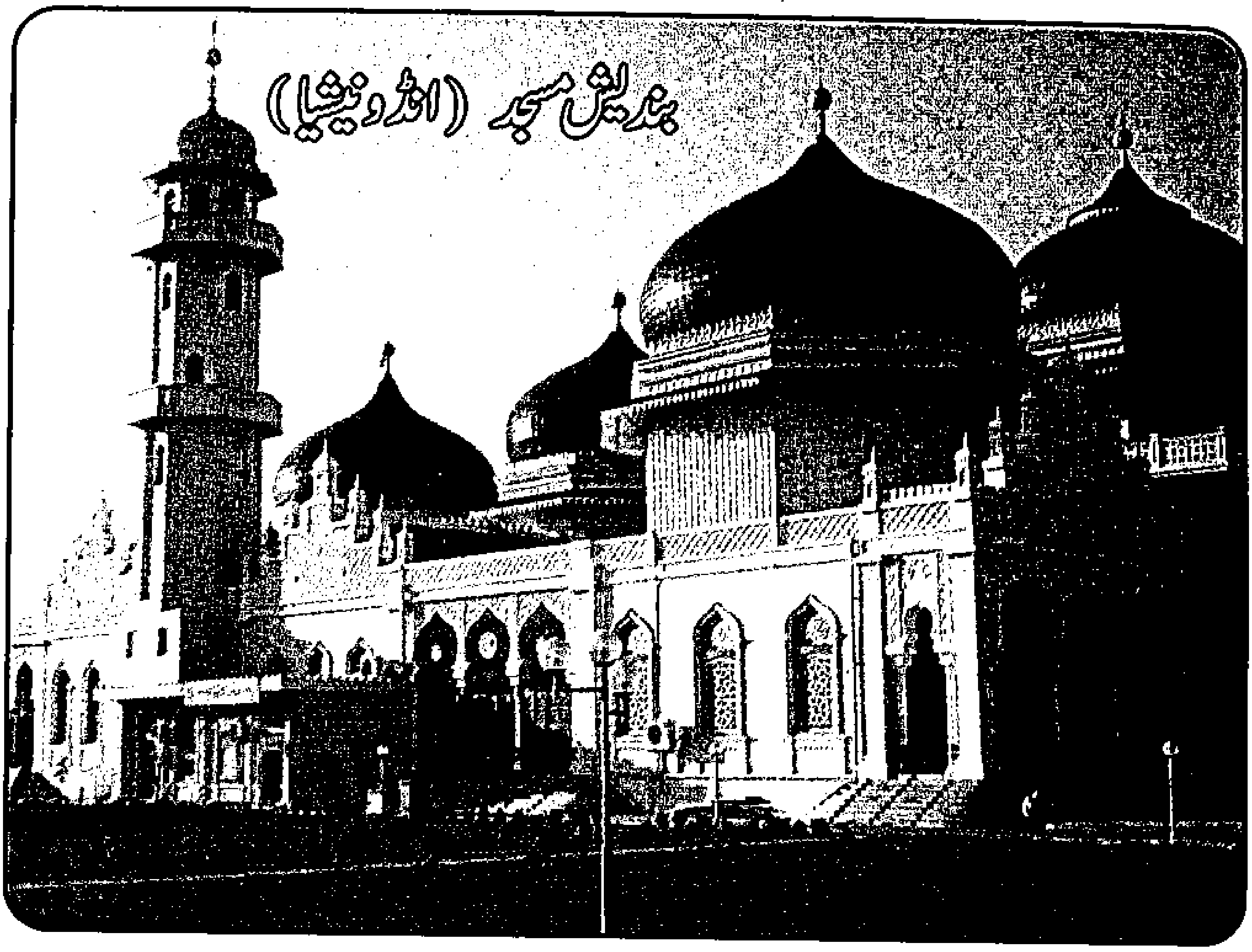

انڈونیشیا میں واقع بندلیش مسجد

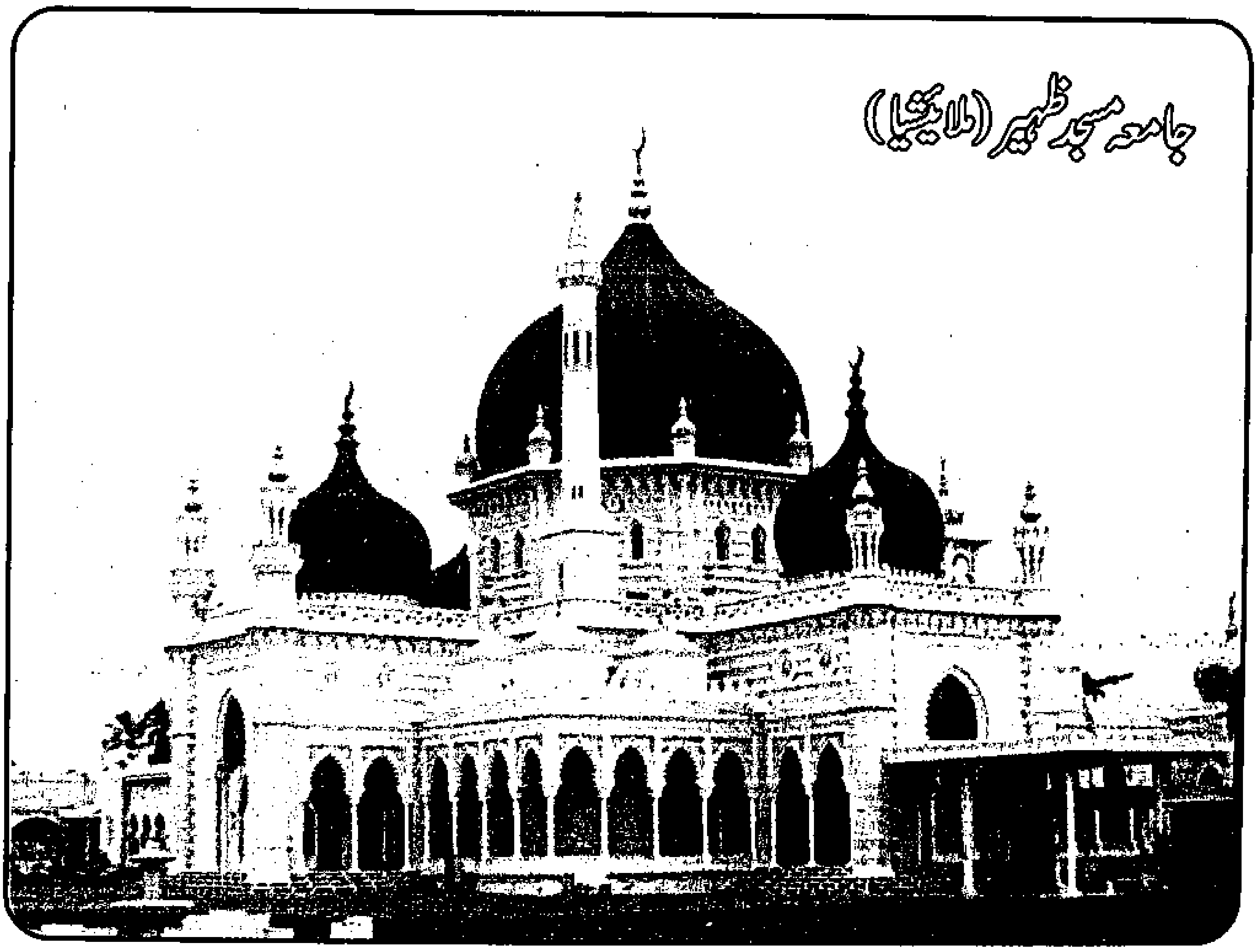

ملائیشیا میں واقع جامعہ مسجد ظہیر

Marfat.com

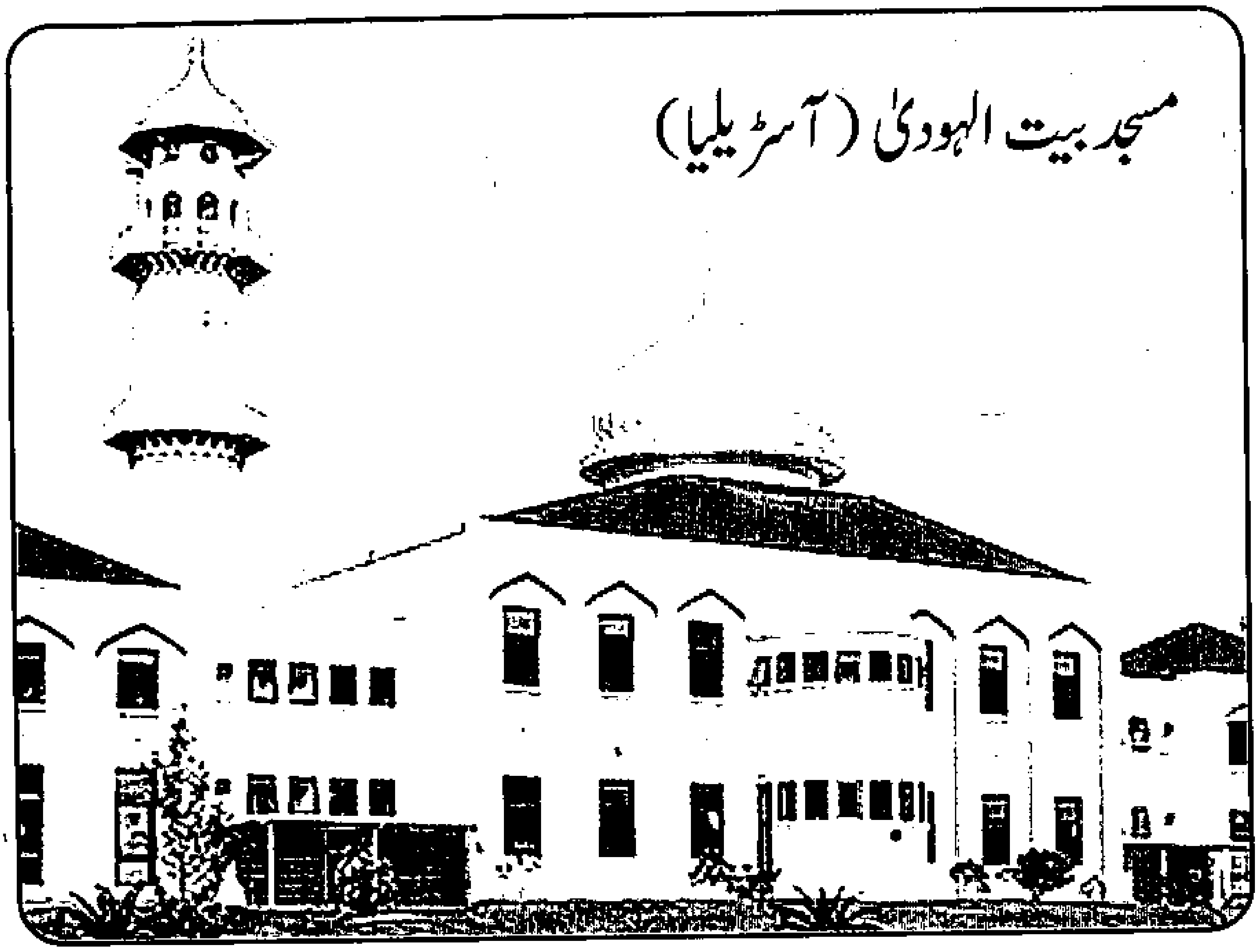

سڈنی (آسٹریلیا) میں واقع مسجد بیت الہودیٰ جسے 1983ء میں تعمیر کیا گیا

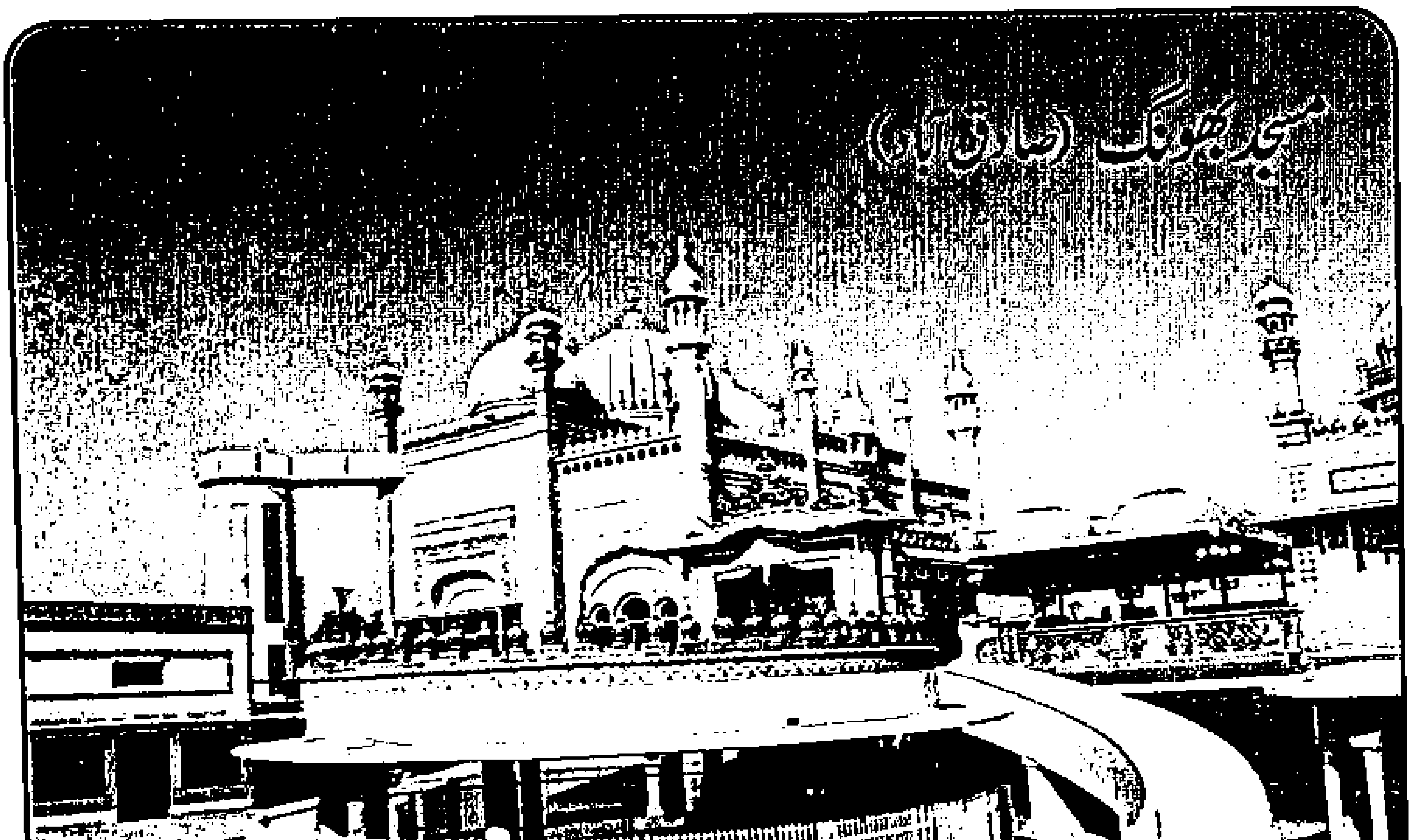

صادق آباد کے گاؤں بھونگ میں واقع مسجد بھونگ جسے عرصہ پچاس سال
(1932-1982) میں تعمیر کیا گیا اور 1986ء میں ایوارڈ آف آرکیٹکٹ حاصل کیا

Marfat.com

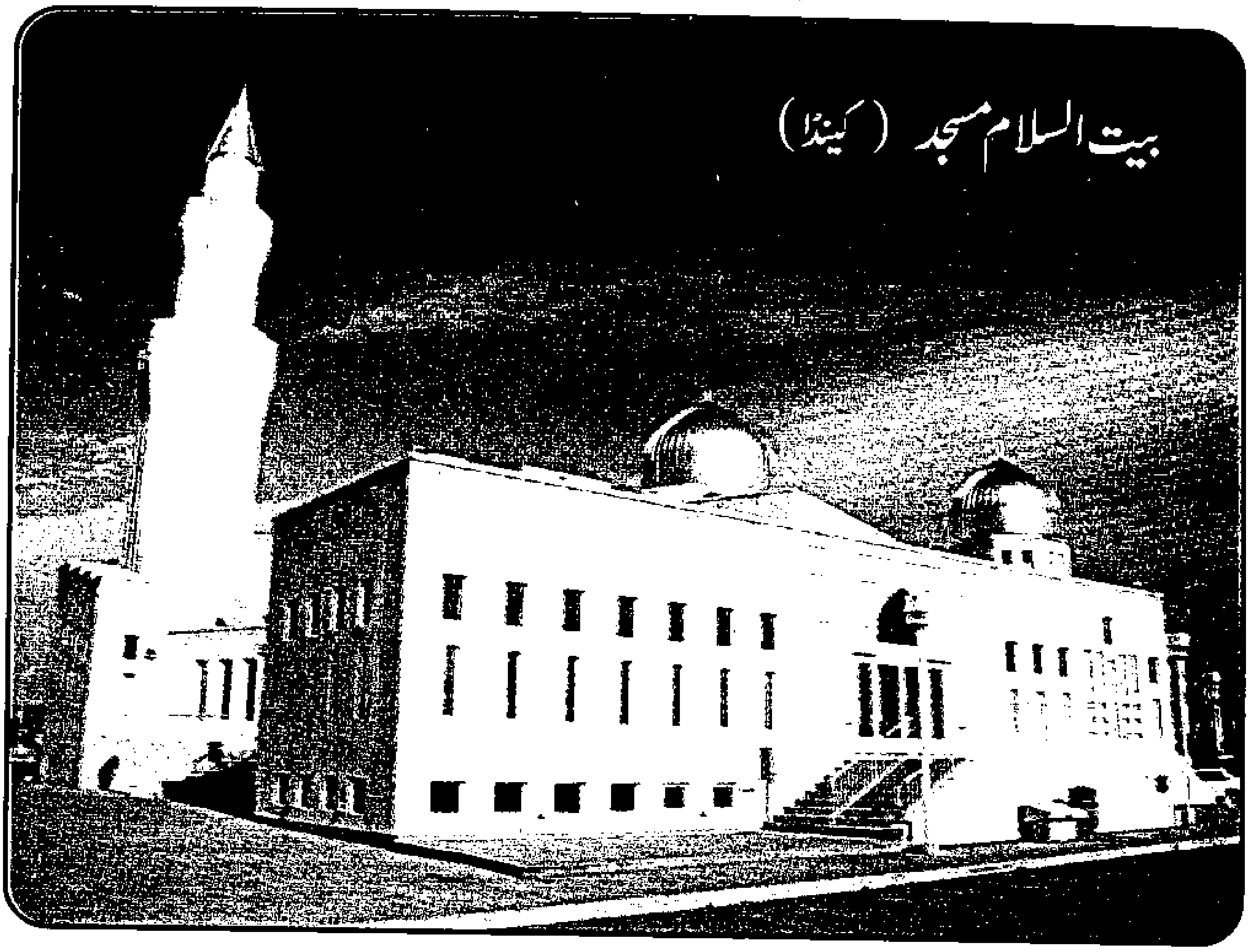

کینڈا میں واقع بیت السلام مسجد

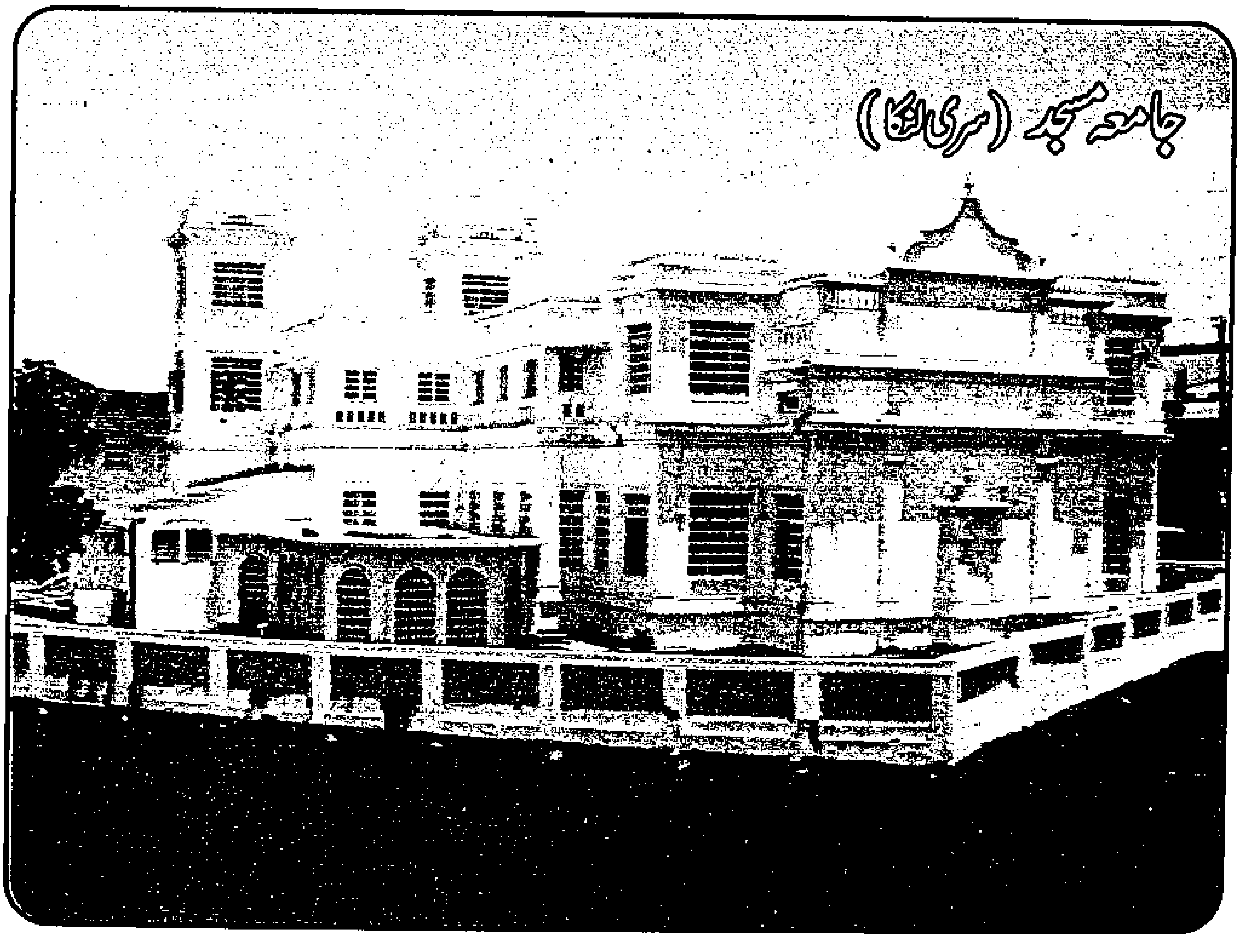

سری لنکا متارہ میں واقع جامعہ مسجد

Marfat.com

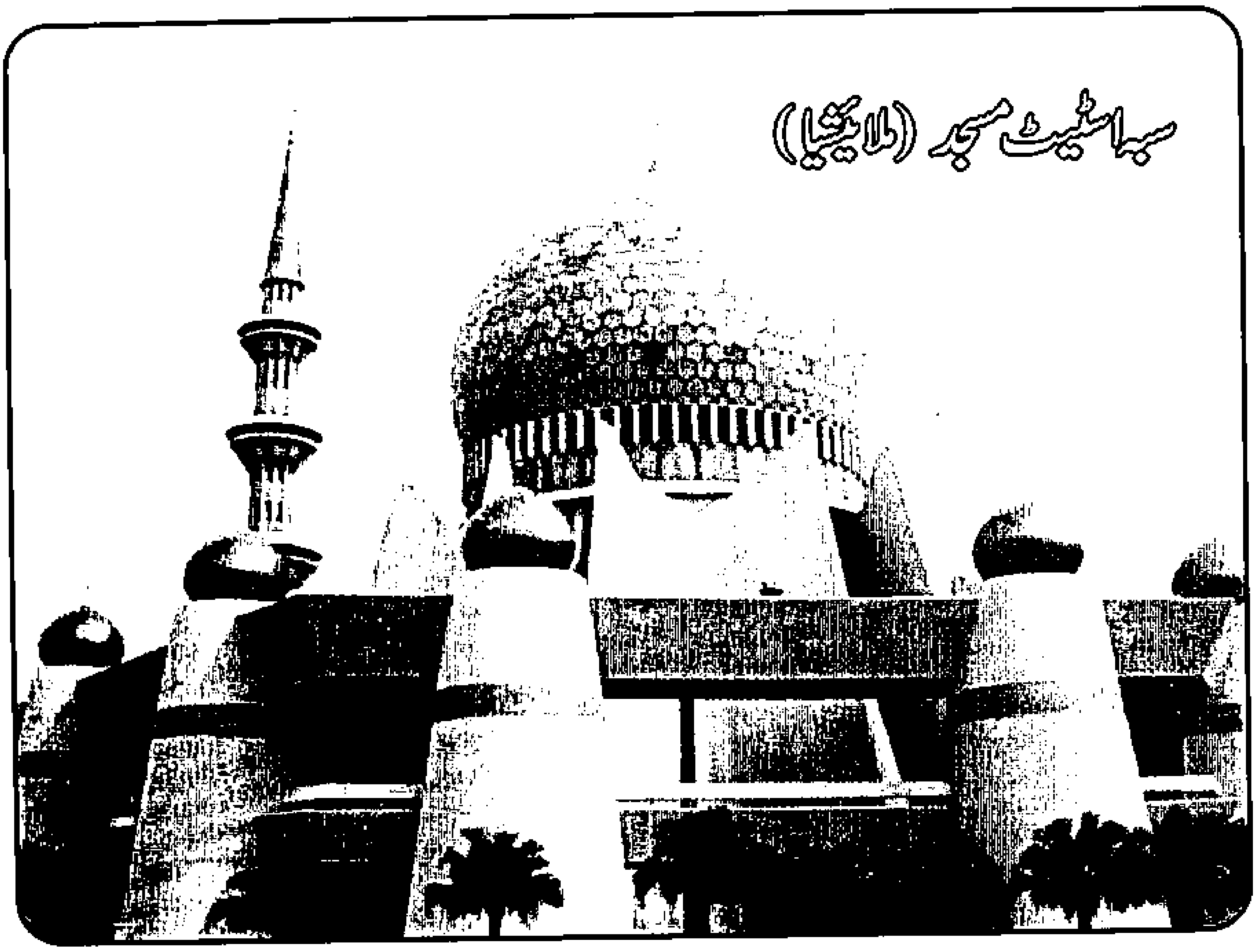

ملائیشیا میں واقع سبا اسٹیٹ مسجد

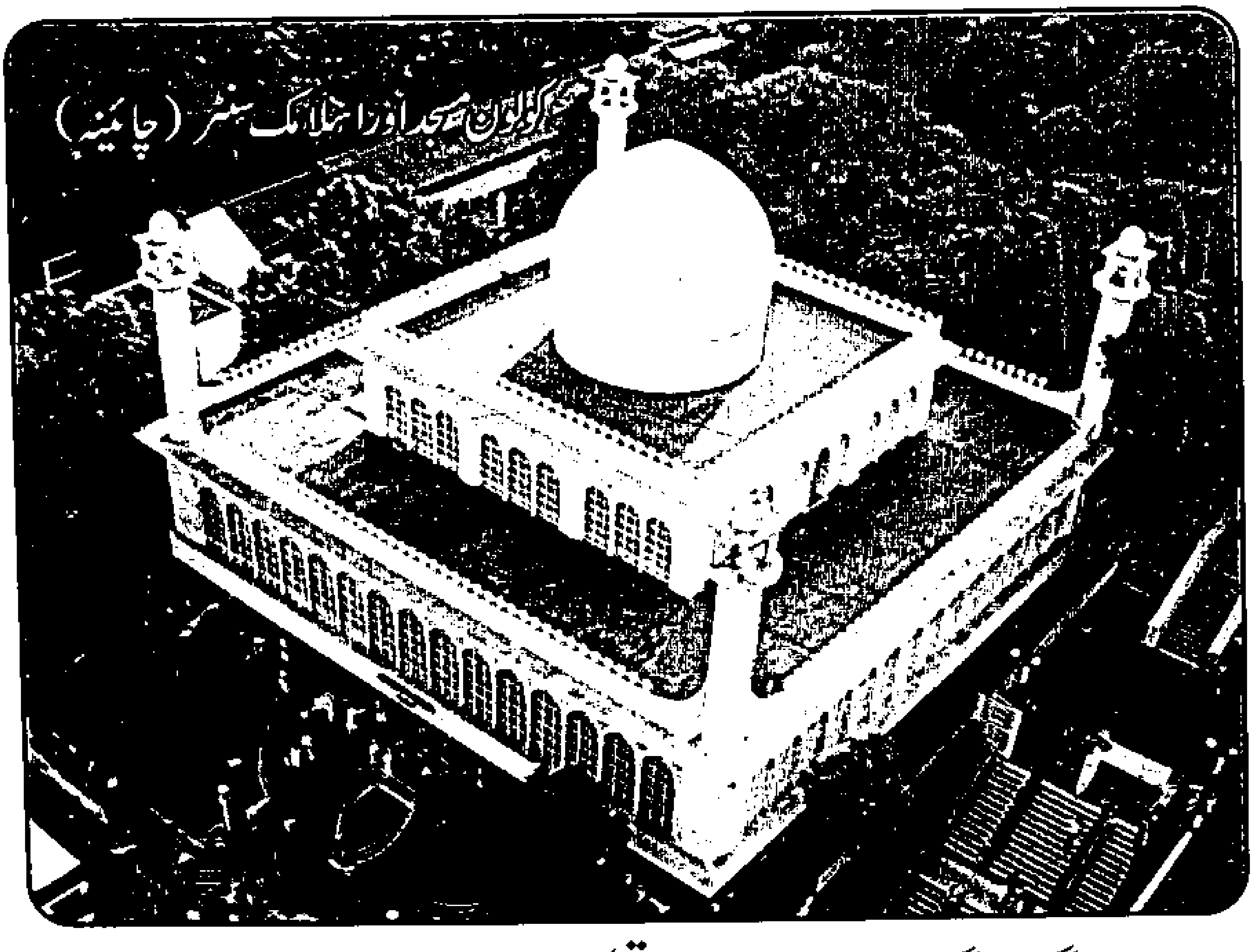

ہانگ کانگ (چائینہ) میں واقع کولون مسجد اور اسلامک سنٹر

Marfat.com

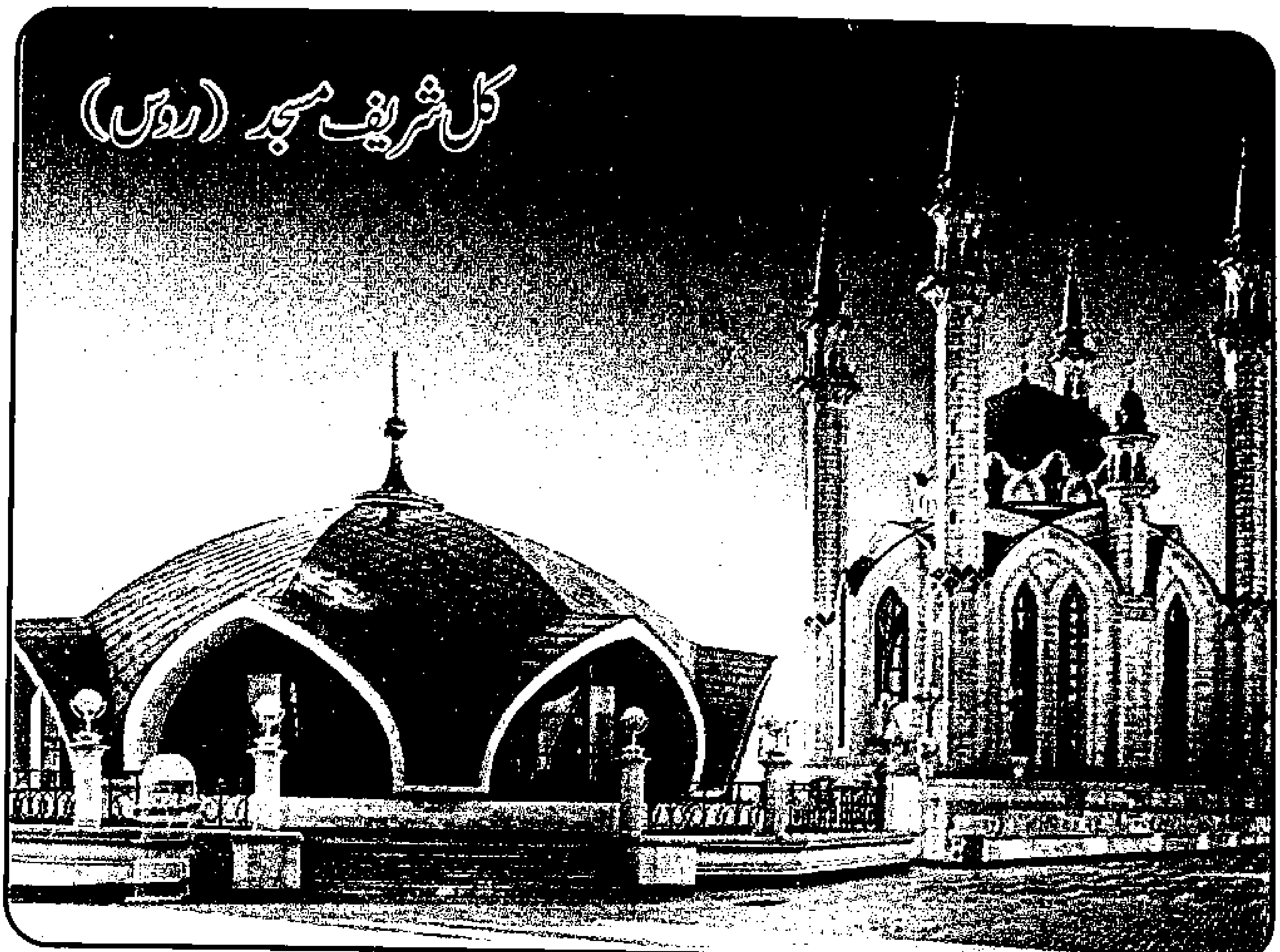

کل شریف مسجد کزان کرلین روس میں واقع سب سے بڑی مسجد ہے 16 ویں صدی میں تعمیر کی گئی
مسجد جہاں کل شریف اپنے 1996ء میں مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا اور کزان کی تاریخ سے منسوب کیا گیا۔

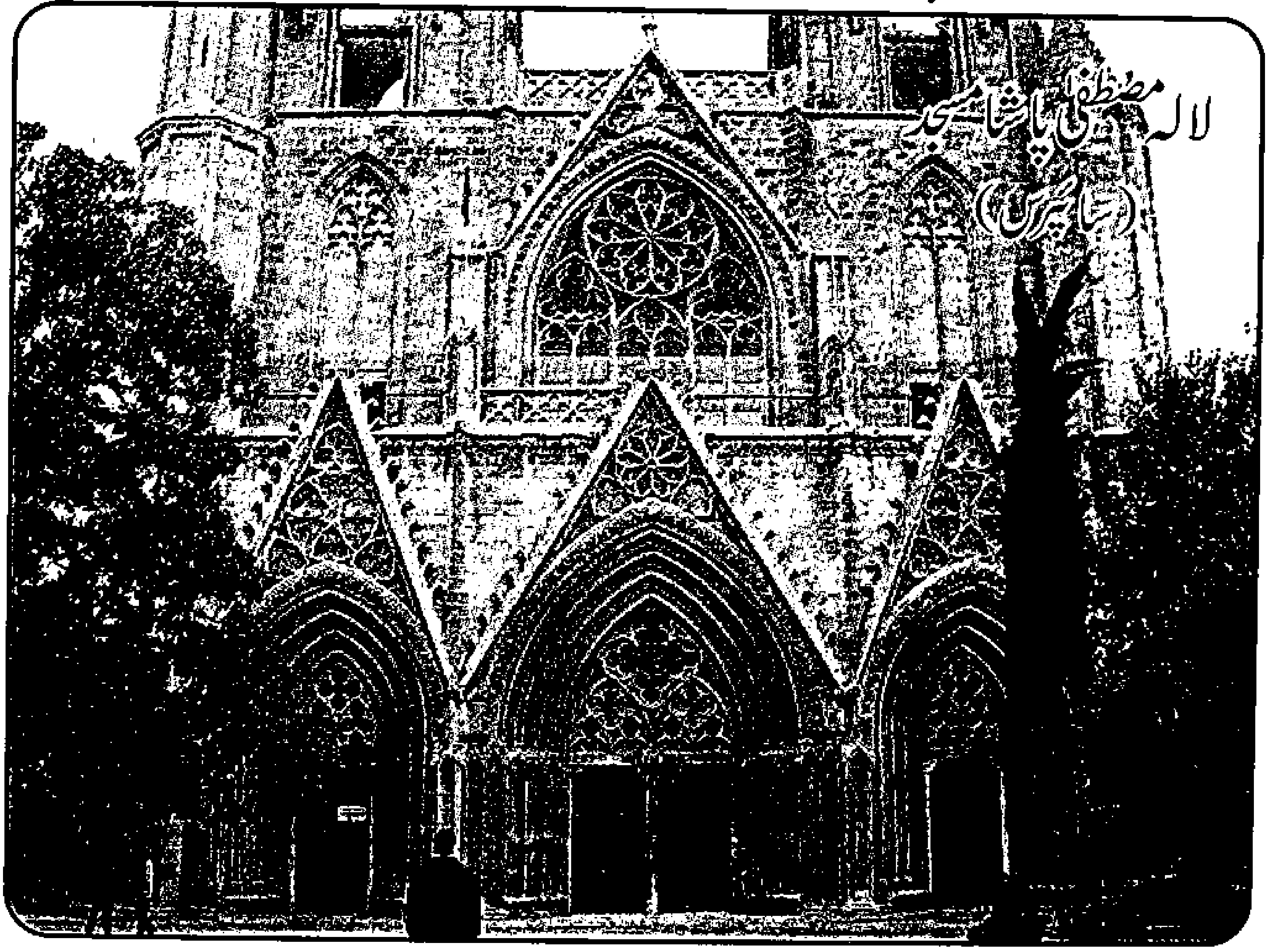

سائپرس میں واقع لالہ مصطفیٰ پاشا مسجد 1571ء میں اسے عظیم مسجد مانا گیا

Marfat.com

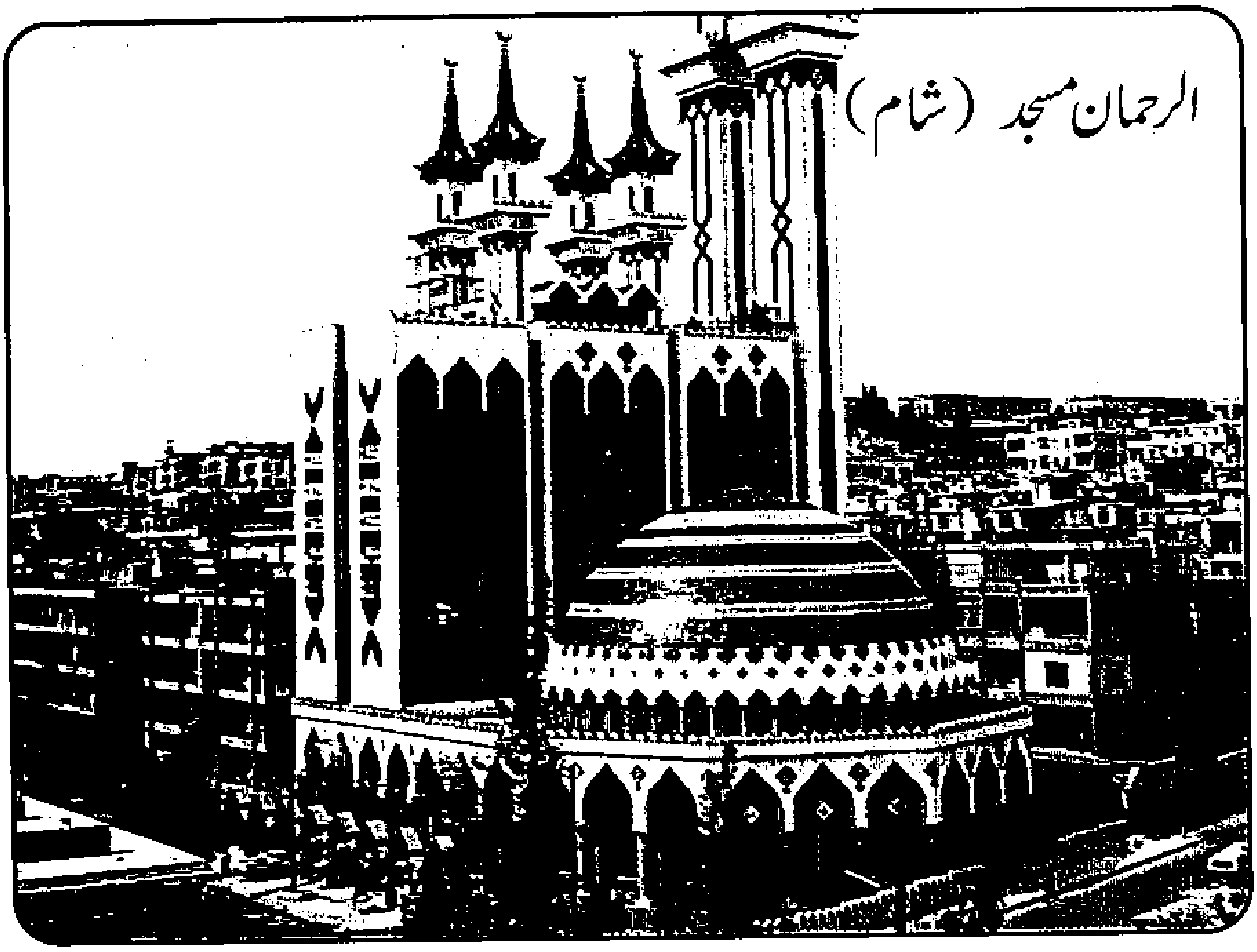

شام میں واقع الرحمان مسجد جدید خوبصورت اسلامی طرز تعمیر کی عکاسی کرتی ہے۔

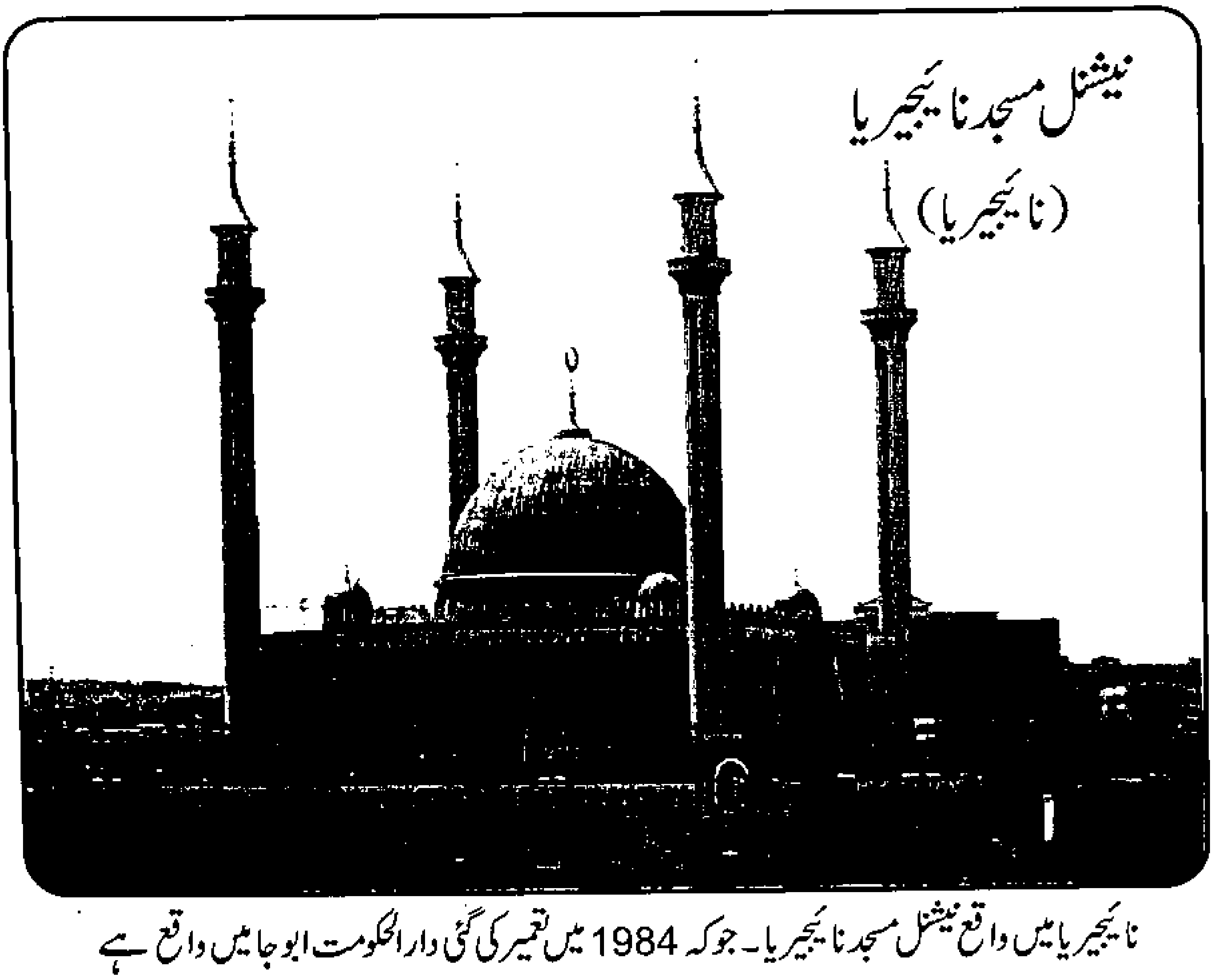

نائیجیریا میں واقع نیشنل مسجد نائیجیریا۔ جو کہ 1984 میں تعمیر کی گئی دار الحکومت ابوجا میں واقع ہے اس میں لائبریری اور کانفرس ہال شامل ہیں۔

Marfat.com

شام دمشق میں واقع تاریخی اہمیت کی حامل جامعہ مسجد اُموی کا خوبصورت منظر

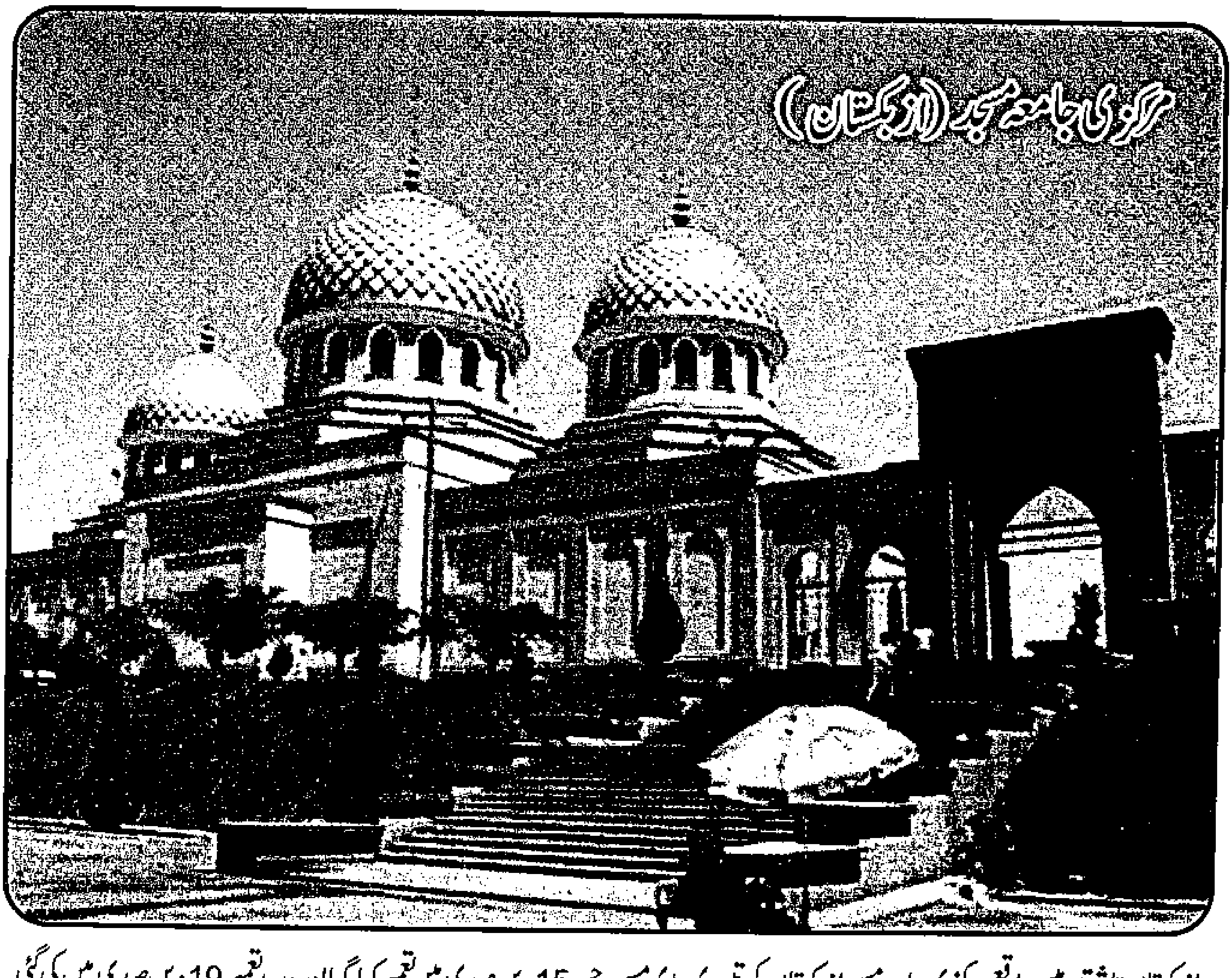

ازبکستان تاشقند میں واقع مرکزی جامعہ مسجد ازبکستان کی تیسری بڑی مسجد جسے 15 دیں صدی میں تعمیر کیا گیا اور جدید تعمیر 19 دیں صدی میں کی گئی

Marfat.com

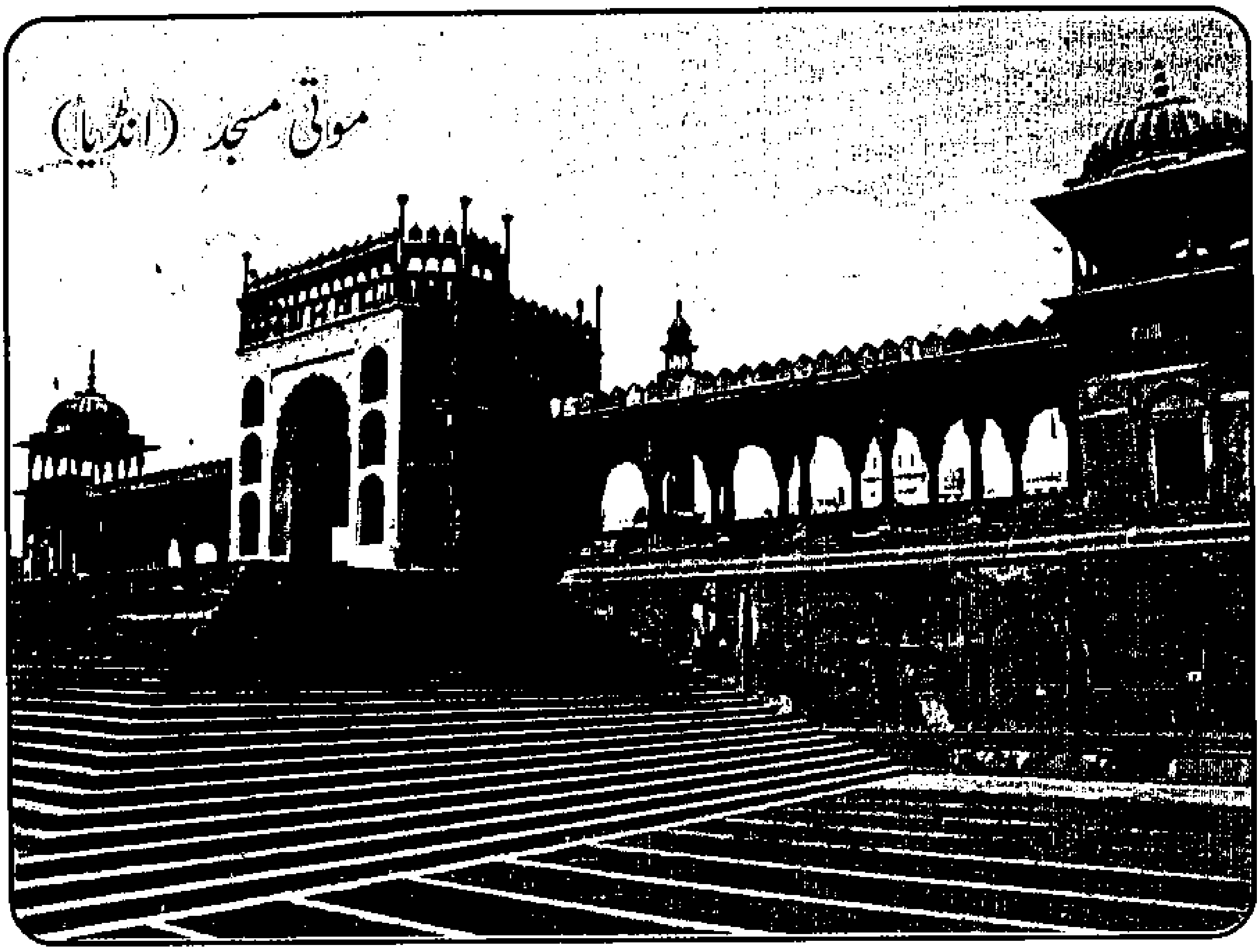

مسجدوں کے شہر بھوپال جس میں بہت سی تاریخی مساجد موجود ہیں ان میں سے یہ ایک بہت تاریخی موتی مسجد ہے یہ خوبصورت موتی مسجد دہلی کی جامع مسجد سے بہت شباہت رکھتی ہے

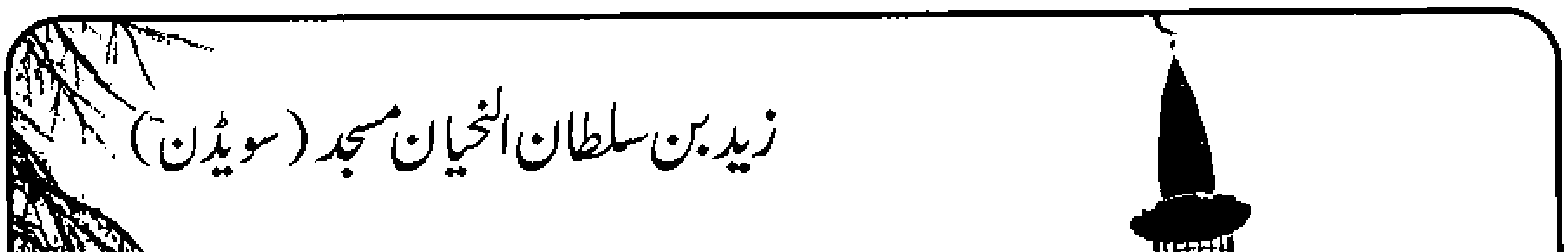

زید بن سلطان النحیان مسجد سٹاکہولم مسجد کے طور پر بھی جانی جاتی ہے۔ یہ سٹاکہولم میں سب سے بڑی مسجد ہے۔
مسجد کی ایڈمنسٹریشن اسلامک ایسوی ایشن آف سٹاکہولم سویڈن کے پاس ہے۔

Marfat.com

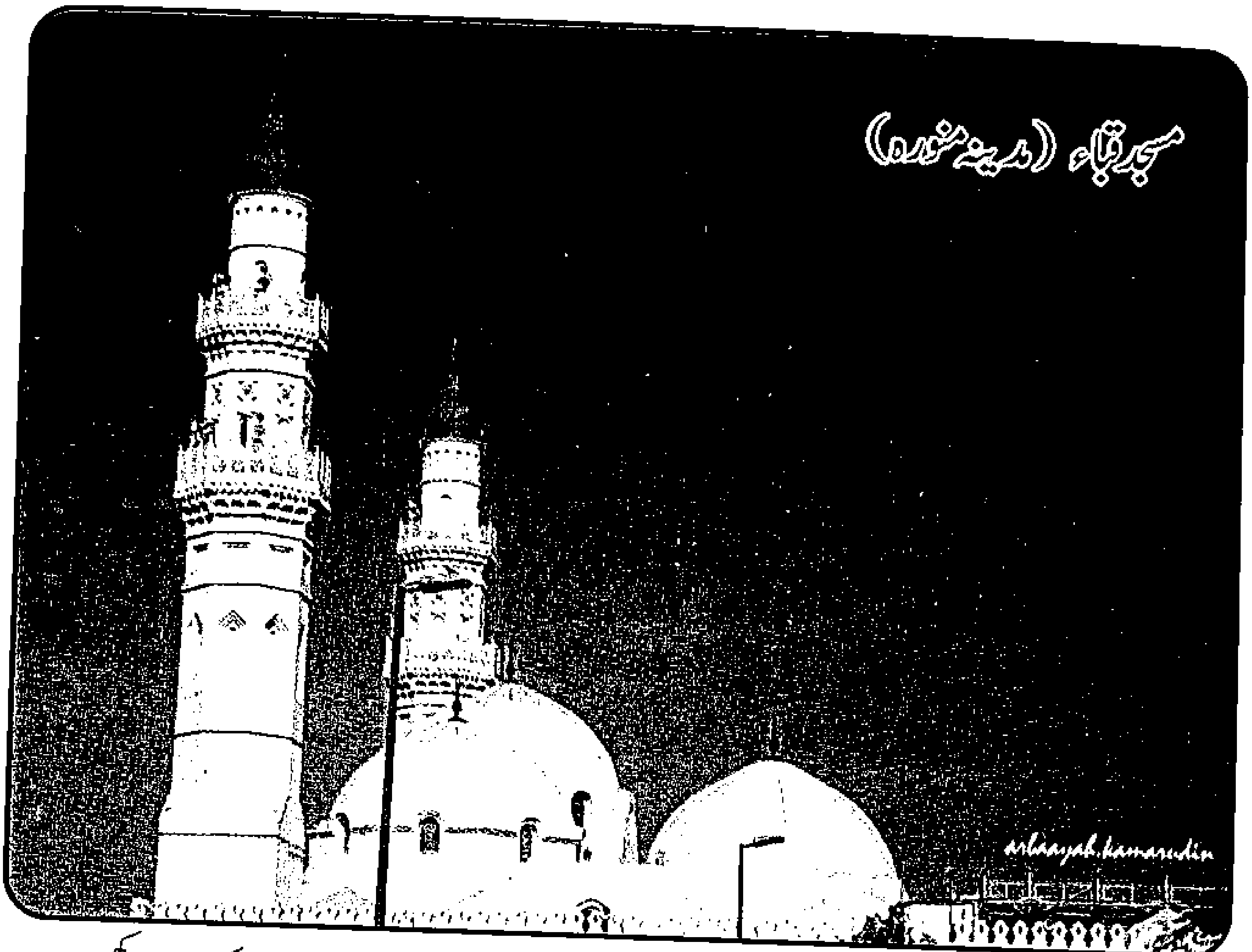

مسجد قبا دنیا کی پہلی مسجد ہے اس کی سنگِ بنیاد حضرت محمدؐ نے اپنے ہاتھوں سے مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران رکھی۔
1986 میں اس کی جدید تعمیر کی گئی اس کے 6 گنبد ہیں اس میں سفید اور بلیک کلر کے ماربلز استعمال کیے گئے ہیں

بحرین میں واقع شیخ حماد گرینڈ مسجد امام غوث ابونیو میں واقع سمندر کے کنارے آباد ہے۔
جس میں 10,000 مرد اور 2500 خواتین کی عبادت کی گنجائش موجود ہے۔

Marfat.com

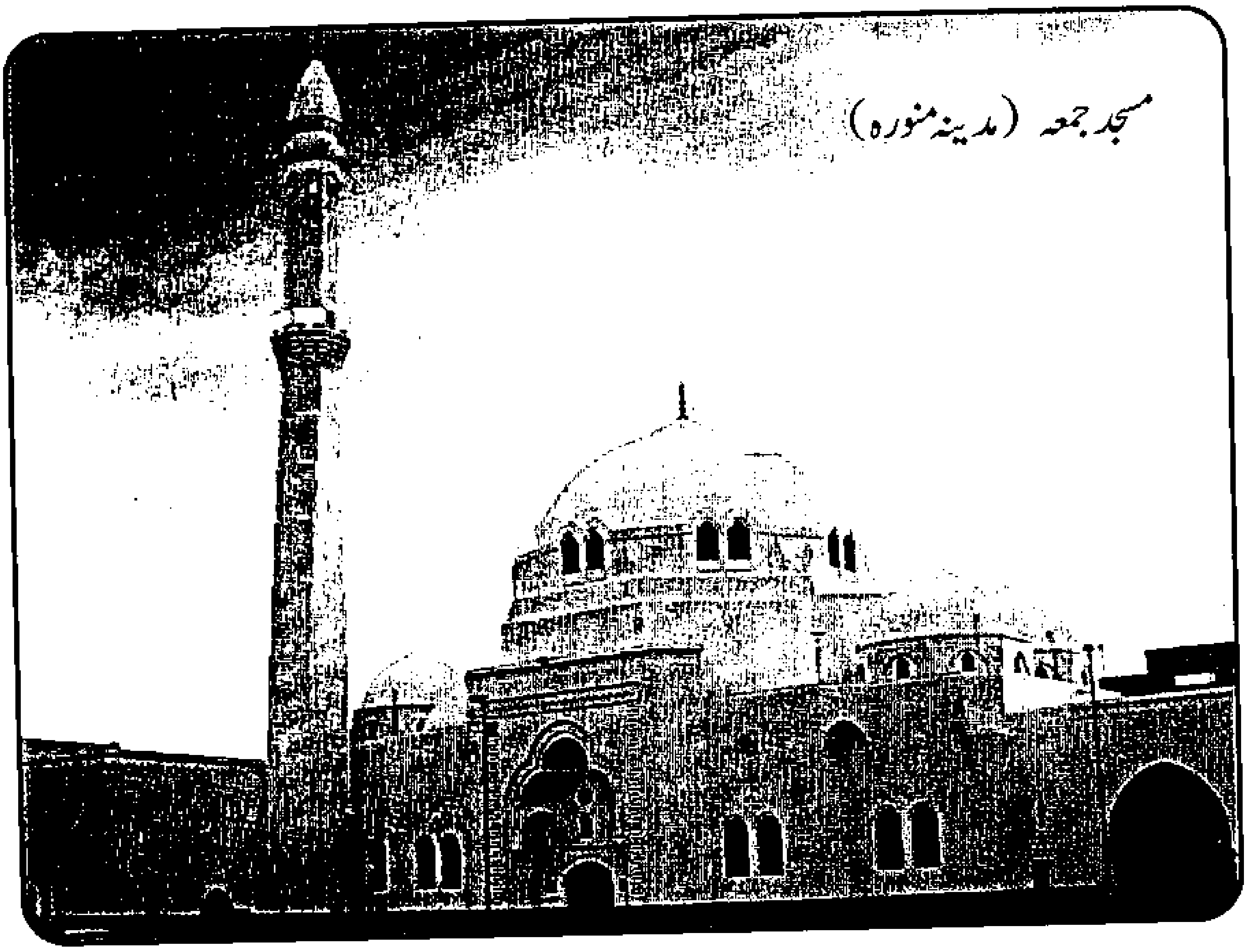

مسجد جمعہ کا ایک خوبصورت منظر جو جدید اسلامی طرزِ تعمیر کی نشاندہی کرتا ہے۔

طائف میں واقع وہ مقام جہاں حضورؐ نے زخمی حالت میں قیام کیا اور طائف کے لوگوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ آج اس مقام پر یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اور بورڈ پر پورے واقع کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ آنے والے زائرین کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ مسجد کا نام مسجد اُدس ہے۔

Marfat.com

غارِ ثور کا بیرونی منظر

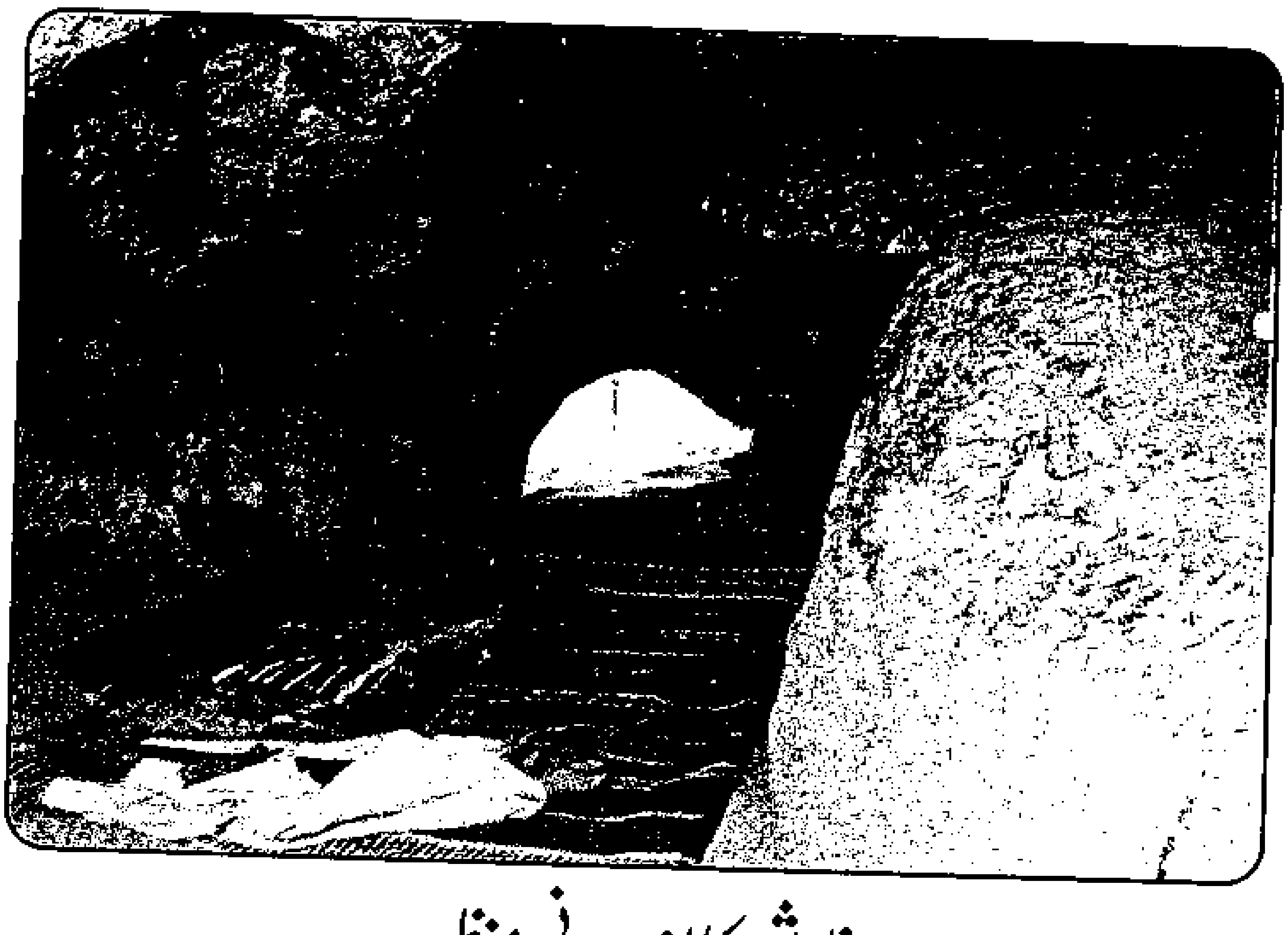

غارِ ثور کا اندرونی منظر

غارِ حرا کا بیرونی منظر

Marfat.com

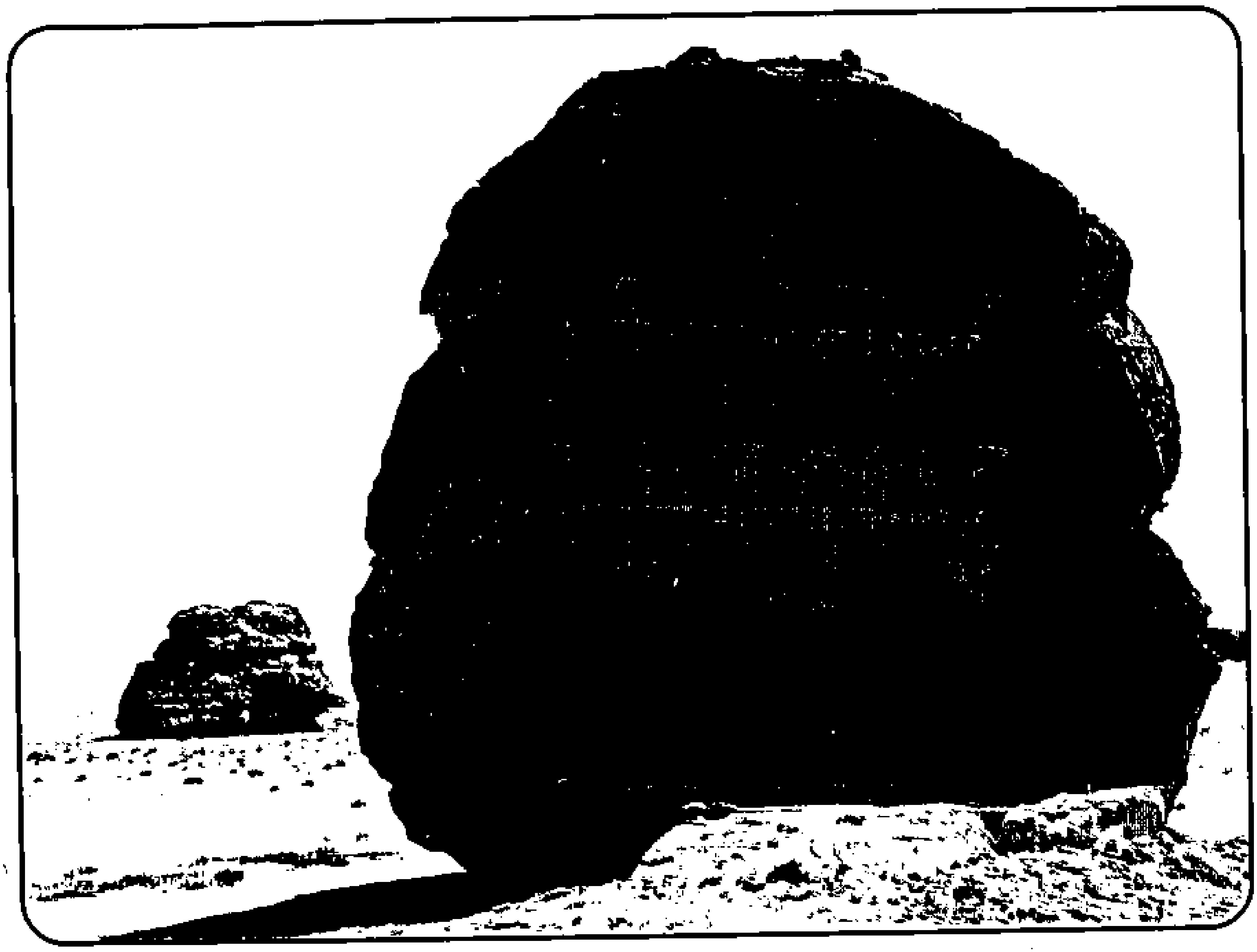

سعودی عرب مدینہ منورہ کے سیکٹر الاولہ میں واقع مدائن صالح

مدائن صالح کے مختلف مناظر

Marfat.com

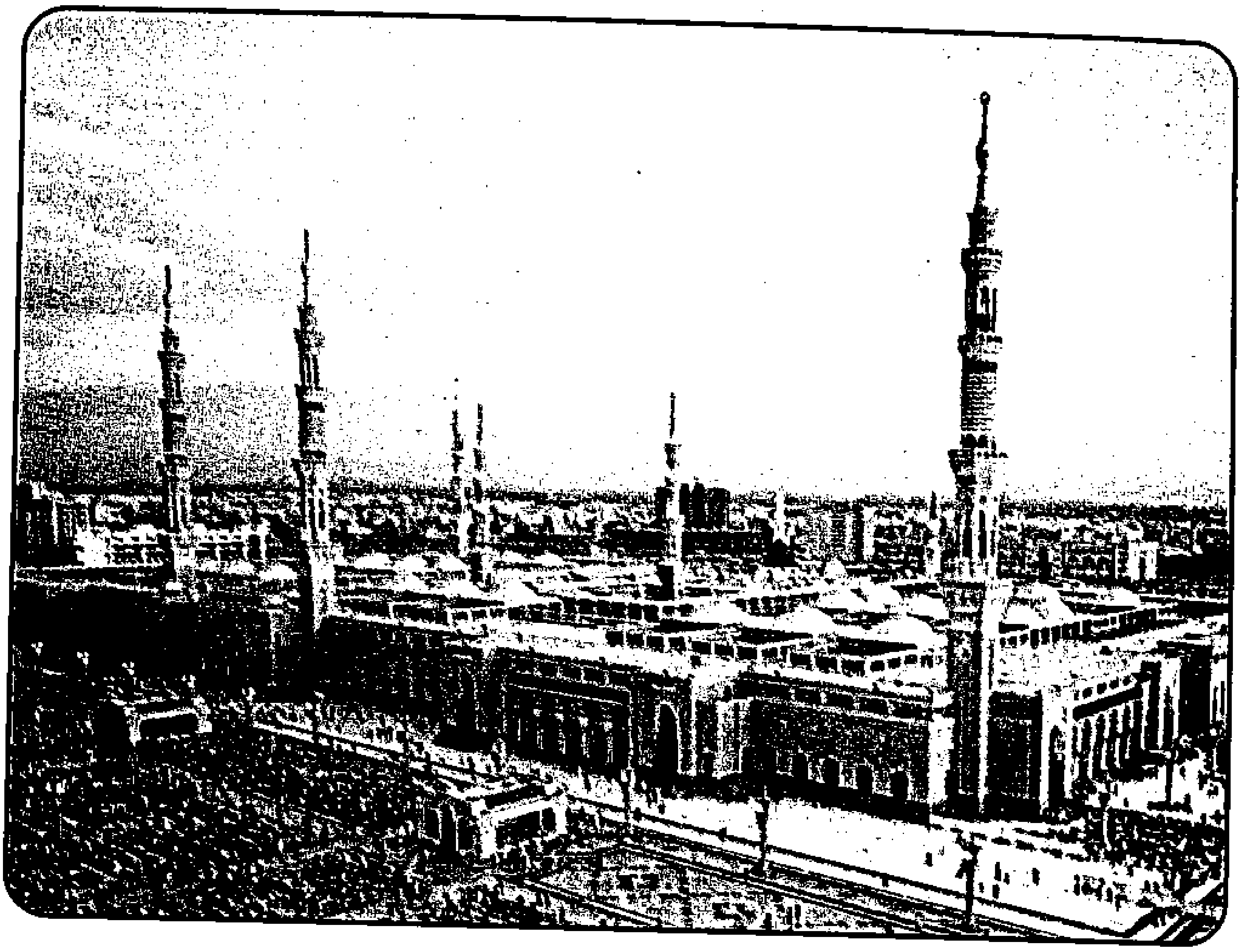

مسجد نبوی شریف ﷺ

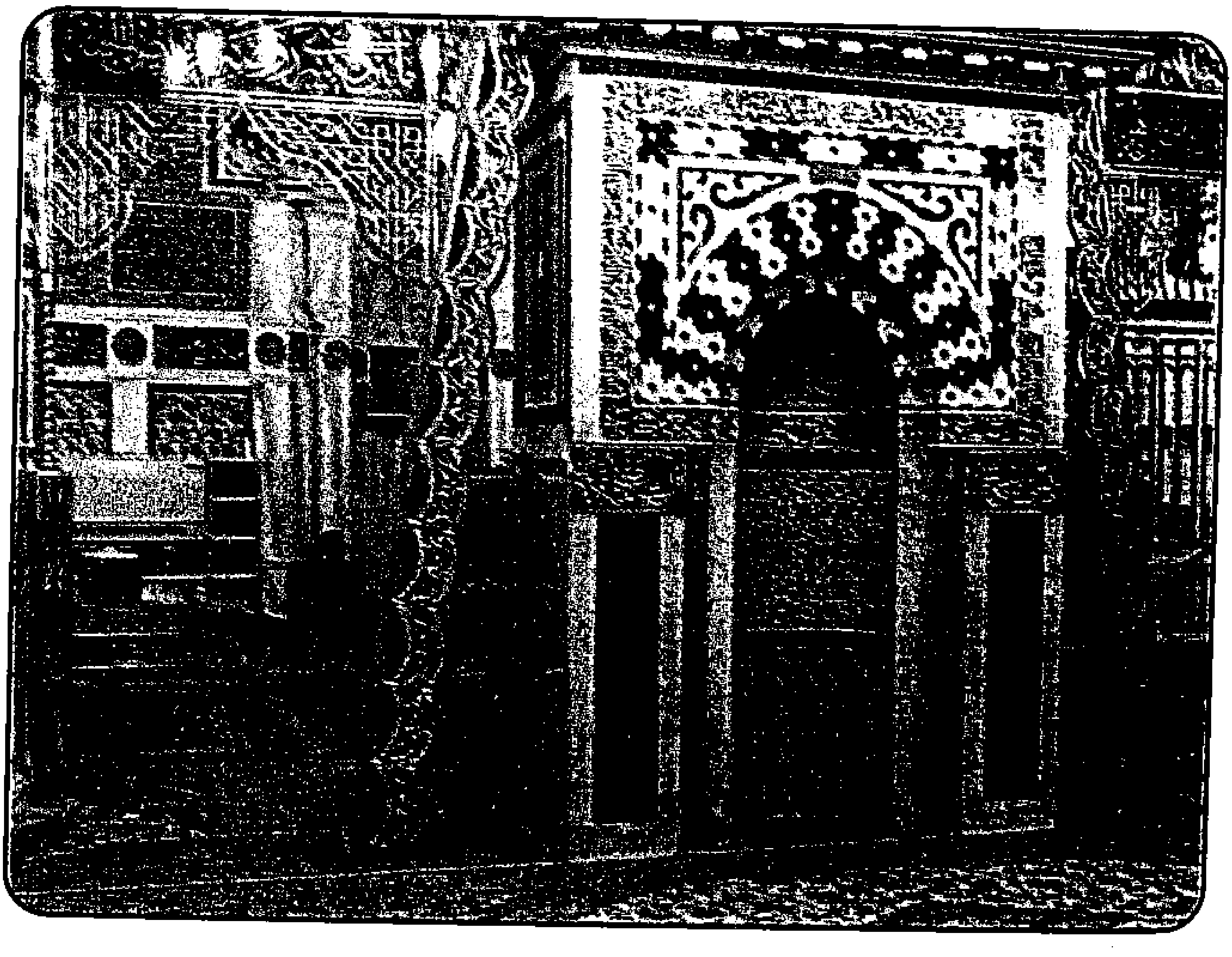

محراب رسول اکرم ﷺ وریاض الجنہ

Marfat.com

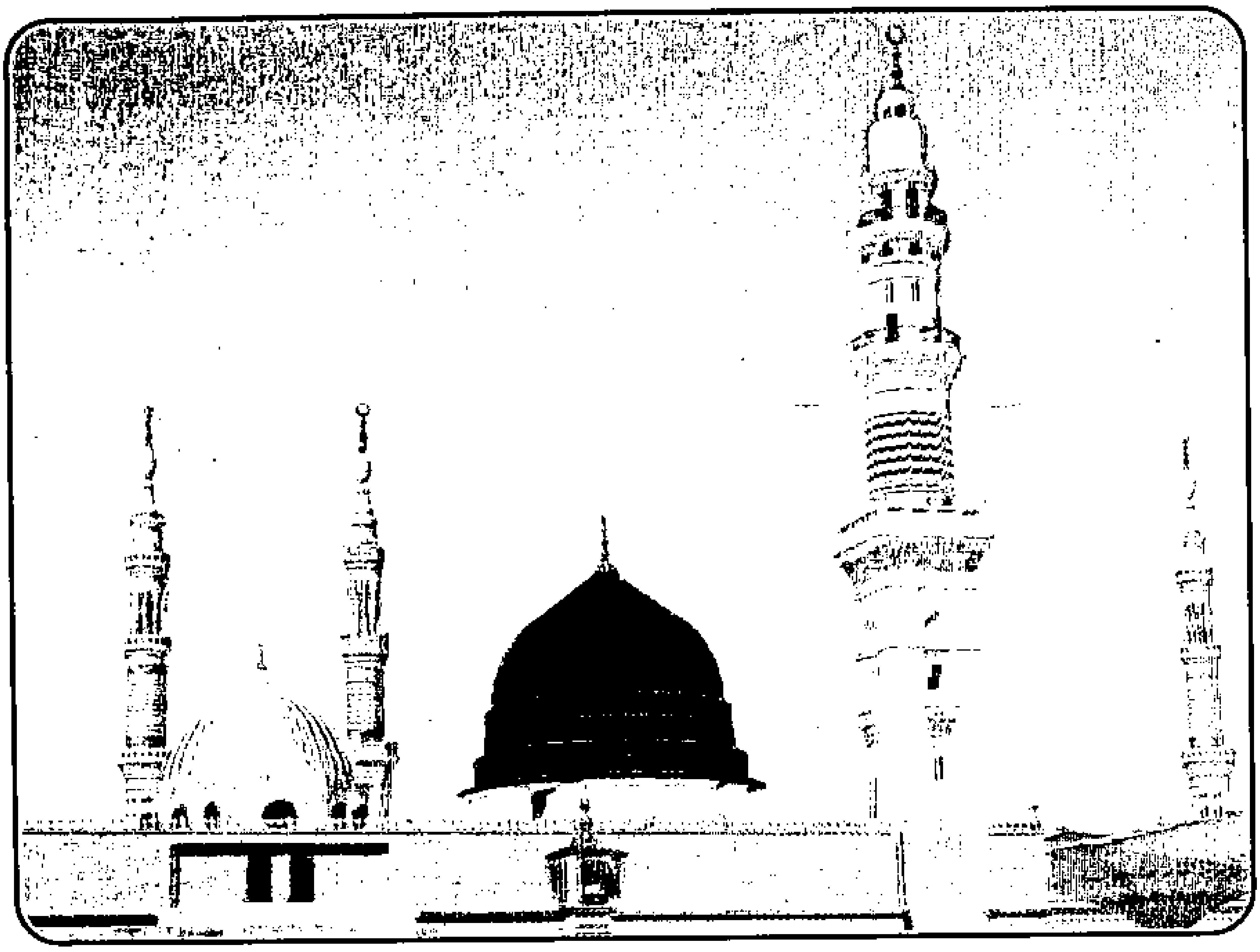

مسجد نبوی شریف ﷺ

بیرون حصہ روضہ رسول ﷺ دروازے جالیاں

Marfat.com

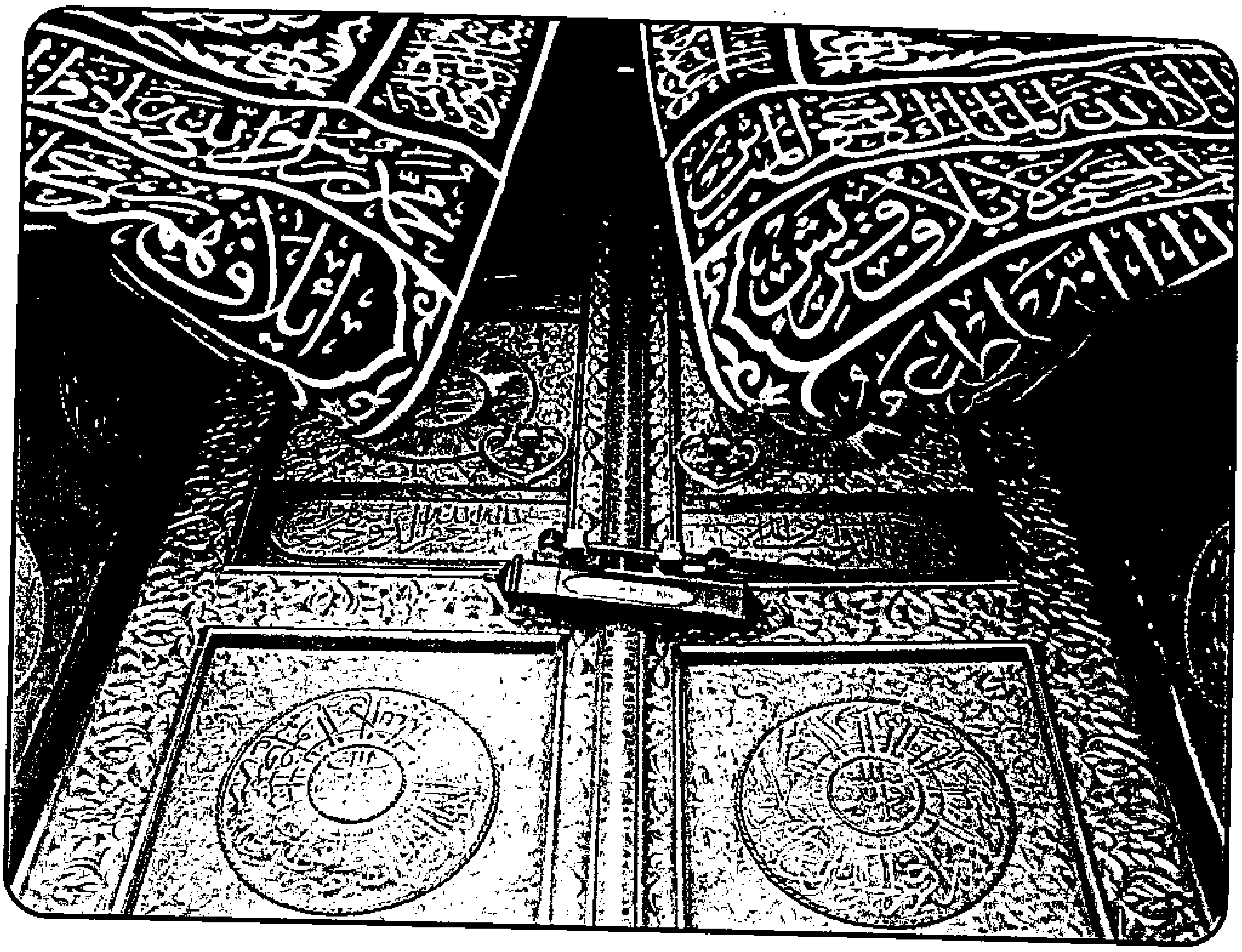

دروازہ بیت اللہ شریف

فضائی منظر بیت اللہ شریف

Marfat.com

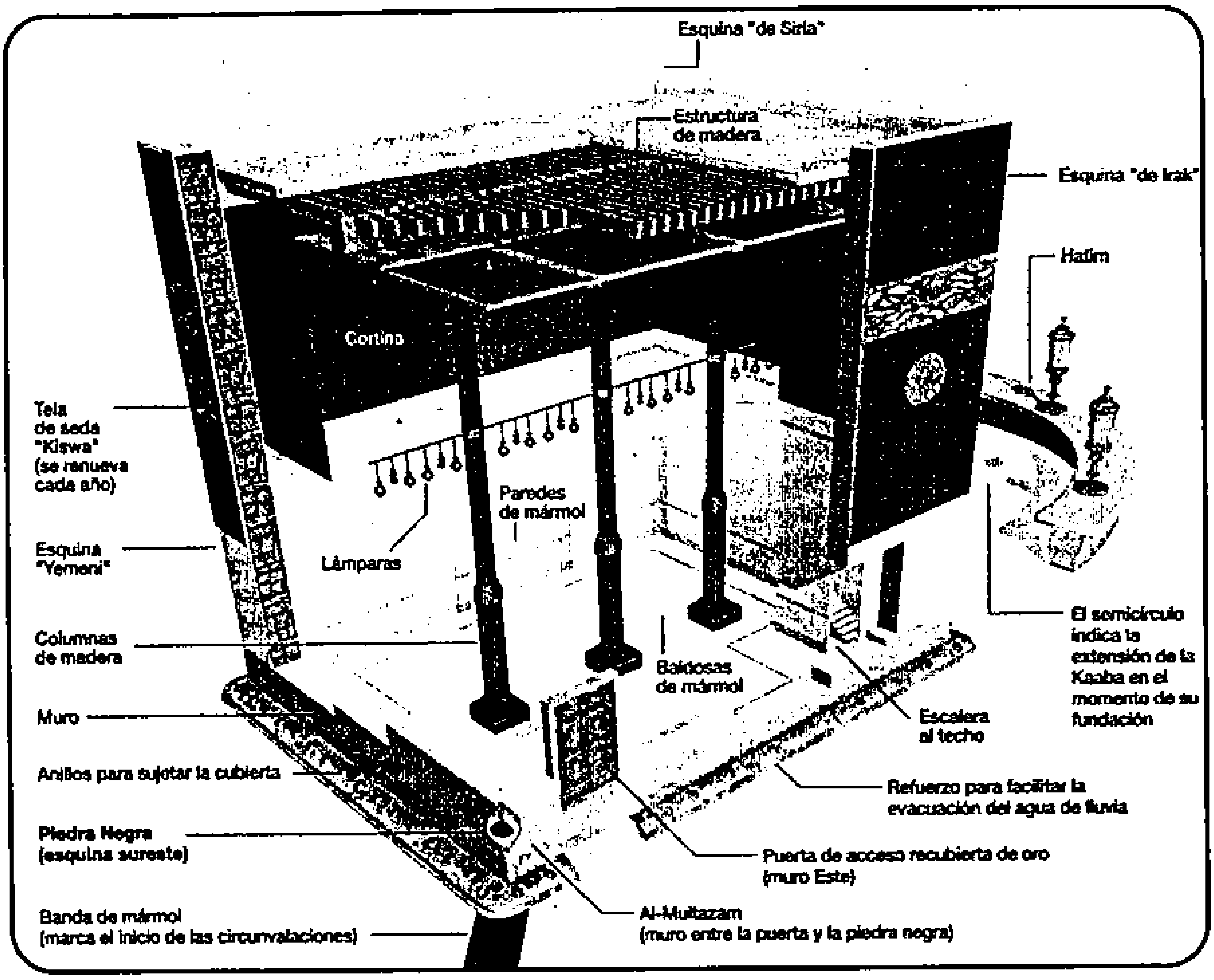

بیت اللہ شریف اندرون حصہ

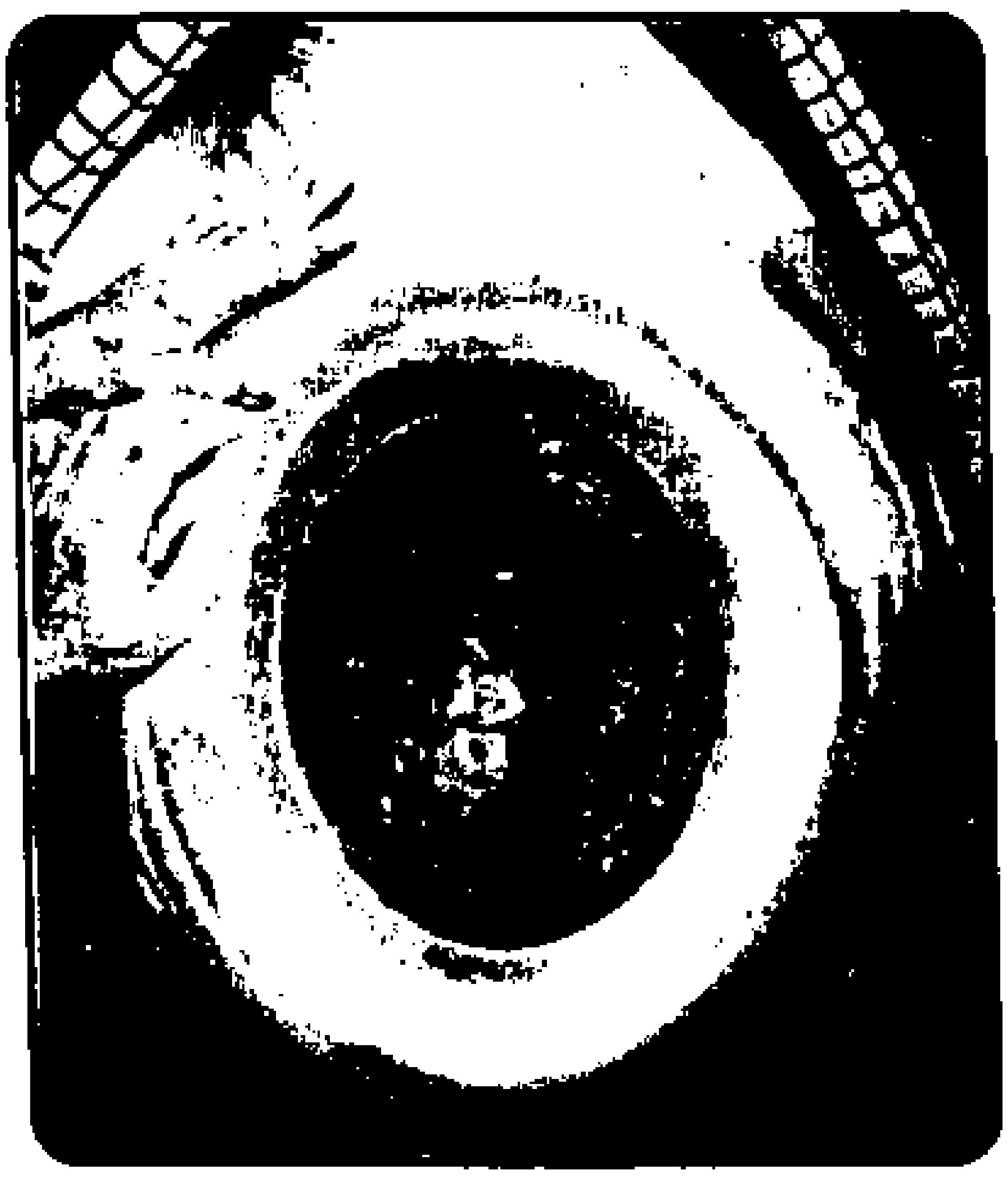

حجرِ اسود

آبِ زم زم

Marfat.com

یہ حجرہ اطہر علیہ السلام کے مقامات عُلیٰ ہیں عظمت میں سوا ہیں

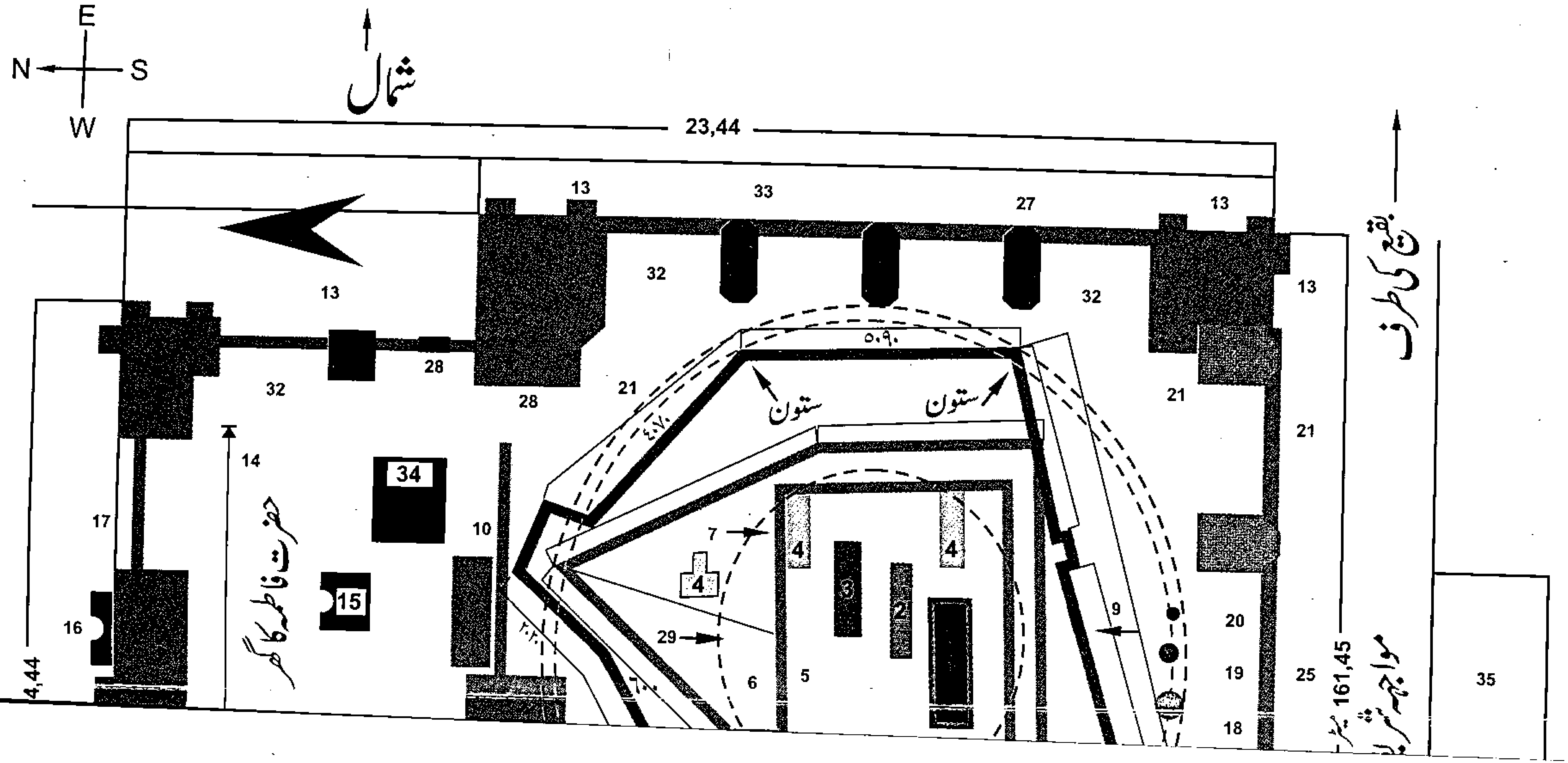

Marfat.com

سعودی محقق ڈاکٹر صالح بن احمد زیاب نے امام ...
سے استفادہ کرتے ہوئے مسجد نبوی شریف میں حجرہ ، مبارکہ کا نقشہ تیار کیا ہے۔ ذیل میں اس ...

1۔ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک

2۔ خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر مبارک

3۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کی قبر مبارک

4۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں 2 روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے ہوگی جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ آپؑ کی قبر حضرت عمرؓ کی قبر کے قریب ہوگی جس طرح نقشے میں نظر آرہا ہے۔

5۔ یہ وہ مقام ہے جو سیدہ عائشہؓ کی جائے قیام بھی تھی

6۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر متعدد مرتبہ آئے۔

7۔ سیدہ عائشہؓ کے حجرے کی دیوار جو رسول اکرم ﷺ نے تعمیر کی تھی وہ آج بھی قائم ہے، اس حجرے کی مشرقی دیوار اور چھت اب نہیں رہی۔

8۔ حجرہ شریفہ کے گرد مخمس دیوار جسے خلیفہ پنجم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تعمیر کیا تھا۔

9۔ وہ دیوار جسے سلطان قایتبائی نے اپنے دور میں مسجد نبوی شریف کی توسیع کے وقت تعمیر کی تھی جو حضرت عمرؓ کی تعمیر کردہ دیوار کے گرد بنائی گئی ہے۔

10۔ سلطان قایتبائی کی تعمیر کردہ دیوار کو مظبوط بنانے کیلئے 10.5 میٹر لمبے ستون۔ ان کی تعداد 12 ہے اور نقشے میں واضح طور پر نظر آرہے ہیں۔

11۔ حجرہ مبارکہ کی پہلی جالی جو ریاض الجنہ کا حصہ ہے۔ سلطان ظاہر بیبرسؒ کے دور میں مسجد نبوی شریف کی توسیع کے وقت اس جالی کے بعد ایک اور جالی تعمیر کی گئی تھی جس کے سامنے آج کل کھڑے ہو کر سلام پیش کیا جاتا ہے۔

12۔ ریاض الجنہ کا حصہ جسے بعد ازاں حجرہ مبارکہ میں شامل کیا گیا۔

13۔ مسجد نبوی شریف کا حصہ جسے بعد ازاں روضہ مبارکہ میں شامل کیا گیا۔

14۔ سیدہ فاطمہ زہراءؓ کا مکان

15۔ وہ مقام جہاں سیدہ فاطمہ زہراءؓ نمازیں پڑھا کرتی تھیں۔ سلطان قایتبائی نے یہاں محراب تعمیر کیا تھا۔

16۔ وہ مقام جہاں رسول ﷺ اکثر و بیشتر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

17۔ وہ مقام جہاں رسول اکرم ﷺ اہل صفہ کیساتھ تہجد پڑھا کرتے تھے۔

18۔ رسول اکرم ﷺ پر سلام پیش کرنے کا مقام جو رسول اکرم ﷺ کے سر[illegible]

19۔ وہ مقام جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سلام پیش کیا جاتا ہے۔

20۔ وہ مقام جہاں حضرت عمر بن خطابؓ پر سلام پیش کیا جاتا ہے۔

21۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ازواج مطہراتؓ کے حجرے قائم تھے۔ ان حجروں کو خلیفہ ولید بن عبدالملک دور میں توسیع کے وقت گرا دیا گیا تھا۔

22۔ مسجد نبوی شریف کا سریر نامی ستون۔ اس ستون کے پاس رسول اکرم ﷺ کا بستر لگا دیا جاتا تھا جب آپ ﷺ اعتکاف میں بیٹھتے تھے۔

23۔ وفود ستون۔ اس ستون کے پاس آپ ﷺ مختلف قبائل کے وفود کا استقبال کرتے تھے۔

24۔ حرس ستون۔ اسے محرس ستون بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں حضرت علیؓ، رسول اکرم ﷺ کی دربانی کیا کرتے تھے۔

25۔ حجرہ مبارکہ کا دروازہ جسے باب التوبہ کہا جاتا ہے۔

25B۔ ریاض الجنہ پر کھلنے والا دروازہ جسے باب ام المومنین سیدہ عائشہ بھی کہا جاتا ہے۔

26۔ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف کھلنے والی کھڑکی۔

27۔ تینوں مبارک مرقدوں میں قدم کی سمت کا نشان۔

28۔ حجرہ مبارکہ میں موجود دروازے۔

29۔ مبارک قبروں کے اوپر دوسرے گنبد کی گولائی کا نشان۔

30۔ مبارک قبروں کے اوپر دوسرے گنبد کی گولائی کا نشان جسے گنبد زرقاء کہا جاتا ہے۔

31۔ مبارک قبروں کے اوپر تیسرے اور مشہور زمانہ گنبد خضراء کی گولائی کا نشان

32۔ حجرہ مبارکہ کا باقی حصہ

33۔ حجرہ مبارکہ کی بیرونی دیوار

34۔ حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کے سونے کی جگہ۔

35۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا مکان۔

Marfat.com

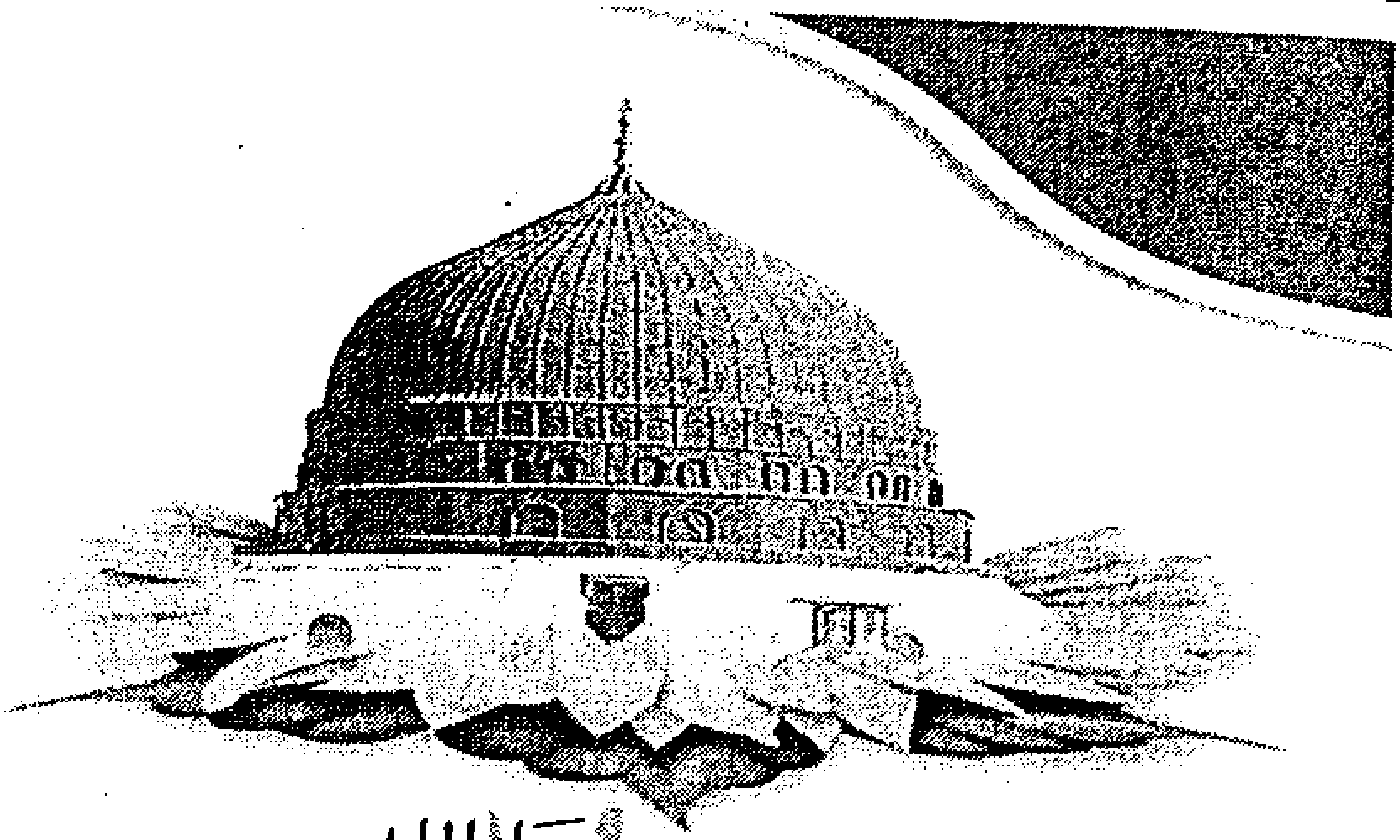

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسلموں کی نظر میں

خطوط / معجزات

خصائص نبوی ﷺ

مرتب و پیش کردہ

الحاج میاں عبدالکریم

صدر ادارہ صوت اسلام ٹرسٹ

P-490 مدینہ چوک افغان آباد، فیصل آباد، پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب........... محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

مرتبہ............. الحاج میاں عبدالکریم صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ

مقام اشاعت........ P-490 مدینہ چوک افغان آباد، فیصل آباد، پاکستان

سلسلہ تبلیغ نمبر........ 206

اشاعت........... اول

تعداد.............. دس ہزار (10,000)

297-99-21
505
125600

ملنے کا پتہ

مرکزی دفتر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ

- P-490 مدینہ چوک افغان آباد شہر فیصل آباد، پاکستان فون نمبر 2648999
- عمر فاروق شاپنگ سنٹر، کچہری بازار فیصل آباد، پاکستان فون 2620797 فیکس 2620799
- جامع مسجد الحاج محمد رمضان والی بالمقابل نیاب گلی نمبر 2، رشید آباد، جھنگ روڈ، فیصل آباد

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	پیش لفظ	5
2	محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں	7
3	محمد ﷺ اغیار کی نظر میں	13
4	محمد ﷺ فرانسیسی محقق کی نظر میں	18
5	ایک ہندو کا اعتراف حقیقت	30
6	محمد ﷺ، دیگر مذاہب کی کتب میں	34
7	محمد ﷺ کی پانچ خصوصیات	47
8	محمد ﷺ کے خطوط بادشاہوں کے نام	56
9	محمد ﷺ کے معمولات اور معاملات	75
10	محمد ﷺ قائد اعظم کی نظر میں	90
11	محمد ﷺ انسانیت کے خیر خواہ	92
12	ورفعنا لک ذکرک	100
13	قرارداد مقاصد	108
14	موت کی حقیقت بعد از موت	113
15	سلام ایک مسنون عمل	120
16	محمد ﷺ عفو و درگزر کے پیکر	129
17	حضور ﷺ بحیثیت قائد انقلاب	134
18	اذان موذن کی فضیلت	150
19	علم کا اصل سرچشمہ اللہ	162
20	حضرت ابراہیم نے کعبہ تعمیر کیا	177
21	محمد ﷺ مثالی شوہر	183
22	محمد ﷺ کا بچوں کے ساتھ سلوک	190
23	بچوں کی تربیت اور پرورش	206
24	معجزہ شق القمر	215
25	وادی جن کا معمہ	222
26	حضرت عثمانؓ کی فتوحات	226
27	تاریخ بقیع الغرقد	228
28	حضرت خدیجہؓ ایک آئیڈیل	243
29	بین الملی یگانگت کی تعلیم	247
30	تعارف سید قطب شہید	271
31	قرآن اور سائنسی انکشافات	285
32	تخلیق کا تصور اور سائنس	294
33	ابتدائے خلق پر غور و فکر	297
34	قرآن اور انسانی نشو و نما	300
35	قرآن اور علم فلکیات	304
36	وحی کی ضرورت اور سائنس	306
37	صحابی درخت	312
38	عثمانؓ کا بنک اکاؤنٹ	316
39	دہلی کی جامع مسجد	319
40	وادی پرل قدرت کا کرشمہ	321
41	علامہ محمد اقبال اور مسجد قرطبہ	325
42	سعودی عرب اور سلامتی کونسل	335
43	وہیل چیئر ٹیب	337
44	موبائل کی گھنٹی اور مساجد	348
45	آب زم زم ایک زندہ معجزہ	353
46	گستاخوں کا عبرتناک انجام	364

Marfat.com

خصوصی معاونین

کتاب کی تیاری، بہتری اور رہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل احباب اور اہم شخصیات نے بھرپور محبت وتوجہ کا اظہار کیا ہے۔ بندہ ناچیز (راقم الحروف) ان کا بے حد مشکور وممنون ہے۔

1۔ مولانا محمد صادق صدیقی

ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم (رجسٹرڈ) لکڑ منڈی جھنگ روڈ فیصل آباد

2۔ الحاج حکیم محمد اسماعیل

زبدۃ الحکماء آف افغان آباد فیصل آباد

3۔ جناب عبدالرحیم صدیقی

ریٹائرڈ ایڈیٹر جنرل پاکستان آرمی راولپنڈی مصطفےٰ آباد علامہ اقبال روڈ، لاہور

4۔ جناب راو محمد سعید الرحمن

آف اکرام جیولرز ریل بازار فیصل آباد

5۔ جناب میاں عامر رشید

آف اسٹنڈرڈ ٹائر کوہ نور، فیصل آباد

6۔ میاں محمد سعید

باغبان پورہ لاہور (آئیڈیل ہوم اسکیم والے)

7۔ حافظ ثناء اللہ

مصطفےٰ آباد لاہور (عجوہ سلائی مشین والے)

8۔ میاں منیب الرحمن

سماجی راہنما پاکستان مارکیٹ گلی نمبر 5 وکیلانوالی کچہری بازار فیصل آباد

9۔ چوھدری محمد اسلم رحمانی

معروف صحافی ورائٹر فیصل آباد

10۔ میاں حامد سلطان داودی

پاکستان کے ممتاز صحافی وسماجی راہنما مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

Marfat.com

پیش لفظ

قارئین کرام

آپ نے میری کافی اسلامی تصنیف پڑھی ہیں لیکن میری کافی عرصہ سے خواہش رہی ہے کہ میں ایک ایسی کاوش آپ کے سامنے پیش کرسکوں جس میں نبی ﷺ کی شان غیر مذاہب کے دانشوروں نے بھی نبی پاک ﷺ کی صلاحیتوں کا لوہا مانا۔ اس سلسلے میں ایک کتاب آپ کی خدمت میں پیش کرر ہاہوں جس کا نام

"محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں"

نبی پاک ﷺ کی سیرت پاک بحثیت مسلمان ہماری زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے لیکن میں نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر اپنی ناقص سی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں نبی پاک ﷺ کی سیرت پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ نبی ﷺ کی جملہ دعوتی و تبلیغی و جہادی اور دینی معاملات کو جمع کرنا اس کمترین وکم علم کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ کاوش وکوشش اپنے جذبہ ایمانی کو بڑھانے کے لیے سرانجام دیا ہے۔ تحریر ومشاہدات میں غلطی یا کوتاہی کی اطلاع دینے والے شخص کے ہم مشکور وممنون ہوں گے اور آئندہ ایڈیشن میں اصلاح شکریہ کے ساتھ کریں گے۔ اگر اس کے نتیجہ میں کسی ایک فرد کی سوچ

Marfat.com

بھی بدل گئی تو ان شاء اللہ ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ اللہ کریم ہماری اس کوشش کو قبول و منظور فرماتے ہوئے توشہ آخرت بنائے۔

(آمین ثم آمین)

الراقم

الحاج میاں عبدالکریم

صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ فیصل آباد، پاکستان

وصدر نظریہ پاکستان فورم فیصل آباد ڈویژن

مرکزی دفتر: P-490 مدینہ چوک افغان آباد فیصل آباد

فون نمبر 2648999-2620797 فیکس 2620799

موبائل 03009668076

Hppt://www.sautulislam.org

abdulkareem@live.com.pk

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ

غیر مسلموں کی نظر میں

گوئٹے

''اس چشمے کو دیکھو جو ستاروں کی کرنوں کی طرح ہنستا ہوا صاف شفاف چٹانوں سے نکلا ہے۔ بچپن میں اسے قدسیوں نے اس دنیا میں پالا جو بادلوں سے پرے ہے۔ شباب کی تازگی اور جوش لئے ہوئے وہ خرام ناز کرتا ہوا بادلوں سے نکلتا ہے اور پتھروں کے بیچ جھاڑیوں میں سے گزر کر مرمریں چٹانوں پر گرتا اور پھر مسرت کے نعرے لگاتا ہوا آسمان کی طرف اچھلتا ہے۔ نیچے وادی میں جہاں اس کا قدم پڑتا ہے پھول کھلنے لگتے ہیں اور اس کے دم سے سبزہ زار میں جان پڑ جاتی ہے۔ لیکن اسے نہ سایہ دار وادی روک سکتی ہے نہ وہ پھول جو اس کے گھٹنوں سے لپٹ لپٹ کر محبت بھری نگاہوں سے اس کی خوشامد کرتے ہیں۔ چھوٹے چشمے اس کے دامن سے لپٹ کر چلتے ہیں۔ وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا میدان میں پہنچتا ہے اور میدان بھی اس کی آب وتاب سے چمک اٹھتا ہے۔ میدان کے دریا اور پہاڑوں کے چشمے پکار پکار کر کہتے ہیں، بھائی! اے بھائی! ہمیں بھی اپنے رب کے پاس لے چل، ہمیں بھی بے پایاں سمندر کی آغوش میں پہنچا دے۔

افسوس! ہم اس کے مشتاق اس کی آغوش تک پہنچ نہیں پاتے۔ ریگستان کی پیاسی ریت ہمیں جذب کر لیتی ہے اور اوپر سورج ہمیں چوس لیتا ہے، کوئی پہاڑی راستہ روک کر ہمیں تالاب بنا دیتا ہے۔ اے بھائی! اپنے میدان والے بھائیوں کو، اپنے پہاڑ والے بھائیوں کو، اپنے ساتھ اپنے رب کے پاس لے چل۔

آؤ سب کے سب آؤ! اب وہ بڑی شان سے موجیں مارتا ہوا بڑھتا ہے اور ملکوں پر اپنے سکے،

Marfat.com

بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کا پاؤں پڑتا ہے، شہر آباد ہو جاتے ہیں۔
اس کا بہاؤ کسی سے روکے نہیں رکتا، وہ زور وشور سے میناروں کی چمکتی چوٹیوں اور مرمریں عمارتوں کو پیچھے چھوڑ کر تخلیق کے جوش میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔''
یہ جرمنی کے سب سے بڑے شاعر گوئٹے کی نظم کا اردو ترجمہ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے ''جوئے محمد ﷺ بہت سے غیر مسلم شاعروں نے حضور اکرم ﷺ سے منسوب نعتیں لکھی ہیں مگر میری نظر میں کسی غیر مسلم شاعر کی طرف سے سب سے بڑا اخراج تحسین جو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا ہے وہ گوئٹے کی یہی نظم ہے۔ حضور ﷺ وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں کہ کائنات جن کی نظیر نہیں لا سکتی۔

سعدی

آپؒ نے دنیا کی تاریخ کو ذہنی رویوں کو، ذاتی تعلقات کو، عائلی زندگی کے اصولوں کو، قبائلی عصبتیوں کو، مذہبی اوہام کو، انفرادی واجتماعی شعار زندگی کو، روح کے تقاضوں کو، جسم کی ضرورتوں کو، کو جنگ کے اصولوں کو، طرز عبادت کو، روح اور مادے کے مابین تعلق کو، غرض دن رات، بہار خزاں، دنیا آخرت سے جڑے ہر تصور کو بدل دیا۔ عرب کے صحرا میں کھلنے والے اس پھول نے پہاڑوں، دریاؤں اور میدانوں کو، خوشبوؤں سے نہال کر دیا، انسان کے بس میں ہی نہیں کہ لغت میں موجود، ان چند حرفوں کو استعمال میں لا کر تعریف کا حق ادا کر سکے۔ غالب جیسا لفظوں کا جادوگر بھی یہ کہہ کر اس معاملے میں خاموش ہو گیا کہ محمد ﷺ کی تعریف محمد ﷺ کا خدا ہی کر سکتا ہے۔ سعدی کا زور بیان یہاں آ کر ختم ہو گیا اور انہوں نے ایک فقرے میں یہ کہہ کر اپنی کمزوری کا اظہار کر دیا کہ: بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر۔
میں اس مضمون میں دنیا کے چند معروف لوگوں کے اقتباس پیش کرنے جا رہا ہوں۔ یہ تمام لوگ غیر مسلم ہیں اور تمام اپنے شعبوں کے نمایاں نام ہیں۔ ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گا کہ بزرگی اور عظمت اسی کا نام ہے کہ دشمن بھی عظمت و بزرگی کا اعتراف کریں۔ آج کا بے وقوف یورپ حضور ﷺ کے حوالے سے جو طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہے وہ پہلے اپنے ان

Marfat.com

اکابرین کا تو انکار کرے۔

جارج برنارڈ شا

جارج برنارڈ شا اپنی کتاب ''دی جینوئین اسلام'' میں لکھتے ہیں ''میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے دین کو اس میں موجود قوت حیات کے سبب انتہائی احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔ محمد ﷺ کا دین وہ واحد دین ہے جس میں وہ لامحدود قوت ہے جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ میں نے محمد ﷺ کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ وہ عظیم اور حیران کن شخصیت تھے۔ اگر کوئی انہیں Anti Christ سمجھتا ہے تو وہ نادان ہے۔ میرے نزدیک ان کا لقب ''انسانیت کا نجات دہندہ'' ہونا چاہیے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ جیسی کوئی شخصیت جدید دور کی مطلق العنان حکمران ہوتی تو دنیا کے مسائل حل ہو جاتے اور دنیا میں امن و خوش حالی ہوتی۔ میں یہ پیشن گوئی کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کا دین جس طرح آج کے یورپ کے لیے قابل قبول ہے یہ ہمیشہ اسی طرح قابل قبول رہے گا۔''

مائیکل ہارٹ

مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ''دی ہنڈرڈ'' میں انسانیت کے متاثرین شخصیات میں حضرت محمد ﷺ کو سر فہرست رکھا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔ ''بہت سے لوگوں کو حیرت ہوگی اور بہت سے لوگ سوال بھی اٹھائیں گے کہ میں نے دنیا کی متاثر کن شخصیت کی فہرست میں محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر کیوں رکھا؟ لیکن بلاشبہ وہ تاریخ کی واحد شخصیت ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں محاذوں پر یکساں کامیاب ہوئے''۔

اینی بیسنت

برصغیر کی مشہور رہنما اینی بیسنت حضرت محمد ﷺ کے متعلق اپنی کتاب ''پیغمبر اسلام کی حیات و تعلیمات'' میں لکھتی ہیں:

Marfat.com

''ہر وہ شخص جس نے عرب کے عظیم پیغمبر ﷺ کی حیات اور تعلیمات کا مطالعہ کیا ہو، اس کے دل میں خدا کے اس عظیم نبی ﷺ کے لیے سوائے احترام کے کچھ نہ ہوگا، اگرچہ میں جو کچھ بھی آپ ﷺ کے بارے میں لکھنا چاہوں اس سے بہت سے لوگ پہلے ہی واقف ہوں گے، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے جب بھی آپ ﷺ کے متعلق پڑھا، مجھ پر اس عظیم عرب معلم کی تعریف اور احترام کے نئے رخ ادا ہوئے۔''

پروفیسر واٹ منٹگمری

پروفیسر واٹ منٹگمری اپنی کتاب ''محمد ﷺ مکہ میں'' لکھتے ہیں۔ ''اپنے نظریات کے لیے ہمہ وقت قربانی پر تیار رہنا ان کے پیروں کاروں یعنی صحابہ کا بلند اخلاقی معیار اور ان کی عظیم کامیابیاں، ان کی دیانت، امانت، اصابت اور سالمیت کا اظہار ہیں۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ نبی نہیں تھے تو بہت زیادہ مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بہت کم مسائل اس سے حل ہوتے ہیں مگر میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ تاریخ کی اس عظیم شخصیت کی مغرب نے کما حقہ قدر نہیں کی۔''

پروفیسر الفریڈ کرونز

پروفیسر الفریڈ کرونز جو دنیا کے معروف ترین ماہر اراضیات مانے جاتے ہیں رقمطراز ہیں: ''محمد ﷺ کی طرف سے ابتدائے کائنات کے بارے میں فراہم کردہ معلومات سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ وہ معلومات جو آج ہم جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے معلوم کررہے ہیں، سائنسی طریقوں کے بغیر کیسے یہ معلومات ان تک پہنچیں۔''

جان ولیم ڈائیپر

جان ولیم ڈائیپر اپنی کتاب ''یورپ کی فکری تاریخ'' میں لکھتے ہیں: ''محمد عربی ﷺ کے اثرات انسان پر ہمیشہ رہیں گے''

Marfat.com

دیوان چند شرما

دیوان چند شرما اپنی کتاب ''مشرق کے مذاہب'' میں لکھتے ہیں:

''محمد عربی ﷺ مجسم رحم دلی تھے۔ان کے اثرات ان کے پیروکاروں پر ہمیشہ رہیں گے اور کبھی مدہم نہ ہوں گے۔''

پروفیسر Tagata Tagasone

پروفیسر Tagata Tagasone لکھتے ہیں: ''اپنی تحقیق سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آج سے 1400 سال پہلے جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا وہ سب درست ہے جسے سائنسی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ محمد ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔اس لیے یہ تسلیم کئے بنا کوئی چارہ نہیں کہ وہ خدا کے پیغمبر تھے۔اس خدا کے جو اس کائنات کا خالق ہے۔یقیناً یہ خالق اللہ ہے۔لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی کوئی لائق عبادت نہیں سوائے اللہ کے، اور محمد اللہ کئے رسول ہیں۔''

باس ورتھ سمتھ

باس ورتھ سمتھ اپنی کتاب ''محمد اینڈ محمد نزم'' میں لکھتے ہیں۔: ''وہ بیک وقت بادشاہ بھی تھے اور مذہبی رہنما بھی، مگر مذہبی رہنما ایسے جو تصنع سے پاک اور بادشاہ ایسے جو فوج، باڈی گارڈ، محل اور ذرائع آمدن سے بے نیاز۔اگر تاریخ میں کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے خدائی حکم کے تحت حکومت کی تو یہ صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے جن کے پاس نہ حکومتی وسائل تھے نہ کوئی حمایت''۔

ڈاکٹر T.V.N.Persuad

ڈاکٹر T.V.N.Persuad جو 21 کتابوں اور 181 سائنسی مقالوں کے مصنف ہیں، جنہیں 1991ء میں اناٹومی کا اعلیٰ ترین ایوارڈ دیا گیا، کہتے ہیں: ''مجھے پتہ ہے کہ محمد ﷺ ایک عام آدمی تھے، وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ درحقیقت وہ ناخواندہ تھے۔

Marfat.com

میں 1400 سال پہلے کی بات کر رہا ہوں، آپ ایک ایسے شخص کا تصور کریں جو ناخواندہ ہونے کے باوجود ایسے دعوے کر رہا ہو جو حیران کن حد تک سائنسی طور پر درست ہوں، اتنے درست اور معتبر کہ ان پر نظریۂ چانس کا اطلاق ناممکن۔ مجھے ڈاکٹر کیتھ مور سے بالکل اتفاق ہے کہ یہ سارے دعوے وحی ہیں جو محمد ﷺ پر خدا کی طرف سے اتری تھی۔''

پروفیسر پالمر

امریکی سائنسدان پروفیسر پالمر کہتے ہیں: ''ہمیں مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر تحقیق کرنی پڑے گی کہ آیا تاریخی واقعات کا کوئی ریکارڈ اس وقت موجود تھا۔ اگر کوئی ایسا ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا تو اس یقین کو ثبات حاصل ہو جانا چاہیے کہ اللہ نے محمد ﷺ کو وحی کے ذریعے وہ علم عطاء کیا جو ہم آج کے دور میں آکر دریافت کر رہے ہیں''۔

یہ چند اقتباسات یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ یورپ سمیت دنیا بھر کی فکری اور سائنسی دنیا محمد ﷺ کی عظمت کی معترف ہے۔ وہ اسلام کی فکری برتری کو تسلیم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج اسلام دنیا میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ یورپ اور مغرب سمیت پوری غیر اسلامی دنیا اسلام کی لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی اس صلاحیت سے خوفزدہ ہے۔ ثبوت کے لیے بین الاقوامی اخبارات کے یہ تراشے ملاحظہ کیجیے۔

''اسلام دنیا کا سب تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے (ہیری کلنٹن، لاس اینجلس 31 مئی 1996)

''اسلام دنیا کا تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے جبکہ پہلے ہی یہ گروپ ایک ارب سے زیادہ ہے (اے پی سی این نیوز)

اسلام ملک میں پھیلنے والا سب سے بڑا مذہب ہے (نیوز ڈے 7 مارچ 1989)۔

امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے (نیویارک ٹائمز 21 فروری 1989)۔ محمد ﷺ دنیا کے کامیاب ترین پیغمبر ﷺ اور مذہبی شخصیت ہیں (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

اقبال نے کہا تھا، دنیا نورِ مصطفیٰ ﷺ کی تلاش میں ہے اور یہ خواہی نخواہی اسی نور کی طرف سفر کر رہی ہے اور میں کہتا ہوں کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے۔

Marfat.com

رحمت اللعالمین ﷺ اغیار کی زبان وقلم سے

غیر مسلم مشاہیر نے کس طرح صادق اور امین رسول ﷺ کی صداقت، امانت، اخلاق حسنہ اور اسلام وقرآن کی حقانیت کی گواہی دی۔ نپولین نے ایک صدی قبل 1914ء میں کہا: میں امید کرتا ہوں کہ وقت بہت دور نہیں ہے جب میں اس قابل ہوسکوں گا کہ تمام ممالک کے دانشوروں اور تعلیم یافتہ مردوں کو متحد کر کے صرف اور صرف قرآن کے یکتا طور پر سچے اصولوں، جو کہ انسانیت کی خوشی کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں، کی بنیاد پر ایک ہی حکومت قائم کرسکوں۔ موہن داس کرم چند گاندھی رقم طراز ہوئے ''میں ہمیشہ سے بھی بڑھ کر اس بات کا قائل ہوا کہ اسلام کے لیے جگہ بنانے کا کام تلوار نے نہیں بلکہ پیغمبر کی کٹر ترین سادگی اور مکمل انکساری، اپنے وعدوں کی قابلِ بھروسہ پاسداری اور اپنے پیروکاروں اور مصاحبین کے ساتھ ان کی پرخلوص لگن، ان کی بے خوفی اور خدا پر اور اپنے مشن کی سچائی پر ان کے یقین کامل اور مطلق اعتماد نے کیا تھا۔ یہ تلوار نہیں تھی بلکہ آپؐ کی یہ صفاتِ عالیہ تھیں جنھوں نے آپؐ کے راستے کی ہر شے کو ہٹا دیا اور ہر مصیبت کو فتح کیا۔

☆ فرانسیسی مصنف اور شاعر الفانسے لیمارٹائن نے لکھا''

اگر مقصد کے عظیم ہونے، وسائل کی انتہائی قلت اور حیران کن نتائج کو کسی انسان کی عظمت کو ناپنے کے تین معیار سمجھے جائیں تو کس میں ہمت ہے کہ جدید تاریخ کے کسی عظیم آدمی کا محمدؐ کے ساتھ موازنہ کر سکے؟ بہت مشہور آدمیوں نے محض ہتھیار بنائے یا قوانین اور سلطنتیں۔

Marfat.com

جس چیز کی بھی انہوں نے بنیاد رکھی وہ محض مادی طاقت کا حصول تھا جو اکثر ان کی آنکھوں کے سامنے ہی صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اس آدمی (محمد ﷺ) نے نہ صرف افواج ،قوانین، سلطنتوں اور قبیلوں بلکہ اپنے وقت کی آباد دنیا کے ایک تہائی حصے کے لاکھوں آدمیوں کو تحریک دی اور اس سے بڑھ کر انہوں نے قربان گاہوں، دیوتاؤں، مذاہب، خیالات ،عقائد اور ارواح کو بدل کر رکھ دیا۔ فتح مندی کے وقت انکسارانہ ضبطِ نفس، ان کی واضح مقصدیت، جو کہ ہرگز کسی سلطنت کے قیام کے لیے نہیں بلکہ مطلقاً صرف ایک نظریے کے لیے وقف تھی۔ ان کی نہ ختم ہونے والی عبادات، ان کی خدا کے ساتھ الہامی گفتگو ان کی وفات اور وفات سے بھی بعد کی کامیابیاں، یہ سب تصدیق کرتی ہیں کہ یہ کوئی دھوکہ نہیں بلکہ ایمان کامل تھا جس نے انہیں طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ ایک عقیدے (توحید الٰہی) کو بحال فرما سکیں۔ فلسفی، ترجمان حقیقت، پیغمبر، قانون دان، جنگجو سپاہی، نظریات کے فاتح، عقل ومنطق کی کسوٹی پر پورا اترنے والے عقائد کے بحال کنندہ، تصویری خاکوں کے بغیر کار جحان ڈالنے والے، بیس مادی اور ایک روحانی سلطنت کے بانی، وہ محمد ﷺ ہیں۔ جہاں تک تمام تر معیارات کا تعلق ہے جن کے ذریعے انسان کی عظمت کو ناپا جا سکتا ہو تو ہم بجا طور پر پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کوئی آدمی ان سے بڑھ کر بھی عظیم ہے؟

☆برطانوی تاریخ دانوں ایڈورڈ گبن اور سائمن اوکلے نے لکھا

"تبلیغ نہیں بلکہ ان کے مذہب کا استحکام ہماری حیرت کا مستحق ہے۔ اتنا ہی خالص اور کامل تاثر والا کہ جس قرآن کو انہوں نے مکہ اور مدینہ میں کندہ فرمایا، چودہ صدیوں کے انقلابات کے بعد بھی بالکل محفوظ ہے، جس دوران بھارتیوں، افریقیوں اور ترکوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا (اور اسلام قبول کیا) محمد ﷺ کے پیروکاروں نے اپنے عقیدے کے مقصد کو کم

Marfat.com

کرنے کی ہر کوشش اور فتنے کو شعوری عقیدت کے ساتھ یکساں طور پر مسترد کیا، میں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اسلام کا سادہ اور نا قابل تبدیل عقیدہ ہے۔ خدا کے اس دانشورانہ تصور کو کبھی بھی کوئی دکھائی دینے والے دیوی یا دیوتا کم نہیں کر سکے اور پیغمبر ﷺ کے اعزاز نے کبھی بھی انسان کی فضلیت کو پامال نہیں کیا''۔

☆ امریکی عیسائی بشپ بوزورتھص سمتھ نے تحریر کیا

''وہ (محمدؐ) کسی باقاعدہ فوج کے بغیر، کسی ذاتی محافظ کے بغیر، کسی شاہی محل کے بغیر، کسی مقررہ آمدنی کے بغیر، شہنشاہوں کے جتھوں کے بغیر، ایک شہنشاہ اور جھوٹی تقدیس کی نمائش سے پاک ایک مذہبی پیشوا تھے۔ اگر کبھی کسی آدمی کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس نے صحیح الہامی اصولوں پر حکومت کی تو یہ محمدؐ تھے''۔

☆ برطانوی مصنفہ اور حقوق نسواں کی علمبردار اینی بیسانت نے لکھا

''کسی شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ عرب کے پیغمبر کے لیے تعظیم واحترام کے علاوہ کچھ اور محسوس کر سکے، جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے عظیم پیغمبروں میں سے ایک ہیں۔ میں بذاتِ خود جب بھی انہیں دوبارہ پڑھتی ہوں تو ایک نئی طرح کا احترام اور تعظیم کا ایک نیا جذبہ عرب کے اس عظیم معلم کے لیے محسوس کرتی ہوں''۔

☆ سکاٹش تاریخ دان ولیم منٹگمری واٹ لکھتے ہیں

''ان کا اپنے عقائد کی خاطر ظلم وستم سہنے کے لیے تیار رہنا، ان پر ایمان لانے والوں اور انہیں

Marfat.com

اپنا رہنما تسلیم کرنے والوں کا اعلیٰ اخلاقی کردار، اور ان کی حتمی کامیابی کی عظمت، یہ سب کچھ ان کی بنیادی سچائی کی دلیل ہیں''۔

☆امریکی مصنف مائیکل ایچ ہارٹ نے لکھا

''دنیا کے سب سے زیادہ بااثر افراد کی فہرست کی قیادت کے لیے میری طرف سے محمدؐ کا انتخاب کرنا بعض قارئین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا اور کچھ دیگر اس بابت پوچھیں گے مگر وہ تاریخ کے ایسے اکیلے آدمی تھے جو مذہبی اور سیکولر دونوں سطحوں پر کامل طور پر کامیاب تھے''۔

☆مشہور ہندوستانی شاعرہ سروجنی نائیڈو مدح خواں ہیں

''یہ (اسلام) پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس پر عملدرآمد کیا، کیونکہ جب مسجد میں نماز کے لیے اذان ہوتی ہے اور عبادت گذار اکٹھے ہوتے ہیں تو اسلامی جمہوریت ایک دن میں پانچ مرتبہ مجسم نظر آتی ہے، جب کسان اور بادشاہ ساتھ ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ صرف خدائے واحد ہی بڑا ہے''

☆برطانوی ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا لکھتے ہیں

''میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان (محمدؐ) کی طرح کا کوئی آدمی آج کی جدید دنیا میں آمریت قائم کرکے حکومت چلاتا تو وہ اس طرح سے اس کے مسائل حل کرنے میں کامیاب رہتے جو کہ بہت زیادہ درکار امن اور خوشی لے کر آتا۔ میں نے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ میری رائے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہرگز نہیں۔ انہیں تو بہرصورت انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔ میں پیشگوئی کر رہا ہوں کہ محمدؐ کا عقیدہ (اسلام) کل کے یورپ کے لیے قابل قبول

Marfat.com

ہوگا اور یہ آج کے یورپ کے لیے قابل قبول ہونا شروع ہو رہا ہے۔"

☆ سکاٹش فلسفی تھامس کارلائیل تحریر کرتے ہیں

"کس طرح ایک آدمی بالکل اکیلے دو دہائیوں سے بھی کم عرصے میں باہم متحارب قبائل کو مضبوطی سے جوڑ سکتا تھا اور بدوؤں کو سب سے طاقتور اور مہذب قوم میں تبدیل کر سکتا تھا؟ جھوٹ اور مغربی تضحیک آمیزی جو ڈھیروں کے حساب سے خوب ارادی طور پر اور پوری شدت کے ساتھ اس شخص (محمدؐ) کے گرد اکٹھا کی گئی ہے (ان کے لیے نہیں بلکہ) صرف خود ہمارے لیے شرمناک ہے۔ (پھر دوبارہ یہی الفاظ لکھے) کس طرح ایک آدمی بالکل اکیلے دو دہائیوں سے بھی کم عرصے میں باہم متحارب قبائل کو مضبوطی سے جوڑ سکتا تھا اور بدوؤں کو سب سے طاقتور اور مہذب قوم میں تبدیل کر سکتا تھا؟ ایک خاموش عظیم روح، ان (پیغمبروں) میں سے ایک جو سنجیدہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے دنیا کو روشن و تابندہ کرنا تھا اور دنیا کے بنانے والے (خدائے پاک) نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔"

☆ اسٹینلے لین پول نے لکھا

"وہ سب سے بڑھ کر میٹھی اور سب سے بڑھ کر قابل قبول گفتگو فرمانے والے تھے۔ جنہوں نے ان کی زیارت کی وہ اچانک احترام کے جذبے سے معمور ہو گئے۔ جو ان کے قریب آیا ان کی محبت کا اسیر ہوا اور جنہوں نے آپ کو بیان کیا انہوں نے کہا "میں نے آپ کی مثل نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں"

آپ ﷺ عظیم خاموشی والے تھے مگر جب بولتے تو پر اثر طریقے اور دلیل کے ساتھ گفتگو فرماتے، اور کوئی بھی نہ بھول پاتا کہ آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!۔

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

(ایک فرانسیسی محقق کی نظر میں)

پروفیسر کانت ہنری دی کاستری فرانس کا گذشتہ صدی کا ایک نامور فاضل اور اہل قلم تھا۔ اس نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الاسلام'' تھا اس کتاب کا ترجمہ مصر کے ایک مصنف احمد فتحی بک زغبلول نے 1898ء میں شائع کیا۔ عربی سے اس کے کچھ حصے علامہ شبلی نعمانی نے اردو میں منتقل کئے اور وہیں سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں مصنف کے اسباب بیان کرنے کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری لکھی ہے اور اس کے بعد ان تمام مسائل پر بحث کی ہے جن پر یورپ کے عیسائی مصنفین ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں مثلاً جنت کا جسمانی ہونا، غلامی کا جواز اور تعدّدِ ازواج وغیرہ۔ آخر میں ان روایتوں کو لکھا ہے جو عہد وسطیٰ میں تمام یورپ میں مسلمانوں کے متعلق پھیلی ہوئی تھیں اور جن میں مسلمانوں کی نسبت عجیب وغریب افترا پردازیاں کی گئی تھیں۔ اس کتاب میں مصنف نے نہایت تفصیل سے دکھلایا ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کے متعلق کس طرح متعصبانہ غلط خیالات پیدا ہوئے۔ یہ خیالات کس طرح بڑھتے اور پھیلتے چلے گئے۔ پیشویان مذہب نے کس طرح ان خیالات کو تمام ممالک میں مذہبی حیثیت سے پھیلایا اور یورپ کے تمام ادب کا عنصر بنا دیا۔ قومی گیتوں میں یہی خیالات گائے جاتے تھے۔ معرکۂ جنگ میں رجز کے طور پر یہی خیالات ادا کئے جاتے تھے اور کسی شخص کے عیسائی بنانے کے وقت یہی خیالات عقائد کے طور پر سکھائے جاتے تھے۔

سببِ تصنیف

مصنف نے کتاب کا سبب تصنیف یہ بتایا ہے کہ ایک روز وہ بحیثیت فوجی افسر الجزائر کے

Marfat.com

ﷺ پہ جوران میں اپنے کچھ ماتحت عرب سپاہوں کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ عرب سپاہی ترنم سے اشعار پڑھ رہے تھے۔ اچانک انہوں نے شعر پڑھنے موقوف کر دیئے اور گھوڑوں سے اتر کر نماز کے لیے صف بستہ ہو گئے۔ یہ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ نماز کے روح پرور منظر نے اس کے دل پر اتنی شدت سے اثر کیا کہ اس نے اسی روز اسلام کے مطالعے اور اس کے متعلق کچھ لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی عمر اس وقت صرف 25 سال کی تھی۔

کتاب کے دیباچہ میں مصنف لکھتا ہے کہ کتاب کے شائع کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مجھ کو اسلام کے متعلق کچھ لکھنے کا خاص حق حاصل ہے۔ میں نے مدت تک اہل عرب کے ساتھ زندگی گزاری ہے اور مشرقیوں کے مزاج اور طبیعت کے دریافت کرنے میں اکثر مصروف رہا ہوں۔ میرا طریقہ وہی ہے جو الجزائر کے مستعریوں کا ہے اور اسی بنا پر میں سب سے پہلے معزز مستشرقوں سے بہ ادب و نیاز یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو ان لوگوں کی فہرست میں نہ داخل کریں جن کا یہ حال ہے کہ وہ عرب کا رخ کرتے ہیں اور چند روز کی سیاحت میں اِدھر اُدھر کی گپیں سن کر اسلام کے متعلق لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریر محض شاعرانہ معلوم ہوتی ہے۔ مصنف مزید لکھتا ہے کہ:

''مذہب اسلام کے متعلق سب سے زیادہ غلط اوہام جو ہم لوگوں میں پھیل گئے ہیں، وہ خاص پیغمبرؐ کی ذات کی نسبت سے ہیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے میں پیغمبرؐ کی ذات اور ان کی اخلاقی حالت کے متعلق بحث کروں۔ مجھ کو امید ہے کہ یہی بحث ان کی سچائی اور دریافت کی ایک عمدہ دلیل ثابت ہوگی۔ جس پر قریباً تمام مذاہب کے مورخین اور بڑے پکے عیسائی متفق اللفظ ہیں۔

عجیب وغریب قصّے

قرون وسطیٰ میں یورپ کے عیسائی مسلمانوں کے متعلق کس قسم کے خیالات رکھتے تھے اور مسلمانوں کے عقائد وغیرہ کے متعلق ان میں کیسے کیسے عجیب وغریب قصے مشہور تھے، اس کے متعلق کانٹ ہنری دی کاستری نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بہت ہی دلچسپ اور

Marfat.com

حیرت انگیز ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے تو یہ ایک عجیب وغریب انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے وہ تمام پس منظر سامنے آجاتا ہے جو یورپ کے عیسائیوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق غلط ملط لکھنے پر اکساتا رہا ہے اور اب بھی اکساتا رہتا ہے۔ مصنف لکھتا ہے ''لیکن اگر مسلمانوں کو وہ قصے معلوم ہوں جو عیسائیوں میں گائے جاتے تھے تو معلوم نہیں مسلمانوں کو کس قدر حیرت ہوگی۔ بارہویں صدی سے قبل تک جس قدر گیت ہم لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے، گویا سب ایک ہی دماغ کے نتیجے تھے۔ یہی گیت ہیں جن کی بدولت صلیبی جنگیں برپا ہوئیں ان سب کا موضوع مسلمانوں سے سخت نفرت پیدا کرنا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہب سے لوگ بالکل ناواقف ہیں۔ انہی گیتوں نے ان بیہودہ روایتوں کو دلوں میں راسخ کر دیا اور انہی کی بدولت یہ غلط فہمیاں قائم ہوگئیں جن میں سے اکثر آج بھی قائم ہیں۔ ان گیتوں کے گانے والے عموماً یقین رکھتے تھے کہ مسلمان مشرک اور بت پرست ہیں۔ وہ تین خداؤں کے قائل ہیں جن کے درجے مختلف ہیں۔۔۔۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ محمد و نے اپنے دین میں اپنے آپ کو بھی خدا قرار دیا اور یہ کہ محمد ﷺ نے (جو درحقیقت بتوں کے دشمن اور ان کے برباد کرنے والے تھے) اپنی صورت کا ایک زرّیں بت بنایا تھا اور لوگوں سے اس کی پوجا کراتے تھے۔

مصنف کی حق گوئی

اسی قسم کی بہت سی خرافات درج کرنے کے بعد مصنف لکھتا ہے ''ان بے ہودہ اقوال کے نقل کرنے میں، میں نے زیادہ طوالت سے کام لیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ الیگزانڈر مذکور کی تاریخ نے ان بیہودہ روایاتوں کی معدوم نہیں کیا بلکہ ان کا اثر دلوں میں اب بھی موجود ہے اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق آج بھی لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ یہ شعراء ان قصوں کو کیا درحقیقت سچ سمجھتے تو میں نارمنڈی والوں کی طرح جواب میں ''ہاں'' بھی کہوں گا اور ''نہیں'' بھی کیونکہ یہ قطعی ہے کہ چونکہ مسلمان اور عیسائی باہم ملتے جلتے رہتے تھے، اس لیے مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہونا مشکل نہ تھا لیکن

Marfat.com

وہ درحقیقت یہ چاہتے ہی نہ تھے کہ اپنے اشعار میں تاریخی طور پر سچے واقعات بیان کریں۔ ان کا مقصد صرف عیسائیوں میں بغض اور نفرت کی روح پھونکنا تھا۔ اس لیے ان کو ضرورت تھی کہ مسلمانوں، ان کے پیغمبر اور ان کے مذہب کے ایسے اوصاف بیان کریں جو ان لوگوں کے مذاق اور معلومات کے موافق ہوں جن کے سامنے یہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ ان شعرا سے قطع نظر کر کے جب ہم زمانہ مابعد کے ان متکلمین کی تصانیف پڑھتے ہیں جن کی آراء اعتدال کی طرف مائل ہیں تو یہ تصنیفات بھی خرافات اور گالی گلوچ سے اٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ طرہ کہ گروہ مصلح یعنی پروٹسٹنٹوں (Protestants) کا تعصب اور زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

مسلمانوں کے متعلق عیسائیوں کے خیالات

''یہ آراء تو قرآن مجید اور بانی اسلام کے متعلق ہیں۔ باقی رہے مسلمان، تو ان کو ان تصنیفات میں ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے: پلید، ست، گدھے، خر صحرائی، قابل نفرت، وہ لوگ جن کا یہ کام ہے کہ رات کو اپنا گھر عورتوں سے بھر لیتے ہیں اور صبح ان کو طلاق دے دیتے ہیں، اور اگر آپ کو گالیوں کا خزانہ دیکھنا ہو تو ایک عیسائی ''بروشار'' نامی کی کتاب دیکھیں جس کا نام ''رہنمائے سفر'' ہے۔ مصنف نے یہ کتاب امیر فلپ روقالو کی خدمت میں 1332 میں پیش کی تھی۔ اس میں اس نے بیان کیا ہے کہ صلیبی لڑائیاں کن اسباب کی بناء پر ظہور میں آئیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ کون ہے جو یہ دیکھ کر آنسو نہ بہائے گا کہ جو علاقے ہماری میراث ہیں۔ ان پر اس قوم نے قبضہ کر لیا ہے جن کا نہ خدا ہے، نہ مذہب، نہ شریعت، نہ اقرار اور نہ رحم۔ یہ لوگ ذلیل اور کمینے ہیں اور سچائی، صفائی، نیکی اور عدل کے دشمن ہیں۔ خدا کے منکر ہیں۔ عیسائیوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نہایت کثرت سے شادیاں کرتے ہیں۔ لڑکوں سے بدکاری کرتے ہیں، بے زبان جانوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ فطرت انسانی کے مخالف ہیں۔ فضائل کے قاتل ہیں۔ اخلاق کے مار ڈالنے والے ہیں۔ گناہوں اور برائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ شیطان کے دوست ہیں (وغیرہ)۔۔۔ اس قسم کے خیالات عیسائیوں میں ایک مدت تک پھیلے رہے''۔

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام کے متعلق مصنف کے خیالات

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے متعلق مختلف موضوعات پر کانت ہنری دی کاستری نے جن قابل قدر اور فاضلانہ خیالات کا اظہار کیا ہے، اب ان کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

نبوت پر یقین

''پہلی بحث جو پیدا ہوئی، وہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام اپنی رسالت میں سچے تھے یا نہیں۔ حالانکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ امر مستشرقین اور متکلمین سے کے نزدیک مسلم ہے یہ بھی ظاہر ہے اس مسئلے کا قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ پیغمبر کی سچائی ثابت کرنے کے لیے صرف اس قدر ثابت کرنا کافی ہے کہ ان کو اپنی نبوت پر پورا یقین تھا اور وہ اپنے آپ کو سچا پیغمبر سمجھتے تھے۔ باقی آپ پیغمبری کا مقصد تو خدائے واحد کی پرستش کا قائم کرنا تھا۔ بجائے اس بت پرستی کے جو آپ کے قبیلے میں ابتداء سے قائم تھی۔

محمد اُمی تھے

محمدؐ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ جیسا کہ خود انہوں نے بار بار اقرار کیا ہے، بالکل ان پڑھ ہیں اور اس وصف میں ان کے معاصرین میں سے کسی نے ان سے معارضہ نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ مشرقی ممالک میں یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس طرح علم حاصل کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو کیونکہ مشرقیوں کی زندگی پردۂ اخفا میں نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں پڑھنا لکھنا ان ممالک میں نہ ہونے کے برابر تھا اور ایک شخص کے سوا جس کا ذکر ڈی تاسی نے اپنی کتاب مطبوعہ 1874ء میں کیا ہے کوئی شخص مکہ میں پڑھا لکھا نہ تھا۔ اسی طرح اس قرینے کی بناء پر کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تجارت کے کام کے لیے منتخب کیا تھا، یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر آپ پڑھے لکھے نہ تھے تو وہ تجارت کا کام ان کو کیوں سپرد کرتیں، صحیح نہیں، عرب اور غیر عرب قوموں میں عموماً تاجروں کے ہاں ان کے ایجنٹ اور نائب ان پڑھ ہوتے ہیں اور باوجود اس

۱۴۵۹۰۰

Marfat.com

کے اوروں کی بہ نسبت دیانتدار ہوتے ہیں۔ غرض بیانات سابقہ سے ظاہر ہے کہ محمد ﷺ نے نہ کوئی آسمانی کتاب پڑھی تھی اور نہ مذہب کے متعلق پچھلے مذہبوں سے رہنمائی حاصل کی تھی"

مذہبی روح اور وحدانیت

"بلاشبہ ماخذوں کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ آپؐ نے عیسوی، یہودی یا ستارہ پرستوں کے عقائد کو زبانی سیکھا تھا، نہایت مفید ہوگا کیونکہ قرآن اور تورات میں اکثر جگہ موافقت پائی جاتی ہے۔ تاہم یہ بحث دوسرے درجہ کی بحث ہوگی کیونکہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قرآن مجید دیگر کتب آسمانی سے ماخوذ ہے تو بھی یہ مشکل بدستور باقی رہے گی کہ آپ میں یہ مذہبی روح کہاں سے آئی اور وحدانیت (توحید) کا ایسا مضبوط خیال کیوں کر دل میں آ جائے جوان کے جسم و روح پر چھا گیا۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اظہار نبوت سے پہلے ان پر بڑی سختیاں گزریں اور ان کو بہت سے مصائب جھیلنے پڑے کیونکہ ان کی فطرت ہی خدا نے مذہب کے لیے بنائی تھی اور یہی وجہ تھی کہ سب کو چھوڑ کر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی تاکہ بت پرستی اور تعداد آلہیہ (کئی خداؤں کو ماننا) کی بدعت میں مبتلا نہ ہونا پڑے جس کو عیسائیوں نے خود ایجاد کیا تھا۔ ان دنوں مذہبوں کی نفرت ان کے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ ان مذہبوں کا وجود کانٹے کی طرح ان کے دل میں کھٹکتا تھا۔ اس غرض سے کہ جو عظیم الشان تفکر یعنی وحدانیت کا خیال ان کے دل میں اتر گیا تھا محض اسی سے سروکار رکھیں، کوہ حرا میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ یہاں بیٹھ کر ان کے خیال نے دریائے فکر میں نہایت آزادی کے ساتھ جولاناں شروع کیں۔ اس کے ساتھ وہ ہمیشہ تہجد میں مشغول رہتے تھے۔"

"معلوم نہیں یہ چالیس سالہ شدید الذہن جوان جس کا شمار ان مشرقی لوگوں میں سے ہے جو قوت، ادارک اور وحدت تخیل میں فرد ہیں اور جن کا یہ کام نہیں کہ منصوبے ہی گھڑا کریں، اس وقت کیا سوچ رہا تھا۔ وہ ہر بار یہی کہتا تھا اور برابر کہے جاتا تھا "خدا ایک ہے، خدا ایک ہے"۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کو اس کے بعد تمام مسلمان دہرائے اور جن کو ہم عیسائیوں نے اس وجہ سے فراموش کر دیا کہ توحید کے خیال سے ہم بہت دور پڑ گئے ہیں۔

Marfat.com

پیغمبر کا خیال برابر، اسی دھن میں مشغول رہا یہاں تک کہ یہی خیال مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہو کر ان کے سامنے آیا **لم یلد ولم یولد ٥ ولم یکن له کفواً** (سورۃ اخلاص) عربی زبان میں مترادف الفاظ کی کثرت نے محمد کو اس خیال کے بار بار ادا کرنے میں بہت مدد دی جس کو وہ ظاہر کرنا چاہتے تھے اور انہی افکار اور اسی طرز پرستش سے اسلام کا یہ جملہ پیدا ہو کہ **لاالہ الااللہ** یہی اصل اعتقاد ہے اس یکتائے بے نیاز کا جو عیبوں سے پاک ہے۔ عقل کا اس اعتقاد کو خیال میں لانا بہ آسانی ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا قوی اعتقاد ہے جس پر مسلمان ہمیشہ یقین کرتے آئے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ تمام دیگر قبائل اور اقوام سے ممتاز ہیں۔ درحقیقت انہی کے ایمان کو ایمان کہا جاسکتا ہے جیسا کہ ان کا خود دعویٰ بھی ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ اعتقاد محمد کو تورات اور انجیل سے پہنچا ہو کیونکہ وہ اگر ان کتابوں کو پڑھتے تو اٹھا کر پھینک دیتے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ اس میں تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) موجود ہے جو ان کی فطرت اور مذاق طبعی کے بالکل خلاف ہے۔ ایسے اعتقاد کا دفعتہً ان کی زبان سے ظاہر ہونا ان کی زندگی کا بڑا مظہر ہے اور فی نفسہ یہی چیز آپ کی پیغمبری اور آپ کی دیانت فی النبوت کی دلیل اعظم ہے"۔

وحی کا مسئلہ

قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کرسکے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیوں کر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر اعتبار سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہ نے اس کو سنا تو اس کے حسن پر حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کر دیا اور وہ خدا کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحیی السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر ابن ابی طالبؓ نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سر

Marfat.com

چشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔

تعدّدِ ازواج

اسلام میں تعدد ازواج (کئی بیویاں رکھنا) ایک ایسا اہم مسئلہ جس پر اسلام کے مخالف بہت نکتہ چینی کرتے ہیں۔ انہیں اگر اور کوئی بات اسلام کے خلاف نہ بھی ملے تو کم از کم یہ مسئلہ تو ان کی جولانی مطبع کے لیے موجود ہے۔ اسی مسئلہ کی وجہ سے عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں۔ پروفیسر کانت ہنری دی کاستری نے جس خوبصورت، بے لاگ اور مدلل طریقہ سے تعدد ازواج کا دفاع کیا ہے اور اس کے معترضین اور نکتہ چینوں کو جس قدر مسکت اور منہ توڑ جواب دیا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کا کچھ حصہ نقل کر دیا جائے۔ یہ اقتباس ذرا طویل ہے لیکن اتنا دلچسپ، اہم مفید اور ایمان افروز ہے کہ اس کی طوالت ایک لحہ کے لیے بھی طبیعت پر بار نہیں گزرتی۔ پروفیسر موصوف لکھتا ہے۔

''قرون وسطیٰ میں عام خیال تھا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا سب سے بڑا کام تعدد ازواج ہے کیونکہ انہوں نے اس کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ بیرون ستم ظریقی سے کہتا ہے کہ ''اسلام نے عورتوں کے لیے بھی متعدد شوہروں کا وعدہ کیا ہے''۔ عیسائی واعظوں نے اپنی جھوٹی روایتوں پر اعتماد کر کے اسلام کو یہ ''خطابات'' دیئے ہیں۔ ''چار پایوں، اونٹوں اور جانوروں کا مذہب'' رینان نے ابن رشد کی جو سوانح عمری لکھی ہے، اس میں لکھتا ہے کہ ''یہ مذہب ـــــ کا ہے، ان لوگوں کا ہے جو غریق شہوت ہیں''۔

تعدّدِ ازواج ہم تہذیب یافتہ لوگوں کے اخلاق اور بالخصوص ہماری مذہبی رسوم پر نشتر کا کام دیتا ہے۔ شریعت موسوی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت) میں تعدّدِ ازواج موجود تھا اور گو حضرت موسیٰؑ کی شریعت بھی حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کی طرح الہامی ہے تاہم ہم اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ پادری بروغلی کہتا ہے کہ ''یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا مقصد سمجھنا مشکل ہے۔ خدا نے خاص حالتوں میں اس کو جائز کر دیا تھا جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے'' میں سمجھتا ہوں

Marfat.com

کہ پادری موصوف اور ان کے ہم خیالوں کو یہ ڈر پیدا ہوتا ہوگا کہ مذہب عیسوی کو ایسے دو مذہبوں کے ہم سایہ میں رہ کر داغ نہ لگ جائے جو منزل من اللہ ہیں اور جن کے مسائل مذہب عیسوی کے مخالف ہیں لیکن اگر ہم تسلیم کر لیں کہ شریعت الٰہی بھی ان مصلحتوں کو ملحوظ رکھتی ہے جو شریعت انسانی میں ہوتی ہیں تو کیا حرج ہے۔ انسانی قانون احکام میں نہایت احتیاط سے کام لیتا ہے اور وقت اور موقع کی تمام ضرورتوں کا لحاظ رکھتا ہے تو پھر شریعت الٰہی میں اس قسم کی احتیاط اور مراعات نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ مانسیو دولٹ جو ایک بڑا متکلم شخص ہے اس کی بھی یہی رائے ہے کہ سب سے پہلے جو اخلاقی شریعت خدا نے نازل کی، وہ لوگوں کے حالات، اخلاق اور زمانہ کی ضرورتوں کے موافق تھی۔

سمیٹک قوموں کے اخلاق میں ایک نقص پایا جاتا ہے جو ان کی اصل فطرت میں موجود ہے اور جس کی تلافی ابد تک نہیں ہو سکتی یعنی کثرت شہوت۔ بے شبہ یہ ایک اخلاقی عیب ہے لیکن بہر حال جسم کی قوت اور صحت کی دلیل ہے۔ مشرق کے مردوں میں مغرب کی بہ نسبت زیادہ قوت اور جوش پایا جاتا ہے اس لیے بعض علمائے طبائع الامم کی رائے ہے کہ چونکہ مشرقی لوگوں میں نہایت درجہ کی قوت پائی جاتی ہے اس لیے تعدّدِ ازواج ان قوموں کے لیے ایک ضروری چیز ہے۔ عجائبات قدرت جن کے خیال سے عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مغرب میں خدا متعدد ہیں لیکن بیوی صرف ایک بخلاف اس کے مشرق میں خدا ایک ہے اور بیویاں متعدد۔ متعدد خدا اور جورو ایک اہل مغرب کے لیے مناسب ہے اور متعدد جورو اور ایک خدا اہل مشرق کے لیے موزوں ہے چونکہ اہل مغرب و اہل مشرق کے مذہب، تمدن اور نوعیت میں کلیتہً اختلاف ہے، اس لیے ہم مغربی لوگ قرآن کے احکام کو جو تعدّدِ ازواج کے متعلق ہیں، اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔

ایک بڑا ضروری پہلو جس کو محققین نے ہمیشہ نظر انداز کر دیا، یہ ہے کہ تعدّدِ ازواج عرب کی قدیم عادت ہے جو اسلام سے بہت پہلے بھی موجود تھی۔ عرب میں تعدّدِ ازواج مساجد کے وجود پر مقدم ہے اس لیے پادری بروغلی کا یہ قول کلیتہً غلط ہے کہ تعدّدِ ازواج اسلام کے ساتھ پیدا ہوا یہ قطعی ہے کہ قبائل عرب جو اسلام لائے وہ اسلام سے پہلے بھی اسی طریقہ پر تھے جیسا کہ آج حبشی قوموں کا حال ہے جو عموماً اسلام کی طرف مائل ہیں۔ قرآن مجید میں جس حد تک

Marfat.com

تعدّدِازدواج ہے، قبائل عرب اور سوڈان میں اس سے کہیں زیادہ رواج تھا۔قرآن مجید میں صرف چار بیویوں کی اجازت ہے۔اسی بناء پر اہل عرب اور سوڈان آنحضرت ﷺ کی نسبت پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ سختی پسند پیغمبر تھے۔اس میں بھی شبہ نہیں کہ ابتدا میں آنحضرت ﷺ کا دھان ایک ہی زوجہ کی طرف تھا۔جیسا کہ آپ کی ابتدائی زندگی شاہد ہے لیکن قریش کو اس کا پابند کرنا سخت مشکل تھا۔ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو دس دس بیویاں رکھتے تھے۔(مثلاً حارث وغلمان)۔ان کو اگر یہ حکم دیا جاتا کہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کریں تو ان کو سخت ناگوار ہوتا اور وہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے۔ممکن تھا کہ اس کا یہ اثر ہوتا کہ ان کے جدید عقائد متزلزل ہو جاتے۔اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ دس بیویوں میں سے صرف چار کو ترجیح کے اعتبار سے انتخاب کر لیں اور باقی کو طلاق دے دیں۔ذیل کی آیت سے پایا جاتا ہے کہ اسلام ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔(اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں پسند آئیں، ان سے نکاح کر لو۔دو، خواہ تین، خواہ چار۔لیکن اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک یا جو تمہاری مملوکہ ہوں) اس آیت کے دوسرے ٹکڑے کے معنی جیسا کہ علماء سے مروی ہے، یہ ہیں کہ اگر آدمی کو خوف ہو کہ وہ اپنی بیویوں میں عدل نہ کر سکے گا اور کسی بیوی کو اوروں پر ترجیح دے گا۔س کے ساتھ اس کی حالت اس کی متقضی نہ ہو کہ دونوں کے حقوق ادا کر سکے تو اس پر فرض ہوگا کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔بعض علما کی یہ بھی رائے ہے کہ انسان تعدّدِازدواج کی نسبت خود مختار نہیں ہے بلکہ یہ قاضی کا کام ہے کہ ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مناسب حکم دے۔اگر اس کے نزدیک اس سے عدل نہیں ہو سکتا تو وہ اس کی تعدّدِازدواج کی اجازت نہ دے گا۔

خلیفہ منصور کا واقعہ

ان علماء نے سند میں یہ روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ منصور اپنی بیوی کو حد سے زیادہ چاہتا تھا اور اس بناء پر اس نے دوسری شادی کا ارادہ نہیں کیا لیکن جب چند برس عیش وعشرت سے گزرے تو اس کی جدت کی ہوس ہوئی او دوسری شادی کرنا چاہی۔منصور کی بیوی کو یہ حال سن

Marfat.com

کر سخت رنج ہوا اور اس نے کہا "ایک سے زیادہ شادی ناجائز ہے" منصور نے امام ابوحنیفہ کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ "مسلمان کے لیے کتنی بیویاں جائز ہیں" امام صاحب بول اٹھے "چار"۔ منصور نے اپنی بیوی کی طرف (جو پردہ سے سن رہی تھی) دیکھا اور بہ آواز بلند کہا "کیوں، امام صاحب کی رائے سنی"؟ امام صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا "لیکن منصور کو ایک سے زیادہ شادی جائز نہیں" منصور نے پوچھا "کیوں" امام صاحب نے کہا "تم نے اپنی بیوی کی طرف جس انداز سے دیکھا اور جس طرح گفتگو کی، اس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ عدل نہیں کرتے۔ اس لیے میں حکم دیتا ہوں کہ اسی پر قناعت کرو"

مجھ کو معلوم نہیں کہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ کے اس حکم کی اطاعت کی یا نہیں۔ جو لوگ تعدّدِ ازواج کی خواہش ظاہر کرتے ہیں ان کی حالت منصور سے مشابہ ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ازواج میں عدل نہیں ہو سکتا۔ اس بناء پر بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ قضاۃ کے سامنے اس قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہوں لیکن نان نفقہ کے لحاظ سے یہ حالت نہیں ہے۔

تعدّدِ ازواج کی نسبت مسلمانوں کا وہی خیال ہے جو پولوس مقدس اکثر کہا کرتا تھا کہ "مباح چیز لائق عمل نہیں" شریعت اسلامی نے گو تعدّدِ ازواج کو جائز کہا لیکن اکثر مسلمان اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس سے تنگی معاش اور فقدان صحت کا ڈر ہے۔ کثیر الازواج اشخاص کی بیویاں اکثر شاکی رہتی ہیں کہ ان کے ازواج ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ رات دن کے جھگڑوں سے گھر مصیبت کدہ بن جاتا ہے۔ عربی زبان میں اکثر ایسے جملے پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کثرت ازواج ان کو پسند نہیں۔ مثلاً دو گھوڑوں پر سوار ہونے والے شخص کو گرنے سے ڈرنا چاہیے۔

تعدّدِ ازواج سے برائیاں نہیں پھیلیں

پادری بروغلی کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ "مشرق میں جو شرمناک برائیاں پھیلی ہیں تعدّدِ ازواج کی بدولت ہیں" بلکہ سچ یہ ہے کہ اس رسم نے ان برائیوں کو نرم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ مشرق میں یہ برائیاں مغرب سے زیادہ ہیں۔ حقیقت یہ

Marfat.com

ہے کہ اسلام پر یہ داغ ان یورپین سیاحوں نے لگایا ہے جن کی عادت ہے کہ بغیر تحقیق کے جزئی واقعہ سے کلیات بنالیتے ہیں۔ اکثر یہ عمومیت نہ ہوتی تو ان کو اپنی تصنیفات کے لیے کچھ سرمایہ ہاتھ نہ آتا۔ شرم ناک برائیاں ہر قوم میں ہوتی ہیں۔ پیرس، لندن، برلن میں یہ برائیاں مشرق سے زیادہ ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان کو بڑی سختی سے حرام قرار دیا ہے اور ان کو معمولی گناہ نہیں قرار دیا ہے۔ اسلام کے احکام جو اس بدکاری کے متعلق ہیں، خواہ قرآن سے ماخوذ ہوں یا حدیث سے، تمام دنیا کی شریعتوں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔ شریعت اسلام نے خوف وضع فطری جرم کے لیے قتل کی سزا مقرر کی ہے۔

پیغمبر اسلام نے شہوت رانی سے روکا ہے

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بہت سے ایسے احکام تلقین کیے جن میں شہوت رانی سے روکا اور عفت وعصمت کی تاکید کی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ منگیتر کو بھی عورت کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جائز ہے اور بیگانہ عورت کو نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ انجیل میں ہے کہ ''جو شخص کسی عورت کو نظر شہوت سے دیکھتا ہے، وہ دل سے زنا کرتا ہے'' مسلمانوں کا مقولہ ہے'' آنکھ کا زنا ظاہری زنا سے زیادہ بُرا ہے''۔ ان احکام نے بدنظری کو زنا کے برابر قرار دے دیا ہے اور اس کی پابندی صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں جن کی عورتیں پردے میں رہتی ہیں۔

آیات مذکورہ قرآن سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر کو ان خرابیوں کے روکنے کا کس قدر خیال تھا جو عشق وہوس سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بندشیں اس غرض سے تھیں کہ اولاد وازواج والے امن وراحت سے رہیں۔ غالباً انجیل میں اس سے زیادہ سخت احکام ہیں لیکن ان پر صرف وہ لوگ عمل کرتے ہیں جن کو خدا نے کمالات اخلاقی میں ممتاز کیا ہے اور وہ بہت کم ہیں۔ باقی رہے عام لوگ، تو اخلاقی حیثیت سے ان کو دوسری قوموں پر کچھ ترجیح نہیں۔ بخلاف اس کے قرآن کے احکام نرم ہیں۔ قرآن میں صفائی اور صحت کی تاکید ہے۔ مسلمان اس پر کاربند ہیں اور اس وجہ سے ان کے اخلاق ممتاز ہیں۔ ان باتوں نے ان کی طبیعتوں میں متانت اور وقار پیدا کر دیا ہے اگر اس قسم کے احکام نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ مسلمان بھی شہوت پرست بن جاتے جیسا کہ آج کل تہذیب یافتہ قوموں کا حال ہے۔

Marfat.com

ایک ہندو مصنف اعترافِ حقیقت کرتا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جن کا صدیوں سے انتظار تھا

ہندی کتاب ''کالکی اوتار'' میں شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حال ہی میں ہندی زبان میں ایک تحقیقی کتاب شائع ہونے پر پورے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچ گیا ہے اور اس سے سارے ہندوستان میں ایک شور بپا ہو چکا ہے۔ اس ہندی زبان میں شائع ہونے والی کتاب ''کالکی اوتار'' (یعنی اس ساری کائنات کا رہبر یا پیغمبر) کا لکھنے والا اگر کوئی مسلمان ہوتا تو ہوسکتا ہے اسے نہ صرف جیل بھیجا جاتا بلکہ اس کتاب کے شائع کرنے اور اسے تقسیم کرنے پر بھی سخت پابندی عائد کردی جاتی۔ اس اہم اور تحقیقی کتاب کے مصنف کا تعلق بنگالی نسل سے ہے اور وہ الہ آباد یونیورسٹی میں ایک اہم شعبے کا قلمدان سنبھالے ہوئے ہیں یعنی سنسکرت کے اسکالر اور بہت بڑے محقق پنڈت ویر پرکاش اپادپھ ''برہمن ہندو'' ہیں۔ بڑی محنت اور تحقیق کے بعد اپنی اس علمی کاوش کو پنڈت ویر پرکاش نے بہت بڑے آٹھ پنڈتوں کے سامنے پیش کیا جو خود بھی تحقیق کے میدان میں اپنا نام پیدا کر چکے ہیں جن کا شمار اپنے وقت کے بڑے مذہبی دانشوروں اور مذہبی اسکالروں میں کیا جاتا ہے۔ ان پنڈتوں نے کتاب کو اول سے آخر تک پڑھنے کے بعد اس تحقیقی کتاب

Marfat.com

کو صحیح اور مسلمہ تحقیقی کام کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

اس کتاب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ''ہندومت اور ہندوؤں کی جن اہم اور بڑی مذہبی کتابوں میں جس رہبر اور رہنما کا ذکر ''کلکی اوتار'' کے نام سے کیا گیا ہے وہ درحقیقت عربستان کے باشندے جناب محمد کریم ﷺ کی ذات مبارکہ پر ہی صادق آتا ہے۔ اس لیے ساری دنیا کے ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ مزید کسی انتظار کی تکلیف نہ کریں بلکہ اس ہستی ''کلکی اوتار'' یعنی پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لے آئیں'' اسی کتاب کے مصنف جناب ویر پرکاش اور ان آٹھ پنڈتوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''ہندومت کے سمجھنے اور ماننے والے ابھی تک ''کلکی اوتار'' کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا یہ انتظار ایسا ہے جو کہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے کیونکہ یہ جس اعلیٰ ہستی کا انتظار کر رہے ہیں اس مقدس ہستی کا ظہور اس دنیا میں ہو چکا ہے (یعنی وہ تشریف لا چکے ہیں) اور وہ اپنا کام مکمل کر کے اور اپنی مفوضہ ذمہ داری ادا کر کے چودہ سو سال قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔

پنڈت ویر پرکاش صاحب اپنی اس تحریر کے ثبوت کے لیے ہندوؤں کی مقدس کتاب ''وید'' سے دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

1۔ ''وید'' (ہندوؤں کی اہم اور مذہبی کتاب) میں مذکور ہے کہ ''کلکی اوتار'' اس دنیا میں بھگوان (اللہ تعالیٰ) کے آخری پیغمبر ہوں گے جو ساری دنیا کی رہنمائی کرنے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بات صرف نبی علیہ السلام پر ہی صادق آتی ہے۔

2۔ ہندومت کی ایک پیش گوئی کے مطابق ''کلکی اوتار'' (پیغمبر عالم) ایک دیپ یعنی جزیرہ میں پیدا ہوں گے۔ ہندومت کے مطابق یہ عرب کا علاقہ ہے جو کہ ''جزیرۃ العرب'' کے نام سے مشہور ہے۔

3۔ ہندوؤں کی مقدس مذہبی اور دھرمی کتابوں میں ''کلکی اوتار'' کے والد کا نام ''وشنو بھگت

Marfat.com

''اور والدہ کا نام ''سوماتب'' بتایا گیا ہے سنسکرت میں ''وشنو'' کے لفظی معنی ''اللہ'' اور ''بھگت'' کے معنی ''بندہ'' ہے۔ اس لیے عربی میں ''وشنو بھگت'' کے معنی عبداللہ ہوگا اور اسی طرح سنسکرت میں ''سومانی'' کا لفظی ترجمہ ہوگا ''امن وسلامتی'' جس کو عربی میں ''آمنہ'' کہا جاتا ہے جب کہ آپ ﷺ کے والد کا نام بھی عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام بھی آمنہ ہے۔

4۔ ہندوؤں کی بڑی بڑی مذہبی اور دھری کتابوں میں مذکور ہے کہ ''کلکی اوتار'' کا معاش زندگی کھجور اور زیتون پر ہوگا نیز یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر قول وقرار کے سچے ہوں گے اور سب سے زیادہ ایماندار ہوں گے۔ نیز وہ امن وسکون کی زندگی گزاریں گے۔ اس حوالے سے جناب پنڈت پرکاش صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ بات بھی جناب محمد کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور پر ثابت نہیں ہوتی''۔

5۔ ''وید'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''کلکی اوتار'' اپنے علاقہ کے معزز اور شریف خاندان میں پیدا ہوگا جب کہ یہ بات بھی عیاں ہے کہ جناب محمد ﷺ قریش کے معزز اور شریف خاندان میں پیدا ہوئے اور اسی قبیلہ کو مکہ میں انتہائی عزت اور احترام کا مقام حاصل تھا۔

6۔ ''کلکی اوتار'' کو ''بھگوان'' (اللہ تعالیٰ) اپنے خاص قاصد (فرشتہ) کے ذریعہ ایک غار میں تعلیم دیں گے۔ اس معاملہ میں یہ بھی انتہائی سچی بات ہے کہ جناب محمد ﷺ ہی وہ واحد شخصیت تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل امین علیہ السلام نے غارِ حرا میں تعلیم دی۔

7۔ ہندوؤں کی ان کتابوں میں لکھا ہوا ہے ''بھگوان'' ''کلکی اوتار'' کو ایک تیز گھوڑا دیں گے جس پر سوار ہو کر وہ ساری دنیا اور ساتوں آسمانوں کا چکر لگائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کا براق پر سوار ہونا اور معراج والے واقعہ کی اس سے صداقت ہوتی ہے۔ (واقعہ معراج شریف)

8۔ ہندوؤں کی ان مذہبی ودھرمی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے ''کلکی اوتار'' (نبی ﷺ) کو بھگوان ''اللہ تعالیٰ'' آسمانی تائید اور زبردست نصرت پہنچاتے رہیں گے۔ جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کی خاص مدد ونصرت اپنے فرشتوں

Marfat.com

کے ذریعہ کی تھی۔

9۔مزید لکھا ہوا ہے کہ "کلکی اوتار" گھڑسواری، تیراندازی اور تلوارزنی میں ماہر ہوں گے۔ اس کے متعلق جناب پنڈت وید پرکاش صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بڑا ہی اہم اور غور کرنے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں کہ "نیزوں، تلواروں اور گھوڑوں کا زمانہ کب کا ختم بھی ہو چکا ہے جب کہ اب جدید ترین ہتھیاروں یعنی ٹینک، بندوقوں، میزائیلوں اور ایٹمی ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے اس لیے اب کسی تیر یا تلوار والے "کلکی اوتار" کا انتظار کرنا بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمانی کتاب "قرآن پاک" والے محمد ﷺ ہی اصل "کلکی اوتار" (پیغمبر عالم ﷺ) ہیں جن کا تذکرہ ہماری مقدس اور اہم مذہبی ودھرمی کتابوں میں موجود ہے مزید کسی اور "اوتار" کا انتظار غیر دانشمندانہ ہوگا۔

جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے

بے جانہ ہوگا اگر ہم یہاں اسی سلسلہ میں وہ تحقیق بھی درج کردیں جو کہ عالمی ریسرچ اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ نے کی ہے۔ بہاولپور یونیورسٹی میں 1981ء کو اپنے ایک لیکچر میں ہندوؤں کے دس مذہبی پرانوں میں سے ایک پران (مذہبی کتاب) کے حوالے سے کہا تھا "آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقہ میں پیدا ہوگا اس کی ماں کا نام "قابل اعتماد" اور باپ کا نام "اللہ کا بندہ اور غلام" ہوگا۔ وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جاکر بسنے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے وطن کو دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے"۔

Marfat.com

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرۂ مبارک دیگر مذاہب کی کتب کی روشنی میں

ابتدائیہ

سب سے پہلے خالق کائنات کی حمد وثنا ہے جس نے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے انسان کو عظیم الشان مرتبہ بخشا اور اسے اس کو کائنات میں ارادہ واختیار اور تصرف کی قوتیں دے کر خلیفہ کی حیثیت دی۔ کائنات کی ساری قوتوں کو انسان کے آگے سر تسلیم کرنے کا حکم دیا صرف شیطان نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انسان کی اس حیثیت کو چیلنج کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ انسان کو اللہ کا نافرمان بنا دے گا اور اللہ کے اس پروگرام میں رکاوٹ ڈالے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہمیشہ شیطان کے حملوں سے بچنے اور اپنا مطیع وفرمانبردار رہنے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ (البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو عزت وتکریم کی مسند پر متمکن کیا، وہیں کائنات میں اس کے مقام کے پیش نظر بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد کر دیں۔ یہ مقام تقاضا کرتا ہے کہ انسان اس حاکم اعلیٰ کے قانون کے نافذ کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر علاقے اور ہر زمانے میں، انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنے انبیاء بھیجے۔ ان عظیم المرتبت ہستیوں نے انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچایا اور انہیں شیطان کی پھیلائی ہوئی بدنظموں، بدکرداریوں اور نافرمانیوں سے بچا کر اللہ کا مطیع

Marfat.com

وفرمانبردار بنانے کی کوشش کی۔ جب تک انسانیت عالم بلوغ تک نہیں پہنچی اللہ تعالیٰ، اپنے انبیاء کے ذریعے سے، ایک بچے کی مانند انگلی پکڑ پکڑ کر اس کی راہنمائی کرتے رہے۔ جب دنیا ذہنی و مادی ترقی کے ایک خاص مقام پر پہنچ گئی تو اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبین بنا کر بھیجا اور آسمانی ہدایت کی تکمیل کر کے انبیاء ورسل کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو نبی آخرالزماں کی حقیقت سے آگاہ اور تمام آسمانی کتب میں واضح طور پر آپؐ کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ ان انبیاء نے اپنے مخالفین کو حضور کا زمانہ پانے کی صورت میں آپؐ پر ایمان لانے کی ہدایت کی۔

اسلام سے پہلے کے تمام مذاہب کی تعلیمات چونکہ ایک خاص دور، خاص علاقے اور خاص قوموں تک محدود ہوتی تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی جانے والی کتابوں اور صحائف کی حفاظت کا خصوصی اہتمام نہیں کیا۔ آخری، مکمل اور ہمیشہ رہنے والے مذہب کے باعث اسلام کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ دیگر مذاہب کی کتب میں وقت کے ساتھ ساتھ اور ان کے پیروں کاروں کی خواہشات نفس کے باعث بے شمار تبدیلیاں ہوتی رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے بعض ایسی نشانیاں ان میں بھی باقی رہنے دیں جو حضرت محمدیؐ کی رسالت کے بارے میں تھیں۔ چنانچہ ہم نے اس مقالے میں دیگر مذاہب کی مقدس کتب میں ملنے والی ان نشانیوں اور پیش گوئیوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق نبی آکرالزماں سے جوڑا جا سکتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان مذاہب کے پیروکاروں کی تحریف سے محفوظ رکھی ہیں۔ ہم نے دور حاضر کے اہم مذاہب یہودیت، نصرانیت، ہندوازم، سکھ مذہب اور بدھ مت کی کتب میں مذکور ان مقامات کا جائزہ لیا ہے، جن کا تعلق حضورؐ سے جوڑا جا سکتا ہے۔

دعائے خلیل علیہ السلام (حضرت ابراہیمؑ)

اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان پیغمبر اور اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی مثال آپ حضرت ابراہیم

Marfat.com

کو جب اللہ تعالیٰ نے مختلف باتوں میں آزمایا اور انہوں نے تسلیم ورضا اور طاعت وفرمانبرداری کے ہر امتحان میں کامیابی حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل قرار دیا اور خلیل کے ہر عمل کی تقلید قیامت تک کے انسانوں پر فرض کردی، چنانچہ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ نے کعبہ کی تعمیر کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کی قبولیت کا عندیہ بھی اللہ تعالیٰ نے دے دیا۔ انہوں نے فرمایا:

''اے ہمارے رب ان لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر معبوث فرما جو ان کی تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔'' (البقرہ)

تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کا نام یہود ہے۔ ان کی مذہبی کتاب، جسے حضرت موسیٰ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ تورات یا عہد نامہ قدیم ہے۔ موجودہ عبرانی تورات انتالیس کتابوں پر مشتمل ہے ان میں سے پانچ کتب حضرت موسیٰ کی شریعت پر مشتمل ہیں۔ یہ پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء ہیں۔ باقی چونتیس کتب بھی مختلف انبیاء اور شخصیات سے منسوب ہیں۔ تورات کا یونانی نسخہ مزید سات کتب کے اضافے کے ساتھ چھیالیس کتابوں پر مشتمل ہے۔ تورات میں متعدد مقامات پر نہایت واضح الفاظ میں ایک آنے والے نبی کا ذکر موجود ہے:

''میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور وہ انہیں وہ سب کچھ بتائے گا جس کا میں اسے حکم دوں گا۔ اگر کوئی شخص میرا کلام جسے وہ میرے نام سے کہے گا، نہ سنے گا تو میں خود اس سے حساب لوں گا''۔ عیسائی علماء اس آیت کا مصداق حضرت عیسیٰ کو قرار دیتے ہیں لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے آپ کسی طرح بھی حضرت موسیٰ کی مانند

Marfat.com

نہیں تھے ۔ حضرت موسیٰ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے ۔ انہوں نے شادی کی ۔ ان کی وفات عام طریقے سے ہوئی ۔ ان کو کتاب اور شریعت دی گئی ۔ ہجرت کے مرحلے سے گزر کر ان کی قوم کو اقتدار حاصل ہوا ۔ انہوں نے عملی طور پر اللہ کے احکام کو نافذ کیا ۔ حضرت عیسیٰ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالیں تو وہ اپنی پیدائش، عملی زندگی، دعوت، وفات وغیرہ کے لحاظ سے کسی طرح بھی حضرت موسیٰ کے مثل نہیں تھے ۔ بلکہ ان سے مکمل طور پر مختلف تھے ۔ صرف حضرت محمدؐ ہی پیدائش، شادی، اولاد، وفات اور شریعت ہر طرح سے ان کے مماثل تھے ۔

یہود کو نبی کریمؐ سے حسد اور مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ یہی چیز تھی ۔ وہ اپنی کتابوں اور انبیائے بنی اسرائیل کی پیشن گوئیوں کی روشنی میں ایک آنے والے نبی کے انتظار میں تھے ۔ ان کو اس حد تک نبی کی آمد اور آمد کے مقام کا اندازہ تھا کہ انہوں نے مدینہ کو اپنا مرکز بنالیا تھا اور عربوں کو اکثر یہ بات جتاتے تھے کہ ہمارا نبی آنے والا ہے اور ہم اس کے ساتھ مل کر عرب پر غلبہ حاصل کرلیں گے ۔ وہ نبیؐ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو اچھی طرح سے پہچانتے تھے ۔ قرآن مجید نے اس بات کو اس طرح سے بیان کیا ہے ''اور پہلے ہمیشہ کافروں پر فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے، تو وہ چیز جسے یہ خوب پہچانتے دتھے، جب ان کے پاس آپہنچی تو انہوں نے اس کا انکار کردیا'' (البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنی کتابوں میں بیان کردہ نشانیوں کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کو پورے یقین کے ساتھ بطور نبی جانتے اور پہچانتے تھے ۔ انہیں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کیفیت کو نہایت بہترین مثال کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔ ارشاد ہے:

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (محمدؐ) کو اس طرح سے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہین مگر ان میں سے ایک فریق سچی بات کو جانتے بوجھتے ہوئے چھپاتا رہتا ہے'' ۔ (البقرہ)

عہد نامہ قدیم میں حضرت داؤد سے منسوب کتاب زبور کی ایک نص سے واضح ہوتا ہے کہ

Marfat.com

حضرت محمدؐ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ اگر آپ سچے نبی نہ ہوتے تو اس تحریر کے مطابق آپؐ بھی دوسرے نبوت کے جھوٹے دعوداروں کی طرح ناکامی سے دوچار ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے حق دار ٹھہرتے۔ زبور میں لکھا ہے:

''کیونکہ شریروں کی قوت توڑ دی جائے گی، لیکن خداوند راست بازوں کو سنبھالتا ہے۔ خداوند کامل لوگوں کے ایام کو مانتا ہے، ان کی میراث ہمیشہ قائم رہے گی۔ وہ آفت کے وقت مرجھائیں گے نہیں، وہ قحط کے دنوں میں بھی آسودہ رہیں گے، لیکن شریر نیست و نابود ہو جائیں گے۔ خداوند کے دشمن کھیتوں کی شادابی کی مانند ہوں گے، وہ دفعتاً غائب ہو جائیں گے، جیسے دھواں غائب ہو جاتا ہے''۔

کتاب استثنا میں ایک جگہ واضح طور پر انبیاء کے آنے کے مقامات کا ذکر کرنے کے بعد کسی نبی کے کوہ فاران سے آنے کے بارے میں لکھا ہے، جو کہ ہر لحاظ سے حضرت محمدؐ پر پورا اترتا ہے۔ ''اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر ظاہر ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ وہ جنوب سے اپنی پہاڑی ڈھالانوں میں سے دس ہزار قدسیوں سے آملا''۔

سابقہ تمام مذاہب کی کتابوں میں تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے معمولی واقعات کی پیش گوئیاں بھی نہایت واضح الفاظ میں نام و مقامات کے تعین کے ساتھ موجود ہیں۔ حضرت محمدؐ کی بعثت کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی آمد نے تاریخ کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ کروڑوں لوگوں نے آپ ﷺ کے پیغام پر لبیک کہا اور دنیا کے بہت بڑے حصے پر آپؐ اور آپؐ کے پیروکاروں کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عظیم الشان واقعے کا ذکر سابقہ انبیاء نے نہ کیا ہو۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتب میں بیان کردہ ایسی پیش گوئیوں کو عمداً غائب کیا گیا ہے۔ کتاب پیدائش میں حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں ہے:

''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ میں یقیناً اسے برکت دوں گا۔ میں اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا''۔

قاضی عیاض نے ''ماد ماذ'' کو عبرانی زبان میں نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام کے

Marfat.com

طور پر ذکر کیا ہے۔

انجیل میں حضرت محمد ﷺ کا ذکر

انجیل عیسائی مذہب کی مقدس کتاب ہے۔ اسے عہد نامہ جدید بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ کتاب اپنی اصل حالت میں نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کے بعد زبانی روایات کی صورت میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی۔ اس کے چار حصے چار مختلف حواریوں سے منسوب ہیں جنہیں انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو یہ خوش خبری دی تھی کہ حضرت محمد ﷺ ان کے بعد ان کے اس کام کی تکمیل کریں گے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوش خبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے''۔ (الصف)

اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰؑ سے منسوب الفاظ اس طرح سے ہیں:

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں ایک اور مددگار بخشے گا تاکہ وہ ہمیشہ تک تمہارے ساتھ رہے گا''۔ اسی طرح انجیل یوحنا کے اگلے باب میں لکھا ہے:

''جب وہ مددگار یعنی روح حق آئے گا جسے میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میرے بارے میں گواہی دے گا''

انجیل کے یونانی نسخوں میں ''مددگار'' کے لیے لفظ Paracletos استعمال ہوا ہے، جبکہ انگریزی نسخوں میں Paracletos کا ترجمہ Comfortor مددگار کر دیا گیا ہے۔ جب کہ Paracletos کا صحیح ترین ترجمہ Kind friend یا ''رحمتہ اللعالمین'' ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم قرآن کی روشنی میں دیکھیں تو یہ لفظ اصل میں Paracletos کے بجائے

Marfat.com

Periclytos ہے۔جس کا ترجمہ عربی زبان میں ''احمد یا محمد'' ہے۔

اہل کتاب حضرت محمدﷺ کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے اور یہ تعارف کوئی نیا نہیں بلکہ صدیوں سے تھا۔اس کی مثال انجیل یوحنا میں موجود اس مکالمے سے دی جا سکتی ہے جو یہودی علماء اور یوحنا کے درمیان ہوا تھا: ''یروشلم شہر کے یہودی بزرگوں نے بعض کاہنوں اور لادیوں کو یوحنا کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس سے پوچھیں کہ وہ کون ہے۔یوحنا نے صاف صاف اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔انہوں نے اس سے پوچھا: پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے؟ یوحنا نے جواب دیا میں وہ بھی نہیں ہوں۔پھر پوچھا، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں''۔''وہ ''نبی'' سے مراد وہی ہستی یعنی حضرت محمدؐ تھے جن کی بشارت اس سے پہلے حضرت موسیٰ دے چکے تھے۔اور یہود میں آپ کے آنے کی خبر اتنی عام تھی کہ بغیر نام لیے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اس سے کون مراد ہے۔اسی لیے جب ''وہ نبی'' کہہ کر یوحنا سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں وہ نبی بھی نہیں ہوں۔

انجیل کے مطابق اپنے آخری زمانے میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پیروکاروں کو نصحت کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے تم سے اور بھی بہت کچھ کہنا ہے مگر ابھی تم اسے برداشت نہ کر پاؤ گے،لیکن جب وہ ''روح حق'' آئے گا تو وہ ساری سچائی کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے گا۔وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا، بلکہ تمہیں صرف وہ بتائے گا جو وہ سنے گا اور مستقبل میں پیش آنے والی باتوں کی خبر دے گا''۔

ان نشانیوں سے صاف طور پر آپﷺ کی طرف نشان دہی ہو رہی ہے۔آپؐ ایسی باتیں بتایا کرتے تھے،جن سے عرب کے لوگ واقف نہیں تھے۔

ہندو مذہب کی کتابوں میں حضرت محمدﷺ کا ذکر

ہندو مذہب اگرچہ مختلف النوع بتوں، دیویوں اور دیوتاؤں پر مشتمل بت پرستی کے عقائد باطلہ سے بھرپور ہے،لیکن اس کی مذہبی کتب ویدوں میں کئی مقامات پر ایسی حکیمانہ باتیں

Marfat.com

اور آخری زمانے میں آنے والی ایک ایسی شخصیت کا ذکر موجود ہے جس کی علامتیں حضرت محمدؐ کے علاوہ کسی پر پوری نہیں اترتی ہیں۔ اس لیے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر دور اور ہر علاقے مین اپنے انبیاء کے ذریعے سے انسانوں کی راہ نمائی کی ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ ہندو مذہب بھی اپنی ابتدا میں الہامی ہدایات پر مشتمل ہو۔ بعد کے زمانے میں یہودیت اور نصرانیت کے پیروکاروں کی طرح ہندوؤں کے مذہبی طبقے نے بھی اپنی خوہشات کی پیروی میں خدائی احکام میں تحریف کردی ہو۔ جس طرح ہمارے پاس ہندو مذہب کو الہامی قرار دینے کے لیے کوئی واضح نص موجود نہیں ہے، اسی طرح اسے غیر الہامی ثابت کرنے کے لے بھی کوئی ایسی جامع و مانع دلیل نہیں ہے، جو فیصلہ کن ہو۔

چنانچہ ہم ہندومت کی مذہبی کتب کی بعض تحریروں کی روشنی میں شاید یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اس مذہب کی تعلیمات اپنی ابتدا میں آفاقی ہدایت پر مشتمل تھیں اور بعد کے زمانے میں اس کے ماننے والوں نے تحریف کی ہے۔ ہم اس مقالے میں ان کتب سے کچھ ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں جن کا مصداق ہمارے نزدیک حضرت محمد ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ وید 2۔ پران 3۔ اپنشد

1۔ وید: ہندو مذہب کی مقدس کتب کو وید کہتے ہیں۔ ان کی تعداد چار ہے:

1۔ رگ وید 2۔ یجر وید 3 سام وید 4۔ اتھروید

ان کتب میں کئی مقامات پر ایسی پیش گوئیاں موجود ہیں جو میرے خیال میں حضرت محمدؐ کے علاوہ کسی اور شخصیت پر پوری نہیں اترتی ہیں۔ مثلاً اتھروید میں کاند 20: سوکت: 127، نمبر 1 تا 14 میں نراشنس کے بارے میں اس طرح سے تفاصیل درج ہیں:

1۔ ''لوگو، احترام سے سنو، نراشنس کی تعریف کی جائے گی، ہم اس مہاجر یا امن کے علم بردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ رکھیں گے''۔

Marfat.com

تشریح

نراشنس سنسکرت زبان کا لفظ ''نر'' کے معنی انسان اور ''اشنس'' کا مطلب ایسی شخصیت ہے جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔ اس کا عربی مترادف ''محمدؐ'' ہے۔ اس میں بیان کردہ شخصیت کو مہاجر اور امن کے علم بردار کا خطاب بھی دیا گیا ہے۔ حضرت محمدؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور قبائل اوس وخزرج اور پورے عرب قبائل کے درمیان صدیوں سے جاری جنگوں کا خاتمہ کیا۔ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کا اندازہ ان اعداد وشمار سے کیا جاسکتا ہے۔ قبائل یہود کی تعداد دس ہزار قریش اور ان کے حلیف دس ہزار، غزوہ تبوک میں چالیس ہزار، اسی منافقین جنہوں نے تبوک جانے سے معذرت کی اور دس وہ لوگ جنہوں نے آپ کو انفرادی طور پر شہید کرنے کی کوشش کی۔

2۔ ''اس کی سواری اونٹ کی ہوگی۔ اس کی بارہ بیویاں ہوں گی۔ اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی، پھر اتر آئے گی''۔

تشریح

اس چیز کا مصدق آپؐ کے علاوہ کسی کو بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آپؐ کی سواری بالعموم اونٹ ہوتی تھی۔ اللہ نے ''ورفعنا لک ذکرک'' کہہ کر آپؐ کے مقام کو بلند کیا۔ آپؐ سے زیادہ بلند مقام کسی اور کو نہیں دیا۔ آپؐ کی سواری سے مراد براق ہے، جس کے ذریعے لمحوں میں، شب معراج میں، کائنات کے مختلف گوشوں سے آپ کو روشناس کرا کر واپس دنیا میں پہنچا دیا گیا۔

3۔ ''اس نے فاتح رشی کو سو اشرفیاں، دس بار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔

Marfat.com

سواشرفیوں سے مراد مکہ میں آپؐ پر ایمان لانے والے سوصحابہ تھے۔ نہیوں نے حبشہ ہجرت بھی کی۔اس بارے سے مراد عشرہ مبشرہ تین سوگھوڑوں سے اصحاب بدر اور دس ہزار گائیوں سے مراد فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کے دس ہزار ساتھ ہو سکتے ہیں۔

4۔ ''تبلیغ کر اے احمد! تبلیغ کر جیسے چڑیاں پکے ہوئے پھل والے درخت پہ چہچہاتی ہیں۔ تیری زبان اور تیرے دونوں ہونٹ قینچی کے دونوں پھلوں کی طرح چلتے ہیں''۔

تشریح

آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے عمل کو پھل دار درخت پر چڑیوں کے چہچہانے سے تشبیہ دی گئی ہے اور آپؐ کا کلام قرآن مجید قینچی کے دو پھلوں کی طرح حق وباطل میں فرق کرنے والا ہے۔

5۔ حمد کرنے والے اپنی حمدوں کے ساتھ یا نمازی اپنے نمازوں کے ساتھ طاقت ور سانڈ کی طرح جنگ میں جاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد اپنے گھروں میں یوں مامون رہتی ہے جیسے گائے اپنے ٹھکانوں میں۔

تشریح

آپؐ کے امتی حمد کرنے والے اور نمازی لوگ ہیں جو ہر حال میں اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ حالت جنگ میں وہ شیروں اور طاقت ور سانڈوں کی طرح لڑائی کرتے ہیں اور انہیں کسی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ آپؐ اور آپؐ کے خلفاء کے دور میں امن وامان کی صورت حال یہ تھی کہ سالہا سال تک کہیں کوئی معمولی جرم بھی نہیں ہوتا تھا اور لوگ انسانی تاریخ پہلی دفعہ اتنے محفوظ ومامون تھے۔

6۔ اے احمد اس کلام حکیم کو مضبوطی سے پکڑ اور اسے متقیوں تک پہنچا جیسے بہادر نشانے پر تیر مارتا ہے۔

Marfat.com

تشریح

کلام حکیم سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو دنیاوی اور اخروی برکات کا ماخذ و منبع ہے۔ اللہ نے اسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ قرآن میں ارشاد ہے واعتصمو ابحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری لگائی تھی کہ اللہ کا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچا دیں۔

7۔ وہ دنیا کا سردار جو دیوتا ہے سب سے افض انسان ہے، سارے لوگوں کا رہنما اور سب قوموں میں معروف ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین تعریف گنواؤ۔

تشریح

اس میں بنی کریم کو سردار کہا گیا ہے۔ آپ کو سب سے افضل انسان اور راہ نما بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو قیامت تک کے لیے بنیؐ بنایا گیا ہے اور آپ کی آمد کی پیش گوئیاں تمام قوموں اور مذاہب میں معروف تھیں۔ اعلیٰ ترین تعریف سے مراد قیامت تک آپؐ پر بھیجا جانے والا درود وسلام ہے جن کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

11۔ اللہ نے احمد کو جگایا اور کہا اٹھ اور وہاں لوگوں کے پاس جا اور میری بڑائی بیان کر یقیناً میں ہی غالب ہوں۔ میں تجھے ساری نعمتوں سے نواز دوں گا۔

تشریح

اس چیز کو سمجھنے کے لیے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کا مطالعہ ہی کافی ہے: ''اے چادر اوڑھنے والے۔ اٹھ اور آگاہ کردے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑوں کا پاک رکھ۔ ناپاکی سے احتراز کر، اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر، اور رب کی راہ میں صبر کر''۔ (سورۃ المدثر)

Marfat.com

رگ وید 1:9 تا18 میں ہے: ''میں نے محمد کو دیکھا ہے۔سب سے زیادہ اولوالعزم اور سب سے زیادہ مشہور جیسا کہ وہ جنت میں ہر ایک کے پیغمبر تھے''۔

پران

ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں پران بھی بہت زیادہ تقدس کے حامل ہیں۔ پرانوں میں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں واضح الفاظ میں پیش گوئیاں ملتی ہیں۔مثلاً شری مدبھاگوت، مہاتم پران میں لکھا ہے:''جب نے شمار ادوار حیات میں اجتماعی خیر کے طلوع ہونے سے انسان کو حق کا فیضان حاصل ہونے والا ہو تب محمد کے ذریعے تاریکیوں کا خاتمہ ہو کر فہم وحکمت کا نور طلوع ہوگا''۔

بدھ مت کی تعلیمات میں حضرت محمدؐ کا ذکر

جس طرح باقی مذاہب میں ایک آنے والی عظیم الشان ہستی کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں، جو آخری زمانے میں آئے گی، اسی طرح بدھ مت کی تعلیمات میں بھی ایسی شخصیت کے بارے میں بتایا گیا ہے جس کی علامات حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور پر پوری نہیں اترتیں، بدھ مت کی زبان میں رسول کو بدھ کہا جاتا ہے۔لفظ بدھ، بدھی سے ہے جس کا معنی عقل و دانش ہے۔گوتم بدھ نے اپنے شاگرد نندا کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''نندا! اس دنیا میں، میں نہ تو پہلا بدھ ہوں اور نہ آخری، اس دنیا میں حق وصداقت اور فلاح وبہبود کی تعلیم دینے کے لیے، اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔وہ پاک باطن ہوگا۔اس کا دل مصفیٰ ہوگا، علم ودانش سے بہرہ ور اور سرورِ عالم ہوگا۔جس طرح مین نے دنیا کو حق کی تعلیم دی ہے، اسی طرح وہ بھی دنیا کو حق کی تعلیم دے گا۔اور وہ دنیا کو ایسی شاہراہ حیات دکھائے گا جو صاف اور سیدھی ہوگی۔نندا، اس کا نام، میترے ہوگا''۔

بدھ مت میں جس آنے والے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا نام 'میترے' بتایا گیا ہے۔میترے کا

Marfat.com

مفہوم ''رحمت للعالمین'' ہے۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ ''رحم'' اور بعض نے ''صاحب رحم'' کیا ہے۔

بدھ کی صفات، بدھ مت کی کتب میں بیان کی گئی ہیں، پنڈت وید پرکاش نے ان کا ذکر اس طرح سے کیا ہے:

1۔ بدھ خدا کا نمائندہ اور صاحب ثروت ہوتا ہے۔

2۔ بدھ صاحب اولاد ہوتا ہے۔

3۔ بدھ بیوی والا اور صاحب حکومت ہوتا ہے۔

4۔ بدھ اپنی طبعی حیات کو پورا کرتا ہے

چنانچہ جب ہم ان صفات پر سابقہ تمام مزعومہ ہستیوں کو جانچتے ہیں تو صرف آپ ہی ایک ایسی ہستی نظر آتے ہیں جو ان علامات کا مصداق ہیں۔ پنڈت وید پرکاش نے بدھ کی صفات کا جائزہ لیتے ہوئے ہر پہلو سے بدھ کی شخصیت کو جانچنے کے بعد خلاصہ بحث کے طور پر جو نتیجہ نکالا ہے وہ ان الفاظ میں ہے:

''اس طرح یہ حقیقت اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ بودھ مت کی کتابوں میں جس میترئے کے ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ آخری رسول حضرت محمدؐ ہی ہیں''۔

حضرت محمدؐ زرتشت کی تعلیمات میں

قدیم ترین ایرانی مذہب، مجوسیت، جس کے بانی زرتشت (یا زردشت) ہیں اور ان کی مقدس کتاب کا نام ''اوستا'' ہے۔ اس کتاب میں بھی ایک آنے والی ہستی کی پیش گوئیاں موجود ہیں اوستا میں لکھا ہے:

''ایک مرد سرزمین نازیان سے جو ہاشم کی ذریت سے ہوگا، خروج کرے گا۔ اپنے جد کے دین اور فراوان لشکر کے ہمراہ ایران کی طرف آئے گا۔ زمین کو آباد کرے گا اور اس کو عدل سے بھر دے گا''۔

Marfat.com

حضور ﷺ کی پانچ خصوصیات

جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں

رسول ﷺ کے لئے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔

(1)۔ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

(2)۔ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔میری امت میں سے ہر شخص جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(3)۔غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے، جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔

(4)۔مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔

(5)۔پہلے نبی اپنی قوم کے لیے مخصوص ہوا کرتے تھے مگر مجھے ساری دنیا کے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

پوری رات انتظار میں گزاردی

حملہ کی جرات نہ ہوئی

نبی ﷺ کے 23 سالہ عہد نبوت پر نظر ڈالیں تو دن رات کی تبلیغ اور دعوت میں تکالیف تو

Marfat.com

آئیں لیکن آپ کے رعب کے منافی کوئی چیز نہیں آئی سفرِ ہجرت کے آغاز سے تین روز پہلے مانے ہوئے بہادر دشمنوں نے محاصرہ کرلیا، پوری رات انتظار میں گزار دی، حملہ کی جرات نہ ہوئی جب آپ تن تنہا باہر تشریف لائے تو۔۔۔ ''**شاھت الوجوہ لاینصرون**''۔۔۔کے کلام سے غصہ بھی دلایا، مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر پھینکی لیکن کسی نے سر نہ اٹھایا۔ طائف کے حکمران اور وہاں کے تمام باشندے مخالف تھے۔ پتھر برسائے آوازیں کسیں۔ محض اس لیے کہ آپ تقریر نہ فرماسکیں لیکن آخر میں اہل طائف اور ان کا وہی حکمران ہے کہ مدینہ آکر اسلام قبول کرتا ہے۔ شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے۔ روما کا بادشاہ حملہ آوری کا حکم بھی دیتا ہے اس کی مدافعت کے لیے حضور ﷺ عرب کی سرحد تبوک تک تشریف لے جاتے ہیں مگر ایک ماہ کی مسافت پر (یروشلم) میں بیٹھا ہوا خوف زدہ ہو جاتا ہے اور احکام جنگ منسوخ کر دیتا ہے۔ یہود اپنے مذہبی مقام اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن رسول ﷺ کے لئے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع نون علیہا السلام کی فتوحات میں جس قدر مال غنیمت حاصل ہوتا وہ نذر آتش کر دیا جاتا۔ تورات میں جانوروں اور بستیوں کو آگ لگا دینے کا حکم ملتا ہے۔ نبی ﷺ کو سب سے پہلے غزوہ بدر میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ قیامت کے روز شفاعت کا حق بھی رسول ﷺ کو عطا ہوگا۔ رسول ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔
''اے محمد ﷺ آپ سر اٹھائیں آپ جو کہیں وہ سنا جائے گا۔ مانگیں وہ دیا جائے گا، شفاعت کیجیے شفاعت قبول کی جائے گی۔''

(اللہ رب العزت ہمیں اس روز رسول ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے)

Marfat.com

عظمتِ رسول ﷺ اور تعظیم رسول ﷺ

سیرت نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی روایات کی روشنی میں

محبوب کے لیے تعظیم توقیر، تکریم، تقدیس، احترام اور اس کی عظمت و رفعت شان اور محاسن و کمالات کا اعتراف محبت کا خاصا ہے۔ پھر رسول محتشم و معظم ﷺ کی انتہائی تعظیم و توقیر تو قرآن کا لازمی مطالبہ بھی ہے، علاوہ ازیں اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو جو عظمت و شان، جو بلند مرتبہ مقام اور جو بے شمار صوری و معنوی محاسن و کمالات اور پیغمبرانہ فضائل و مناقب عنائت فرما رکھے تھے، صحابہ کرام ان کا بھی ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے تھے، ان تمام چیزوں کی موجودگی میں کیسے ممکن تھا کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی حد درجہ تعظیم و توقیر نہ کرتے، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی جس طرح دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعظیم کرتے تھے، دنیا کے بڑے سے بڑے آدمی کی آج تک اتنی تعظیم نہیں کی گئی۔ آئندہ سطور میں میں اس تعظیمی انداز محبت کے چند ایمان افروز مظاہر اور جھلکیاں دکھانے کی کوشش کروں گا۔

تعظیم رسول ﷺ کی کہانی حضرت عروہؓ کی زبانی

6ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے نامور اور جہاندیدہ رئیس حضرت عروہ بن مسعود ثقفی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اہل مکہ کی طرف سے جب سفیر اور نمائندہ بن کر بارگاہ

Marfat.com

نبوی میں حدیبیہ کے مقام پر حاضر ہوئے اور وہاں انہوں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبر اسلام کی حد درجہ تعظیم وتوقیر اور عقیدت ومحبت کا جو بے مثال مظہر دیکھا، واپس جا کر اہل مکہ کے سامنے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

''اے میری قوم! قسم بخدا میں کئی باشاہوں کے پاس گیا ہوں۔ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں مگر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے درباری اور ساتھی اس حد تک کرتے ہوں، جس حد تک محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ قسم بخدا! وہ تھوکتے یا ناک صاف کرتے ہیں تو صحابہ ان کا لعاب دھن نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ وہ کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر گرتا ہے اور وہ حصول برکت کے لیے اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب آپ انہیں کوئی کسی چیز کا حکم فرماتے ہیں تو اس کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں اور جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو وضو کے مستعمل پانی کو حاصل کرنے کے لیے یوں لگتا ہے کہ صحابہ کرام لڑ پڑیں گے اور جب آپ محو گفتگو ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کے سامنے سب کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور تعظیم کے طور پر آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

یہی عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے وقت بے تکلفی کے انداز میں جب رسول ﷺ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی اپنے چچا کے ہاتھ کو ٹھوکر مار کر کہتے ''اپنا ہاتھ ہٹا لو ورنہ یہ ہاتھ واپس نہ جاسکے گا''۔

تعظیم رسول ﷺ کے باعث نظریں جھکائے رکھنا

تعظیم رسول ﷺ کا ایک منفرد نرالا اور ایمان افروز انداز یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام نظر اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنا بھی بے ادبی خیال کرتے تھے اور جب بارگاہ نبوی میں بیٹھتے تو یوں بے حس وحرکت بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس انوکھے انداز تعظیم کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

☆ ابوشماسہ المہری بیان کرتے ہیں کہ ہم معروف صحابی حضرت عمرو بن العاص بن وائل السہمی (امیر مصر) کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے قبول اسلام کا تفصیلی واقعہ سناتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ رسول ﷺ کی ذات والاشان سے بڑھ کر کوئی آدمی میرے نزدیک محبوب نہ تھا اور نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا فرد میری آنکھوں میں آپ سے بڑھ کر بزرگ و برتر اور لائق تعظیم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تعظیم نبویؐ کی خاطر میں آپ ﷺ کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اگر کوئی آدمی مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں آپ کا وصف یعنی حلیہ اور خدوخال بتاؤں تو میں نہیں بتا سکوں گا کیونکہ تعظیم نبوی ﷺ کے باعث میں نے کبھی آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔

☆ امام ترمذی نے خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کے پاس تشریف لے آتے اور وہ بیٹھے ہوتے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود ہوتے تو ان میں سے کوئی صحابی از راہ تعظیم آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، سوائے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے، کہ وہ آپ ﷺ کی طرف فکر عقیدت سے دیکھتے اور آپ ﷺ ان کی طرف نظر رحمت فرماتے۔ اسی طرح وہ دونوں آپ ﷺ کو دیکھ کر تبسم فرماتے اور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔

☆ صحابی رسول حضرت اسامہ بن شریکؓ کا بیان ہے کہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے میں نے دیکھا کہ وہ یوں بے حس و حرکت بیٹھے ہیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور ایک حدیث میں یوں بیان ہوا ہے کہ جب آپ گفتگو اور کلام فرماتے تو حاضرین اپنے سروں کو یوں جھکا لیتے اور یوں توجہ سے سنتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

☆ حضرت البراء بن العازب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ انصار میں ایک آدمی کے جنازے پر نکلے جب ہم قبر تک پہنچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی

Marfat.com

تھی۔ یہ دیکھ کر نبی رحمت قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم سب بھی آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جبکہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی مروی ہے کہ (ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح غایت ادب واحترام میں بے حس وحرکت بیٹھ گئے کہ) گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ تعظیم وتکریم رسول ﷺ کا یہ انداز صرف آپ ﷺ کی ظاہری زندگی اور بنفس نفیس موجود ہونے کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ قسطلانی کے الفاظ میں ''آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اکثر صحابہ کرامؓ جب کبھی آپ ﷺ کا ذکر کرتے تو (غایت تعظیم میں) ان کے جسم جھک جاتے، جسموں پر کپکپی طاری ہو جاتی (رونگٹے کھڑے ہو جاتے) اور بے ساختہ رونے لگتے تھے۔

بارگاہ رسول ﷺ میں آوازوں کا پست ہو جانا

حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان ہے کہ بنو تمیم کا وفد نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ ان پر امیر مقرر کرنے کا معاملہ پیش ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے امیر کے لیے اقرع بن حابس تمیمی کا نام پیش کیا جبکہ حضرت عمرؓ نے اس مسئلے میں ان سے اختلاف کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ تم نے صرف میری مخالفت برائے مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں۔ بہر کیف حضور اکرم کی موجودگی میں مذکورہ اختلاف پر دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو اللہ کریم نے وحی نازل فرمائی کہ ''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے (کسی کام میں) سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ (سورۃ الحجرات 1-2)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ان آیات کریمہ کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا

Marfat.com

یہ حال ہوگیا کہ جب رسول ﷺ سے کوئی بات کرتے تو اتنی آہستہ آواز میں کرتے کہ حضورؐ کو ان سے دوبارہ پوچھنا پڑتا، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ راز دارانہ طریقے کے سوا کسی انداز میں حضور اکرمؐ سے بات نہیں کریں گے۔ ہر دو صاحبان (ابوبکرؓ اور عمرؓ) کا حال یہ ہوگیا تھا کہ تمام صحابہ میں جلالت قدر اور حضورؐ کا انتہائی قرب اعتماد حاصل ہونے کے باوجود آپؐ سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔

بارگاہ رسول ﷺ میں آوازوں کے پست ہو جانے کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ جب صحابہ کرام کو رسول اللہؐ کے در اقدس پر دروازہ کھٹکھانے کی ضرورت پیش آتی تو (ہاتھ سے دستک دینے کے بجائے) ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔

معروف صحابی حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریمؐ کے پاس آنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے سنا کہ سیدہ عائشہ (کسی گھریلو مسئلے پر حضور اکرمؐ سے) اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔ جب اندر داخل ہوئے تو شدت جذبات میں بیٹی کی اس جسارت پر اسے ایک طمانچہ مارنا چاہا اور کہا کہ حضورؐ سے اونچی آواز میں گفتگو کرتی ہو؟ مگر حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ اسی غصے میں باہر نکل گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ چلے گئے تو حضورؐ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا ''دیکھا میں نے تمہیں اس آدمی (تمہارے باپ) سے کیسے بچایا؟ چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکرؓ دوبارہ کاشانہ نبویؐ پر آئے تو دیکھا کہ میاں بیوی کے درمیان صلح ہو چکی ہے، کہنے لگے تم دونوں نے جس طرح مجھے اپنی لڑائی میں داخل کیا تھا، اپنی صلح میں بھی کرلو۔ حضورؐ نے فرمایا: ہم نے داخل کرلیا، داخل کرلیا۔ تعظیم وہیبت رسولؐ کے باعث صحابہ کرامؓ دینی مسائل کے بارے میں بھی آپؐ سے سوال کرنے سے ڈرتے تھے، چنانچہ اعلان نبوت کے بعد حضورؐ کے وصال تک تیئس سالوں میں صحابہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے بقول آپؐ سے صرف تیرہ یا چودہ سوالات کیئے تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ''یسئلونک'' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ اس مثالی انداز تعظیم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

☆ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ کے صحابہ نے ایک جاہل اعرابی (بدوی) سے کہا کہ تم حضور سے قرآنی آیت ''من قضی نحبہ'' (جس نے اپنی نذر پوری کردی، سورۃ الاحزاب 23) کے حوالے سے دریافت کرو کہ یہ کون آدمی ہیں؟ اور (سوال کے لیے اعرابی کو واسطہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ) وہ آپؐ سے سوال کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ حضورؐ سے ڈرتے اور آپؐ کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے چنانچہ اعرابی نے حضورؐ سے یہ (مذکورہ) بات پوچھی تو آپؐ نے اس سے اعتراض فرمایا۔ (کوئی جواب نہ دیا)۔ پھر اتفاق سے میں (طلحہ) مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور اس وقت میرے جسم پر سبز کپڑے تھے۔ جب حضورؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: جس سائل نے ''من قصی محبہ'' کے بارے میں سوال کیا تھا وہ کہاں ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ کو فرمایا یہ (طلحہ) ان (خوش نصیب) آدمیوں میں سے ہے جنہوں ے (ارشاد الٰہی کے مطابق) اپنی نذر پوری کرلی۔

☆ حضرت براءؓ بن عازب کہتے ہیں کہ میں حضورؐ سے ایک معاملے میں سوال کرنا چاہتا تھا تو حضور کی ہیبت کے باعث کئی سال تک اس سوال کو موخر کیے رکھا۔

☆ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید میں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم (بلاضرورت) کسی چیز کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے سوال کریں، اس لیے ہمیں یہ بات اچھی لگتی تھی کہ بدوی (دیہاتی) لوگوں میں سے کوئی عقل مند آدمی آئے اور وہ حضور ﷺ سے سوال کرے اور ہم سنتے رہیں۔ پھر حضرت انسؓ نے بدوی لوگوں میں سے ایک آدمی کی آمد کا ذکر کیا، جس نے بے دھڑک اور کھلے ڈلے انداز میں حضور سے پہلے اللہ کریم کے خالق کائنات ہونے اور آپؐ کے رسول ہونے کی تصدیق کی، پھر ارکان اربعہ کی فرضیت والزوم کے بارے میں چند سوالات کئے اور نبی رحمت نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد وہ چل کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا، میں ان احکام (ارکان) پر زیادتی کروں گا اور نہ ان میں سے کوئی چیز گھٹاؤں گا''۔

Marfat.com

اس پر حضورؐ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا (اپنی بات پر قائم رہا) تو ضرور بہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے (ایک مرتبہ) صحابہ سے فرمایا کہ ''سلونی'' (مجھ سے سوال کرو) تو (اس اجازت کے باوجود) وہ آپؐ سے ڈر گئے کہ آپؐ سے کوئی سوال کریں۔ بعد ازیں حضرت ابو ہریرہؓ نے مشہور حدیث ''حدیث جبریل'' ذکر کی ہے۔ جس میں انسانی شکل کے اندر حضرت جبریل امین نے اسلام وایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں حضورؐ سے سوالات کیے اور حضورؐ نے جوابات مرحمت فرمائے۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے (ایک مرتبہ) ہمیں بعد دوپہر کی نمازوں ظہر یا عصر میں سے ایک نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر آپ اٹھ کر مسجد کے سامنے ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس پر اپنے دونوں ہاتھ یوں رکھے کہ ایک ہاتھ دوسرے پر تھا۔ اس وقت آپؐ کے چہرہ انور پر (کسی وجہ سے) غصہ کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اس دوران بہت سے صحابہ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ شاید نماز کی رکعتوں میں کمی کر دی گئی ہے۔ جماعت میں ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، مگر وہ آپؐ سے بات کرنے (سوال کرنے) سے ڈر گئے۔ بالآخر ایک آدمی کھڑا ہوا جسے حضورؐ (از راہ شفقت) ذوالیدین کہتے تھے (جس کا نام عمیر بن عمرو تھا) اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہوگئی ہے؟ فرمایا: میں بھولا ہوں نہ نماز میں کمی ہوئی ہے۔ پھر آپؐ نے دیگر صحابہؓ سے پوچھا تو سب نے اشاروں سے ذوالیدین کی تصدیق کی۔ کوئی زبان سے کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس پر حضور ﷺ اپنے مصلے کی طرف لوٹے اور باقی دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر سلام پھیرا، تکبیر کہتے ہوئے پہلے سجدہ کی مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا۔ پھر اسی طرح دوسرا سجدہ فرمایا۔

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کے خطوط

بادشاہوں اور امراء کے نام

6 ہجری کے آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ان خطوط کو لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو۔ اس لیے نبی ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا۔ محمد ایک سطر میں، رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں۔

پھر آپ ﷺ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرامؓ کو بطور قاصد منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ علامہ منصور پوری نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ قاصد اپنی خیبر روانگی سے چند دن پہلے یکم محرم 7ھ کو روانہ فرمائے تھے۔ اگلی سطور میں وہ خطوط اور ان پر مرتب ہونے والے کچھ اثرات پیش کیے جا رہے ہیں۔

نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط

اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ نبی ﷺ نے اس کے نام جو خط لکھا اسے عمرو بن امیہ ضمریؓ کے بدست 6ھ کے اخیر یا 7ھ کے شروع میں روانہ فرمایا۔ طبری نے اس خط کی عبارت ذکر کی ہے۔ لیکن اسے بنظر غائر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ خط نہیں جسے رسول ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد لکھا تھا بلکہ یہ غالباً اس خط کی عبارت ہے جسے آپ ﷺ نے مکی دور میں حضرت جعفرؓ کو ان کی ہجرت حبشہ کے وقت دیا تھا۔ کیوں کہ خط کے اخیر میں ان مہاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

''میں نے تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا ہے جب وہ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہرانا اور جبر اختیار نہ کرنا''۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے ایک اور خط کی عبارت روایت کی ہے۔ جسے نبی ﷺ نے نجاشی کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

''یہ خط ہے محمد نبی کی طرف سے نجاشی اصحم شاہ حبش کے نام،

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس نے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا اور (میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ) محمد اس کا بندہ اور رسول ہے اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا رسول ہوں۔ لہذ اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔''اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں''اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے''

ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک اور خط کی عبارت درج فرمائی ہے جو ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور صرف ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ یہی خط علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المیعاد میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خط کی عبارت کی تحقیق میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ دور جدید کے انکشافات سے بہت کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اس خط کا فوٹو کتاب کے اندر ثبت فرمایا ہے۔

اس خط کا ترجمہ یہ ہے:۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام۔

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو قدوس اور سلام ہے۔ امن دینے والا محافظ و نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور

Marfat.com

پاک دامن مریم بتول (علیہ السلام) کی طرف ڈال دیا اور اس کی روح اور پھونک سے مریمؑ عیسیٰ کے لیے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف (بلاتا ہوں) کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی جانب بلاتا ہوں، اور میں نے تبلیغ و نصیحت کردی لہٰذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے"۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے بڑے یقینی انداز میں کہا ہے کہ یہی وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد نجاشی کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ جہاں تک اس خط کی استنادی حیثیت کا تعلق ہے تو دلائل پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہتا لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد یہی خط روانہ فرمایا تھا بلکہ بیہقی نے جو خط ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے اس کا انداز ان خطوط سے زیادہ ملتا جلتا ہے جنہیں نبی ﷺ نے حدیبیہ کے بعد عیسائی بادشاہوں اور امراء کے پاس روانہ فرمایا تھا، کیونکہ جس طرح آپ ﷺ نے ان خطوط میں آیت کریمہ **"یٰاَہْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ"** درج فرمائی تھی، اسی طرح بیہقی کے روایت کردہ خط میں بھی یہ آیت درج ہے۔ علاوہ ازیں اس خط میں صراحتاً اصحمہ کا نام بھی موجود ہے۔ جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ کے نقل کردہ خط میں کسی کا نام نہیں۔ اس لیے میرا گمان غالب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نقل کردہ خط درحقیقت وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس میں کوئی نام درج نہیں۔

اس ترتیب کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صرف وہ اندرونی شہادتیں ہیں جو ان خطوط کی عبارتوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر حمید اللہ پر تعجب ہے کہ موصوف نے ادھر ابن عباسؓ کی روایت سے بیہقی کے نقل کردہ خط کو پورے یقین کے ساتھ نبی ﷺ کا وہ خط قرار دیا ہے جو آپ ﷺ نے اصحمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا حالانکہ اس خط میں صراحت کے ساتھ اصحمہ کا نام موجود ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

Marfat.com

بہر حال جب عمرو جب امیہؓ نے نبی ﷺ کا خط نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے لے کر آنکھ پر رکھا اور تخت سے زمین پر اتر آیا اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کی طرف اس بارے میں خط لکھا جو یہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے

اے اللہ کے نبی آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت اور برکت ہو۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اما بعد۔

اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا، جس میں آپ ﷺ نے عیسیٰؑ کا معاملہ ذکر کیا ہے۔ خدائے آسمان وزمین کی قسم آپ ﷺ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰؑ اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جو کچھ ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چچیرے بھائی اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مہمان نوازی کی اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے اور پکے رسول ہیں اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی، اور آپ ﷺ کے چچیرے بھائی سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔

نبی ﷺ نے نجاشی سے یہ بھی طلب کیا تھا۔ کہ وہ حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو روانہ کردے۔ چنانچہ اس نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ساتھ دو کشتیوں میں اس کی روانگی کا انتظام کردیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں حضرت جعفر اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ تھے، براہ راست خیبر پہنچ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسری کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر بال بچے تھے سیدھے مدینہ پہنچے۔ مذکورہ نجاشی نے غزوہ تبوک کے بعد رجب 9ھ میں وفات پائی، نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابہ کرامؓ کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہوکر سر پر آرائے سلطنت ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے پاس بھی ایک خط روانہ فرمایا لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

Marfat.com

مقوقس شاہ مصر کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک گرامی نامہ جریج بن متی کے نام روانہ فرمایا جس کا لقب مقوقس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا بادشاہ تھا، نامہ گرامی یہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کی جانب۔

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے، اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائیں پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔ اس خط کو پہنچانے کے لیے حضرت حاطبؓ کا انتخاب فرمایا گیا۔ وہ مقوقس کے دربار میں پہنچے تو فرمایا ''(اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اللہ نے اسے آخر و اول کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام نشانہ بنایا۔ لہذا دوسرے سے عبرت پکڑو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں'' ۔ مقوقس نے کہا'' ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔ حضرت حاطبؓ نے فرمایا'' ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلے کافی بنا دیا ہے۔ دیکھو! اس نبی نے لوگوں کو (اسلام کی دعوت) دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے، یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ نے محمد ﷺ کے لیے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جس طرح تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو جو نبی جس قوم کو پا جاتا ہے وہ قوم اس کی امت ہو جاتی ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے، اور تم نے

Marfat.com

اس نبی کا ظہور پالیا ہے اور پھر ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں''۔

مقوقس نے کہا: ''میں نے اس نبی کے معاملے پر غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے، وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں نہ جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ میں مزید غور کروں گا''۔

مقوقس نے نبی ﷺ کا خط لے کر (احترام کے ساتھ) ہاتھی کے دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھ دیا اور مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کر دیا۔ پھر عربی لکھنے والے ایک کاتب کو بلا کر رسول ﷺ کی خدمت میں حسب ذیل خط لکھوایا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد بن عبداللہ کے لیے مقوقس عظیم قبط کی طرف سے آپ پر سلام! اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں آپ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے اور کپڑے بھیج رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں اور آپ پر سلام''۔

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ اور سیرین تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا جو حضرت معاویہؓ کے زمانے تک باقی رہا۔ نبی ﷺ نے ماریہ کو اپنے پاس رکھا اور انہی کے بطن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابتؓ انصاری کے حوالے کر دیا۔

شاہ فارس خسرو پرویز کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط بادشاہ فارس کسریٰ (خسرو) کے پاس روانہ کیا جو یہ تھا۔

Marfat.com

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کی جانب اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافرین پر حق بات ثابت ہو جائے۔ (یعنی حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بھی بار گناہ ہوگا"۔

اس خط کو لے جانے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ منتخب فرمایا۔ انہوں نے یہ خط سربراہ بحرین کے حوالے کیا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ سربراہ بحرین نے یہ خط اپنے کسی آدمی کے ذریعے کسریٰ کے پاس بھجایا یا خود حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمیؓ کو روانہ کیا۔ بہرحال جب یہ خط کسریٰ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے چاک کر دیا اور نہایت متکبرانہ انداز میں بولا: میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی جب خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے اور پھر وہی ہوا جو آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں ہے اس کے یہاں اپنے دو توانا اور مضبوط آدمی بھیج دو کہ وہ اسے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کئے اور انہیں ایک خط دے کر رسول ﷺ کے پاس روانہ کیا جس میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کے روبرو حاضر ہوئے تو ایک نے کہا "شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے اور باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ساتھ ہی دونوں نے دھمکی آمیز باتیں بھی کہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ کل ملاقات کریں"۔

Marfat.com

ادھر عین اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ مہم درپیش تھی خود خسرہ پرویز کے گھرانے کے اندر اس کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب خسرہ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ 7 ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم وحی کے ذریعہ ہوا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور دونوں فارسی نمائندے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس واقعے کی خبر دی۔ ان دنوں نے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے آپ کی اس سے بہت معمولی بات بھی قابل اعتراض شمار کی ہے۔ تو کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اسے میری اس بات کی خبر کر دو، اور اس سے یہ بھی کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اسے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا، اور تمہیں تمہاری قوم ابناء کا بادشاہ بنا دوں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں مدینہ سے روانہ ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک خط آیا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرویہ نے اپنے اس خط میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد نے تمہیں لکھا تھا اسے تا حکم ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ کی وجہ سے باذان اور اس کے فارسی رفقاء (جو یمن میں موجود تھے) مسلمان ہو گئے۔

قیصر شاہ روم کے نام خط

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس گرامی نامہ کی نص مروی ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ وہ مکتوب یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف:

Marfat.com

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔تم اسلام لاؤ سالم رہو گے۔اسلام لاؤ اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبارہ دے گا،اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر اریسیوں (رعایا) کا بھی (گناہ) ہوگا۔اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں،اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض،بعض کو رب نہ بنائے۔پس اگر لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں''۔

اس گرامی نامہ کو پہنچانے کے لیے دحیہ بن کلبیؓ کا انتخاب ہوا۔آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہ خط سربراہ بصریٰ کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے گا۔اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ان کا ارشاد ہے کہ ابوسفیانؓ بن حرب نے ان سے بیان کیا کہ ہرقل نے اس کو قریش کی ایک جماعت سمیت بلوایا۔یہ جماعت صلح حدیبیہ کے تحت رسول ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصہ امن مین ملک شام تجارت کے لیے گئی ہوئی تھی۔یہ لوگ ایلیاء (بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے۔

ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔اس وقت اس کے اردگرد روم کے بڑے بڑے لوگ تھے۔پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کون سا آدمی سب سے زیادہ قریبی نسبتی تعلق رکھتا ہے؟ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے کہا میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔ہرقل نے کہا،اسے میرے قریب کر دو اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب کر کے اس کی پشت کے پاس بٹھا دو۔اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا،میں اس شخص سے اس آدمی (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق سوالات کروں گا۔اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا،ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے (آپ ﷺ) کے بارے میں کیا وہ یہ تھا کہ تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟

میں نے کہا:وہ اونچے نسب والا ہے۔

Marfat.com

ہرقل نے کہا: تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟

میں نے کہا: کمزوروں نے۔

ہرقل نے کہا: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: اس نے جو بات کی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں، البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ (ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوا مجھے اور کہیں کچھ گھسیڑنے کا موقع نہ ملا)

ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟

میں نے کہا: جنگ ہم دونوں کے درمیان برابر کی چوٹ ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔

ہرقل نے کہا: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

Marfat.com

میں نے کہا: وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو، اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیز، پاک دامنی اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص کا نسب پوچھا تو نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے، اور دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہی کا طالب ہے، اور میں نے یہ دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے مہتم کرتے تھے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور؟ تو تم نے بتایا کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور حقیقت یہ ہے ایمان کی بشاشت جب دلوں میں گھس جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔

میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھرانے کا حکم دیتا ہے، بت پرستی سے منع کرتا ہے

Marfat.com

اور نماز، سچائی اور پرہیز گاری و پاک دامنی کا حکم دیتا ہے۔

تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا، اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا''

اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ کر فارغ ہوا تو وہاں آوازیں بلند ہوئیں اور بڑا شور مچا، ہرقل نے ہمارے بارے میں حکم دیا اور ہم باہر کر دیئے گئے۔ جب ہم لوگ باہر لائے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آکر رہے گا یہاں تک کہ اللہ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کر دیا۔

قیصر پر نبی ﷺ کے نامہ مبارک کا وہ اثر تھا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔ اس نامہ مبارک کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پہنچانے والے یعنی وحیہ کلبی ؓ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا لیکن حضرت وحیہ یہ تحائف لے کر واپس ہوئے تو حسمیٰ میں قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ حضرت وحیہ مدینہ پہنچے تو اپنے گھر کے بجائے سیدھے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ تفصیل سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ ؓ کی سربراہی میں پانچ سو صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت حسمیٰ روانہ فرمائی۔ حضرت زید ؓ نے قبیلہ جذام پر شب خون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔

چونکہ نبی ﷺ اور قبیلہ جذام میں پہلے سے مصالحت کا عہد چلا آ رہا تھا اس لیے اس قبیلہ کے ایک سردار زید بن رفاعہ جذامی نے جھٹ نبی ﷺ کی خدمت میں احتجاج و فریاد کی۔ زید بن رفاعہ اس قبیلے کے کچھ مزید افراد سمیت پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت وحیہ (رضی اللہ عنہ) پر ڈاکہ پڑا تھا ان کی مدد میں کی تھی۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان کا احتجاج قبول

Marfat.com

کرے ہوئے مال غنیمت اور قیدی واپس کردیئے۔ عام اہل مغازی نے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ سے پہلے بتلایا ہے۔ مگر یہ فاش غلطی ہے کیونکہ قیصر کے پاس نامہ مبارک کی روانگی صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آئی تھی اسی لیے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ حدیبیہ کے بعد کا ہے۔

منذر بن ساوی کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس لکھ کر اسے بھی سلام کی دعوت دی اور اس خط کو حضرت علاء بن الحضرمیؓ کے ہاتھوں روانہ فرمایا۔ جواب میں منذر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا:

''امابعد! اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کا خط اہل بحرین کو پڑھ کر سنادیا۔ بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے حلقہ بگوش ہوگئے اور بعض نے پسند نہیں کیا، اور میری زمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں۔ لہذا آپ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمایئے''۔

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خط لکھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے منذر بن ساوی کی طرف ''تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

امابعد! میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا۔ وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے اس نے میرے اطاعت کی اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کرلی ہے۔ لہذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے

Marfat.com

ہیں انہیں اس پر چھوڑ دو اور میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے لہذا ان سے قبول کر لو، اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔

ہوذہ بن علی صاحب یمامہ کے نام خط

نبی ﷺ نے ہوذہ بن علی حاکم یمامہ کے نام حسب ذیل خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آ کر رہے گا۔ لہٰذا اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا"۔

اس خط کو پہنچانے کے لیے بحیثیت قاصد سلیط بن عمرو عامریؓ کا انتخاب فرمایا گیا۔ حضرت سلیط اس مہر لگے ہوئے خط کو لے کر ہوذہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپؓ کو مہمان بنایا اور مبارک باد دی۔ حضرت سلیطؓ نے اسے خط پڑھ کر سنایا تو اس نے درمیانی قسم کا جواب دیا، اور نبی ﷺ کی خدمت میں یہ لکھا۔

آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا، اور عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ کارپردازی میرے ذمہ کریں میں آپ ﷺ کی پیروی کروں گا۔

اس نے حضرت سلیطؓ کو تحائف بھی دیئے اور ہجر کا بنا ہوا کپڑا بھی دیا۔ حضرت سلیطؓ یہ تحائف لے کر خدمت نبوی میں واپس آئے اور ساری تفصیلات گوش گزار کیں۔ نبی ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا۔

"اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہو گا، اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہو گا"

پھر جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرئیلؑ نے یہ خبر دی کہ

Marfat.com

ہوذہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ نبی علیہ السلامﷺ نے فرمایا ''سنو! یمامہ میں ایک کذاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائے گا۔ ایک کہنے والے نے کہا، یارسول اللہ! اسے کون قتل کرے گا؟ آپ علیہ السلامﷺ نے فرمایا تم اور تمہارے ساتھی، اور وقعتہً ایسا ہی ہوا۔

حاکم بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام خط

نبی علیہ السلامﷺ نے اس کے پاس ذیل کا خط رقم فرمایا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد رسول اللہ علیہ السلامﷺ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اور ایمان لائے اور تصدیق کرے، اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ جو تنہا ہے، اور جس کا کوئی شریک نہیں، اور تمہارے لیے تمہاری بادشاہت باقی رہے گی''

یہ خط قبیلہ اس بن خزیمہ سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی حضرت شجاع بن وہبؓ کے بدست روانہ کیا گیا۔ جب انہوں نے یہ خط حارث کے حوالے کیا تو اس نے کہا۔

''مجھ سے میری بادشاہت کون چھین سکتا ہے؟ میں اس پر یلغار کرنے ہی والا ہوں'' اور اسلام نہ لایا۔

شاہ عمان کے نام خط

نبی علیہ السلامﷺ نے ایک خط شاہ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا، ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد بن عبداللہ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادوں جیفر اور عبد کے نام:

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد، میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ سلامت رہو گے، کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرہ سے آگاہ کردوں اور کافرین پر قول برحق ہو جائے۔ اگر تم

Marfat.com

دونوں اسلام کا اقرار کرلو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا، اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہوجائے گی۔ تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہوگی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی"۔ اس خط کو لے جانے کے لیے ایلچی کی حیثیت سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں روانہ ہوکر عمان پہنچا اور عبد سے ملاقات کی۔ دونوں بھائیوں میں یہ زیادہ دوراندیش اور نرم خو تھا۔ میں نے کہا تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایلچی بن کر آیا ہوں۔ اس نے کہا، میرا بھائی عمر اور بادشاہت دونوں میں مجھ سے بڑا اور مجھ پر مقدم ہے اس لیے میں تم کو اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خط پڑھ لے۔

اس کے بعد اس نے کہا "اچھا تم دعوت کس بات کی دیتے ہو؟"۔

میں نے کہا "ہم ایک اللہ کی طرف بلاتے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں"

عبد نے کہا "اے عمرہ! تم اپنی قوم کے سردار کے صاحبزادے ہو۔ بتاؤ تمہارے والد صاحب نے کیا کیا؟ کیونکہ ہمارے لیے اس کا طرز عمل لائق اتباع ہوگا"

میں نے کہا "وہ تو محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کیا ہوتا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انہی کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی"۔

عبد نے کہا تم نے کب ان کی پیروی کی؟

میں نے کہا کہ، ابھی جلد ہی۔

اس نے دریافت کیا تم کس جگہ اسلام لائے؟

میں نے کہا نجاشی کے پاس اور بتلایا کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

عبد نے پوچھا، اس کی قوم نے اس کی بادشاہت کا کیا کیا؟ میں نے کہا، اسے برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی۔ اس نے کہا۔ اسقفوں اور راہبوں نے بھی اس کی پیروی کی؟ میں نے کہا ہاں۔

عبد نے کہا: اے عمرو، دیکھو کیا کہہ رہے ہو کیونکہ آدمی کی کوئی بھی خصلت جھوٹ سے زیادہ

Marfat.com

رسوا کن نہیں؟ میں نے کہا: میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں اور ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔

عبد نے کہا، میں سمجھتا ہوں، ہرقل کو نجاشی کے اسلام لانے کا علم نہیں۔

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

عبد نے کہا تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟

میں نے کہا، نجاشی ہرقل کو خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا، اور محمد ﷺ کی تصدیق کی تو بولا، خدا کی قسم اب اگر وہ مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو میں نہ دوں گا، اور جب اس کی اطلاع ہرقل کو ہوئی تو اس کے بھائی یناق نے کہا، کیا تم اپنے غلام کو چھوڑ دو گے کہ وہ تمہیں خراج نہ دے اور تمہارے بجائے ایک دوسرے شخص کا نیا دین اختیار کرلے؟ ہرقل نے کہا یہ ایک آدمی ہے جس نے ایک دین کو پسند کیا اور اسے اپنے لیے اختیار کرلیا۔ اب میں اس کا کیا کرسکتا ہوں؟ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بادشاہت کی حرص نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔ عبد نے کہا: عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟

میں نے کہا: واللہ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد نے کہا: اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟

میں نے کہا: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ نیکی وصلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم وزیادتی، زنا کاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔

عبد نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری متابعت کرتا تو ہم لوگ سوار ہوکر (چل پڑتے) یہاں تک کہ محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے! لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھور کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔

میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کرلے تو رسول ﷺ اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار رکھیں گے۔ البتہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں پر تقسیم کردیں گے۔

عبد نے کہا: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اچھا بتاؤ صدقہ کیا ہے؟

جواب میں میں نے مختلف اموال کے اندر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے صدقات کی

Marfat.com

تفصیل بتائی۔ جب اونٹ کی باری آئی تو وہ بولا: اے عمرو! ہمارے ان مویشوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا جو خود ہی درخت چر لیتے ہیں۔

میں نے کہا: ہاں۔

عبد نے کہا: واللہ میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود اس کو مان لے گی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ میں اس کی ڈیوڑھی میں چند دن ٹھہرا رہا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس جا کر میری ساری باتیں بتاتا رہتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا اور میں اندر داخل ہوا۔ چوبداروں نے میرے بازو پکڑ لیے۔ اس نے کہا چھوڑ دو، اور مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے بیٹھنا چاہا تو چوبداروں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا اپنی بات کہو، میں نے سر بمہر خط اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑ کر خط پڑھا، جب پورا خط پڑھ چکا تو اپنے بھائی کے حوالہ کر دیا۔ بھائی نے بھی اسی طرح پڑھا مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: مجھے بتاؤ قریش نے کیا روش اختیار کی ہے؟

میں نے کہا: سب ان کے اطاعت گزار ہو گئے ہیں۔ کوئی دین سے رغبت کی بناء پر اور کوئی تلوار سے خوف زدہ ہو کر۔

بادشاہ نے پوچھا: ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟

میں نے کہا: سارے لوگ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو برضا و رغبت قبول کر لیا ہے اور اسے تمام دوسری چیزوں پر ترجیح دی ہے۔ انہیں اللہ کی ہدایت اور اپنی عقل کی رہنمائی سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ گمراہ تھے۔ اب اس علاقہ میں میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوا کوئی اور باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور محمد ﷺ کی پیروی نہ کی تو تمہیں سوار روند ڈالیں گے، اور تمہاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔ اس لیے اسلام قبول کر لو اور سلامت رہو گے اور رسول ﷺ تم کو تمہاری قوم کا حکمران بنا دیں گے۔ تم پر نہ سوار داخل ہوں گے نہ پیادے۔

بادشاہ نے کہا: مجھے آج چھوڑ دو اور کل پھر آؤ۔

Marfat.com

اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا۔ اس نے کہا: عمرو! مجھے امید ہے کہ اگر بادشاہت کی حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔ دسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا اور بتلایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہ ہو سکی ۔ بھائی نے مجھے اس کے یہاں پہنچا دیا۔ اس نے کہا ''میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا۔ اگر میں بادشاہت ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دوں جس کے شہسوار یہاں پہنچے بھی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا اور اگر اس کے شہسوار یہاں پہنچ آئے تو ایسا رن پڑے گا کہ انہیں کبھی اس سے سابقہ نہ پڑا ہو گا''

میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جا رہا ہوں۔

جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے بھائی سے خلوت میں بات کی اور بولا: ''یہ پیغمبر جن پر غالب آ چکا ہے ان کے مقابل ہماری کوئی حیثیت نہیں اور اس نے جس کسی کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے اس نے دعوت قبول کر لی ہے، لہٰذا دوسرے دن صبح ہی مجھے بلوایا گیا اور بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کی تصدیق کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے مجھے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے میری مخالفت کی اس کے خلاف میرے مددگار ثابت ہوئے۔

اس واقعہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ بادشاہوں کی بہ نسبت ان دونوں کے پاس خط کی روانگی خاصی تاخیر سے عمل میں آئی تھی۔ غالباً یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

ان خطوط کے ذریعے نبی ﷺ نے اپنی دعوت روئے زمین کے بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دی۔ اس کے جواب میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر کیا، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہو گئی اور ان کے نزدیک آپ ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

Marfat.com

محمد رسول اللہ ﷺ

معمولات اور معاملات

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی القریشی

اعلیٰ نسب، اعلیٰ حسب ☆ قوم اشرف، قبیلہ اشرف، خاندان اشرف ☆ سب سے زیادہ قابل تعریف ☆ سب سے زیادہ سخی ☆ سب سے زیادہ بہادر سب سے بڑھ کر دنیا سے بے رغبت ☆ سب سے زیادہ مہربان ☆ سب سے زیادہ خوبصورت چہرے والے ☆ سب سے بہترین اخلاق کے حامل ☆ نہایت مہربان دوست ☆ بہت شفیق مہربان ☆ روشن چراغ ☆ خاتم النبینؑ ☆ رحمتہ للعالمین ☆ ہم آپؐ پر ایمان کا اقرار کرتے ہیں آپؐ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں ☆ آپؐ سے عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں، آپؐ سے نسبت پر فخر کرتے ہیں۔ ☆ آپؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں۔

لیکن ذرا سوچیں۔۔۔۔۔

کیا ہمارا ایمان، اخلاق، طرز عمل، عبادت، معمولات اور معاملات اپنی محبوب ہستی کے اسوہٗ حسنہ کے مطابق ہیں؟

☆ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گھر کے اندر یا گھر کے باہر مسلمانوں کے درمیان یا غیر مسلموں میں، اپنے ملک میں یا دنیا کے کسی بھی خطے میں کیا ہم محمد ﷺ کے امتی کے طور پر پہچانے جاتے ہیں؟

☆ ہم خود سے پوچھیں کیا، ہم آپ ﷺ سے محبت کا حق ادا کرتے ہیں؟

کیونکہ جو شخص جس سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے، اس کی بات مانتا

Marfat.com

ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے۔

آج آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے معمولات اور معاملات کو اجمالی طور پر تحریر کیا جائے گا تا کہ ان کی روشنی میں ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی زندگی کو آپ ﷺ کے طریقۂ زندگی کے مطابق ڈھال سکیں۔

روزمرہ کے کام

☆ گھر والوں کی خدمت کرنے کو عیب نہ سمجھتے۔

☆ جوتا سی لیتے ☆ چرمی ڈول کو بھی پیوند لگا لیتے ☆ اپنے کپڑوں پر پیوند لگا لیتے اور سی لیتے اپنے ہاتھ سے بکری کا دودھ دھو لیتے ☆ کپڑوں سے جوئیں نکال لیتے۔

یعنی وہ کام جن کا عموماً پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا آپ ﷺ انہیں اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔

طہارت و نظافت

☆ ذاتی صفائی و ستھرائی کا خاص خیال رکھتے خصوصاً منہ کی صفائی کا ☆ جب صبح سو کر اٹھتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے ☆ گھر داخل ہوتے تو پہلا کام مسواک کرنا ہوتا ☆ سوتے وقت بھی مسواک آپ ﷺ کے پاس ہوتا، یعنی رات کو آخری کام یہی کرتے ☆ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرتے، وضو کا آغاز بسم اللہ سے کرتے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھ لیتے۔ ☆ وضو میں پانی کے اسراف سے بچتے، اگرچہ اعضاء پوری طرح دھوتے اور کوئی حصہ خشک نہ چھوڑتے۔

کھانا پینا

☆ کھانا بسم اللہ پڑھ کر شروع کرتے ☆ دائیں ہاتھ سے کھاتے، اپنے سامنے سے تناول فرماتے ☆ تین انگلیوں سے کھاتے، کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے کھانا کھاتے

Marfat.com

ہوئے ٹیک نہ لگاتے ☆ زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھاتے تھے ☆ کوئی چیز اس وقت تک نہ کھاتے جب تک جان نہ لیتے کہ وہ کیا چیز ہے ☆ کسی کھانے میں عیب نہ نکالتے ☆ کھانے کے بعد الحمد اللہ کہتے ☆ مکھن اور کھجور پسند فرماتے ☆ حلوہ اور شہد پسند کرتے تھے ☆ سخت گرم مشروب پسند نہ کرتے ☆ پینے میں ٹھنڈی اور میٹھی چیز آپ ﷺ کو سب سے زیادہ پسند تھی ☆ پانی دائیں ہاتھ سے تین سانس میں پیتے ☆ کھانے میں دوسروں کو شریک کرنا پسند کرتے۔ حضرت انسؓ سے فرماتے "انسؓ! دیکھو اگر کوئی ہے جو میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے"۔

سونا جاگنا

☆ کبھی بستر پر سوتے کبھی زمین پر ☆ چمڑے کا بستر اور تکیہ استعمال کرتے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی ☆ عشاء سے قبل سونا پسند نہ کرتے ☆ رات سونے سے قبل سرمہ لگاتے ☆ دائیں کروٹ لیٹتے ☆ دعا پڑھ کر سوتے اور دعا پڑھتے ہوئے جاگتے۔

چال ڈھال

☆ آپ ﷺ کی چال باوقار اور پرسکون تھی ☆ چلتے ہوئے پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے ☆ سیدھا چلتے اور یوں لگتا جیسے زمین سامنے سے تہہ ہو یا آپ ﷺ پر پہاڑی کی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں ☆ کبھی جوتا پہن کر اور کبھی ننگے پاؤں بھی چلتے ☆ یہ بات ناپسند تھی کہ کوئی آپ ﷺ کے پیچھے چلے۔

لباس

☆ جس قسم کا کپڑا میسر ہوتا پہن لیتے، سوتی، کتائی اور اونی، بہتر سے بہتر اور پیوند لگا لباس بھی پہن لیتے ☆ عمومی طور پر سبز رنگ پسند تھا ☆ کرتا پسندیدہ لباس تھا۔ پوری آستین زیب تن فرماتے ☆ عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر کے استعمال فرماتے ☆ چاندی کی انگوٹھی

Marfat.com

پہنتے ☆ غرور وتکبر اور شہرت کے لباس کی مذمت فرماتے ☆ مردوں کو ریشم پہننے سے منع کرتے۔

سفر وسواری

☆ گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے سب پر سواری کر لیتے ☆ کبھی زین کے ساتھ کبھی ننگی پیٹھ پر ☆ کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی ساتھ بیٹھا لیتے ☆ اکثر سواری پر نفل نماز ادا کر لیتے ☆ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند کرتے ☆ سفر سے واپسی پر دعا فرماتے اور گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نفل ادا کرتے۔

ملاقات

☆ ملاقات کے موقع پر سلام میں پہل کرتے، مصافحہ کرتے، جب تک دوسرا شخص ہاتھ نہ چھوڑتا آپ ﷺ بھی نہ چھوڑتے ☆ سلام کا جواب زبان سے دیتے ☆ ملاقات کے وقت بات دھیان سے سنتے، پورے جسم کے ساتھ دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے۔

مجلس

☆ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے ☆ جب آپ ﷺ کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو جس بات پر لوگ تعجب کرتے آپ ﷺ بھی تعجب کرتے ☆ مجلس میں جب کوئی ہنستا تو آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے ☆ کوئی باہر کا آدمی سخت کلامی کرتا یا بے باکی سے کام لیتا تو تحمل سے کام لیتے اور سخت جواب نہ دیتے ☆ احسان کا بدلہ دینے کے سوا کسی کی تعریف پسند نہ کرتے نیز تعریف میں مبالغہ آرائی بھی ناپسند تھی ☆ چھینک آنے پر آواز آہستہ کرتے اور الحمد اللہ کہتے ☆ چھینکتے وقت چہرے کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے ☆ کوئی اور چھینکتا تو یرحمک اللہ کہہ کر جواب دیتے ☆ جمائی کے وقت بھی ہاتھ منہ کے آگے کرتے یا جمائی کو روک

Marfat.com

لیتے ☆ مجلس کے اختتام پر اللہ کا ذکر کرتے

کلام

آپ ﷺ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے تھے اور آپ ﷺ کے کلام میں لغو اور بے کار باتیں نہ ہوتی تھیں ☆ آپ ﷺ کا کلام واضح ہوتا تھا ☆ بات کو تین بار دہراتے ☆ سمجھانے کے لیے ٹھہر ٹھہر کر بولتے کہ سننے والا پوری طرح بات سمجھ جاتا ☆ ایسی گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی گننا چاہتا تو الفاظ گن سکتا تھا ☆ زبان سے جوامع الکلم ادا ہوتے یعنی ناپے تلے الفاظ، نہ کم نہ زیادہ ☆ آپ ﷺ کو بہت زیادہ سوال اور قیل وقال پسند نہ تھا ☆ گفتگو میں نہ کسی کی غیبت ہوتی نہ طعنہ زنی ☆ کسی کی عیب جوئی نہ کرتے، کسی کی اندرونی باتوں کی ٹوہ میں نہ رہتے ☆ وہی بات کرتے جس سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا ہے۔

مگر آج ہماری اکثریت کا حال اس سے بالکل مختلف ہے کہ اپنی کوئی فکر نہیں، زیادہ باتیں دوسروں کے گرد گھومتی ہیں، دوسروں کی ذات پر زیادہ توجہ ہوتی ہے اور دنیا بھر کے حالات اور واقعات پر تبصرے اور بحث ومباحثے زیادہ ہوتے ہیں۔

خوشی و ناراضگی

☆ زیادہ خاموش رہتے اور کم ہنستے ☆ بہت خوش مزاج تھے، خوش ہوتے تو چہرہ مبارک چمک اٹھتا گویا چودھویں کا چاند ہو ☆ جب ناراض ہوتے تو چہرہ پر ناراضگی کا اظہار ہوتا گویا جو دل کے اندر تھا وہی باہر تھا ☆ نہ خوشی میں قہقے نہ رونے میں چیخ و پکار بس آنکھیں اشکبار ہوتی تھیں ☆ حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے کبھی مجھے اپنے پاس آنے سے نہیں روکا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ مسکرائے نہ ہوں“ ☆ جب کسی سے ناراض ہوتے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ”اسے کیا ہوا، اس کی پیشانی خاک آلود ہو“ ☆ ایک دفعہ گھر تشریف لائے تو دیکھا گھر میں تصویر والا پردہ لٹک رہا ہے آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار کیا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا ”اس کو تبدیل کر دو“

Marfat.com

سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج ہمارے گھروں کی آرائش کن چیزوں سے ہو رہی ہے؟

اخلاق

☆ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن تھا☆ ہمیشہ سچ بولتے جھوٹ سے نفرت کرتے نبوت سے پہلے بھی آپ صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی صادق اور امین کہہ کر پکارتے ☆ بہت بہادر اور نڈر تھے☆ مشکلات اور مصائب میں صبر کرنے والے تھے☆ باپردہ کنواری لڑکی سے زیادہ حیادار تھے☆ جو آپ ﷺ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا☆ ہندؓ بن ابی ہالہ کہتے ہیں آپ ﷺ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، دنیا اور اس کی چیزیں غصہ نہ دلا سکتی تھیں ہاں اگر کوئی حق کی مخالفت کرتا تو غصہ کرتے اور حق کی حمایت کرتے لیکن ذاتی معاملے میں نہ کبھی غصہ کیا اور نہ انتقام لیا☆ ''آپ ﷺ نہ سخت کلام تھے، نہ سنگ دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے تھے''۔ جبکہ آج مسائل کے حل کے لیے بازاروں میں شور، ہنگامہ اور نعرہ بازی عام ہے☆ نہایت بردبار اور متحمل تھے☆ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے ☆ لیکن آپ ﷺ معاف فرما دیتے اور درگزر کر دیتے۔

آج ہم سب اپنے دلوں کا جائزہ لیں کہ ہمارے دلوں میں دوسروں کے بارے میں کیسے گمان ہیں؟ کیونکہ جب تک دل صاف نہیں ہوگا دلوں کے اندر دوسروں کی خیر خواہی آ نہیں سکتی، جب تک خیر خواہی نہ ہو دلوں میں محبت نہیں ہو سکتی اور جب تک باہم محبت نہ ہو اس وقت تک نہ گھر میں معاملات درست ہو سکتے ہیں اور نہ گھر سے باہر کے معاملات میں اصلاح ممکن ہے۔

ازواج مطہرات سے برتاؤ

☆ ازواج کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ تھا، خوش خلقی سے پیش آتے، آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے اور میں تم میں سب سے بڑھ کر اپنے

Marfat.com

گھر والوں کے لیے اچھا ہوں'' ☆ حضرت عائشہؓ کو عائش کہہ کر پکارتے ، ایک جگہ کھانا کھاتے ، ایک برتن سے غسل کر لیتے ، ان کی گود میں ٹیک لگاتے اور قرآن پڑھتے ☆ حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا تو ایک مرتبہ وہ آگے نکل گئیں ، دوسری مرتبہ آپ ﷺ ان سے آگے نکل گئے ☆ ازواج مطہرات کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرتے ،سفر پر لے جانے کے لیے ان کے درمیان قرعہ ڈالتے۔

بچوں سے تعلق

☆ بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے، ان کے پاس سے گزرتے تو خود سلام کرتے ☆ فاطمہؓ آتیں ان کا ہاتھ اور ماتھا چومتے پھر خاص جگہ پر بٹھاتے ☆ حضرت حسنؓ بن علیؓ کے لیے اپنی زبان نکالتے تو وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر مسکراتے یعنی بچوں کے ساتھ بچوں کی سطح پر معاملہ کرتے ☆ حسنؓ کو اٹھا کر کہتے ''میں اس سے محبت کرتا ہوں، تم لوگ بھی اس سے محبت کرو'' ☆ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حسنؓ اور حسینؓ کھیل رہے ہوتے تو آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے ☆ امامہؓ جو آپ ﷺ کی نواسی تھیں آپ ﷺ کے کندھے پر ہوتیں اور آپ ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے۔ آج اگر نماز پڑھتے وقت ماں کے پاس بچہ رو رہا ہو تو اسے کھینچ کر ماں سے دور کر دیا جاتا حالانکہ ماں بچے کو اٹھا کر بھی نماز پڑھ سکتی ہے ☆ بچوں سے محبت اور لاڈ پیار کرتے ۔ حضرت زینبؓ جو حضرت ام سلمہؓ کی بیٹی تھیں، آپ ﷺ ان کو زوینب، زوینب کہہ کر پکارتے ☆ محمود بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، میں اس وقت پانچ سال کا تھا، آپ ﷺ نے ہمارے کنوئیں سے پانی کا گھونٹ بھرا اور میرے چہرے پر پھوار ڈالی یعنی بچوں کے ساتھ دل لگی بھی کرتے۔

ساتھیوں سے تعلق

☆ فجر کی نماز کے بعد مسجد میں ساتھیوں کے درمیان بیٹھ جاتے، ان کی باتیں سنتے، کوئی خواب سناتا تو مطلب بیان کرتے ☆ شعر بھی سنتے، اس پر انعام بھی دیتے ☆ غنیمت یا

Marfat.com

صدقہ بانٹتے ☆ ہدیہ قبول کرتے اور بدلے میں بھی دیتے تھے ☆ خوشبو بہت پسند تھی اس لیے خوشبو کا تحفہ کبھی رد نہ کرتے۔

☆ اچھے نام پسند کرتے اور برے نام تبدیل کر دیتے ☆ ساتھیوں کے نام پیار سے بھی لیتے ☆ حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ کہا "اے مٹی والے" ☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے کہتے "اے بلی والے" ☆ حضرت انسؓ سے کہتے "اے دو کانوں والے" ☆ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ ان کی سطح پر اور ان کے مزاج کے مطابق ہوتا جو ان کے لیے خوشی کا باعث ہوتا۔ ☆ مہمان بھی بنے، میزبانی بھی کی، مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع خوب فرماتے، خود بھی ان کی خدمت کرتے ☆ مہمان نوازی میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گھر میں موجود سب خوراک ان کی نذر ہو جاتی اور اہل خانہ فاقہ کرتے ☆ دعوت بھی قبول کرتے، اگر کوئی غلام جو کی روٹی کی دعوت کرتا تو شرف قبولیت بخشتے اور فرماتے اگر مجھے ایک کھر یا دستی پر کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ بھی قبول کروں گا ☆ لوگوں کی ہدایت کے لیے تڑپتے ☆ آپ ﷺ فرماتے "آسانی کیا کرو، مشکل پیدا نہ کرو" ☆ "خوشخبریاں دیا کرو اور نفرت نہ دلایا کرو" ☆ دو باتوں میں اختیار ہوتا تو آسان اختیار فرماتے بشرطیکہ گناہ نہ ہو ☆ آپ ﷺ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا نہ کسی کی توہین کی، نہ کبھی کسی کی دل شکنی کرتے ☆ "لوگوں کو آپ ﷺ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا آپ ﷺ کے لیے ہٹو بچو کی آوازیں نہیں آتی تھیں ☆ "اور نہ لوگوں کو آپ ﷺ سے مار مار کر دھتکارا جاتا" ☆ کسی مہم پر لوگوں کو روانہ کرتے ہوئے امیر کارواں کو دعا دیتے اور نصیحت کرتے۔

مسکینوں کے ساتھ

☆ مصیبت زدوں کے کام آتے ☆ یتیموں کی سرپرستی کرتے ☆ مقروضوں کا قرض اتارنے میں مدد کرتے ☆ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرتے، انہیں آزاد کرتے اور آزاد کرنے کی تاکید فرماتے ☆ مسکینوں اور بے کسوں کے ساتھ اس طرح بیٹھتے کہ کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا ☆ بیواؤں اور مسکینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان

Marfat.com

کے ساتھ جاتے ☆ معمولی لونڈی اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔

سائلوں کے ساتھ

☆ سائلوں کے ساتھ معاملہ بہت مشفقانہ تھا ☆ جب کوئی مانگنے والا یا ضرورت مند آپ ﷺ کے پاس آتا تو ساتھیوں کو نیکی میں شریک کرتے اور فرماتے اس کے لیے سفارش کرو ☆ لوگوں کے غم میں شریک رہتے ☆ کمزور مسلمانوں کی زیارت کرتے، ان کی عیادت کے لیے جاتے، ان کے لیے دعا فرماتے اور ان کا جنازہ پڑھتے۔

جانوروں کے ساتھ

☆ جانوروں پر خاص رحمت وشفقت فرماتے ☆ ایک سفر کے دوران ایک صحابی نے چڑیا کے بچے پکڑ لیے جس پر چڑیا شور مچانے لگی تو انہیں بچے واپس گھونسلے میں رکھنے کا حکم دیا ☆ ایک اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر مالک کی زیادتی کی شکایت بلبلانے کے انداز میں کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کے مالک کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ سے ڈرنے کی ہدایت فرمائی۔

درختوں کے ساتھ

☆ درختوں کو بلاوجہ کاٹنے اور کھیتیاں خراب کرنے سے منع فرماتے ☆ جنگی کاروائی کے دوران بھی صرف ان درختوں کو کاٹنے کی اجازت ہوتی جن کا کاٹنا ناگزیر ہوتا۔

گویا تمام مخلوقات کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ مثالی تھا۔

Marfat.com

ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

رفعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے

’’کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور آپ سے آپ کا بوجھ ہم نے اتار دیا، جس نے کمر بوجھل کر دی تھی اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔‘‘

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ فرمایا: آپ کو سارے جہانوں اور سارے جہاں والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصی رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک حدیث میں بڑے خوبصورت الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

میں اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی رحمت ہوں جس کو اس نے مخلوق کو تحفے کے طور پر دیا ہے۔ میں مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہوں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں یہ ایک بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صورت اور سیرت دونوں کا کمال آپ کی ذات بالا میں جمع فرما دیا ہے۔

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
اور تیری سیرت کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

حقیقت میں یہ ایک بڑی طویل داستان ہے، اگر انسان اسے مختلف زاویوں سے بیان کرنا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سیرت اور سنت کی بات ہو تو اس میں بہت وقت درکار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور شان کو اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا اعلان اس سورۃ مبارکہ میں باقی باتوں کے علاوہ فرمایا کہ ’’ہم نے آپ کی شان اور مرتبے کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔‘‘ یہ کردار کی ایسی بلندی ہے کہ اس کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے، دشمنوں نے بھی کیا ہے اور بلندی کردار، اخلاق عالیہ، سیرت مطہرہ اور اسوہ حسنہ کی تعریف

Marfat.com

میں اپنے تو اپنے ہیں، امتی تو امتی ہیں، عقیدت مند تو عقیدت مند ہیں، محبت رکھنے والے تو محبت رکھنے والے ہیں لیکن جو دشمن اور غیر ہیں انہیں بھی ماننا اور تسلیم کرنا پڑا کہ اگر دنیا میں بلندی کردار کوئی چیز ہے تو وہ محمد کریم ﷺ میں پائی جاتی ہے اور اس میں مزے کی بات یہ ہے۔ دور سے کوئی شخصیت کوئی کردار بڑا اچھا اور بلند نظر آتا ہے۔ ذرا اور قریب آ کر کچھ عرصے تک دیکھتے رہیں تو پھر کچھ انسانی کمزوریاں بھی سامنے آتی ہیں۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ ہم نے جس کو بہت اونچا، بہت بڑا اور اچھا سمجھا تھا وہ تو ایک عام انسان ہے۔ اس میں انسانی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہمارا تصور جو پہلے تھا وہ یا تو بالکل پاش پاش ہو جاتا ہے یا اس میں فرق ضرور پڑتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے اخلاق، کردار، سیرت اور اسوہ کی بلندی، خوبصورتی اور عظمت یہ ہے کہ جتنا کوئی قریب آتا ہے اتنا ہی اور گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جتنا کوئی قریب آتا ہے اتنا ہی اپنے آپ کو تعریف کرنے پر مجبور پاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ قریب سے دیکھنے پر اس کے پہلے تصور کو کوئی ٹھیس پہنچے، یا اس میں کوئی فرق آئے، بلکہ وہ اور زیادہ معترف ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق، گفتار، سیرت، حسن اور عظمت کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

ابھی آپ نے نبوت کا اعلان بھی نہیں فرمایا، ابھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب پر فائز نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تو شروع سے آپ نبی ﷺ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا

"کہ آدمؑ کی ابھی تشکیل بھی نہیں ہوئی، حضرت آدم کو ابھی بنایا بھی نہیں گیا تھا کہ اس وقت سے میں اللہ کے علم اور تقدیر میں نبی ہوں۔ (صحیح)

کوئی آج کا نیا نبی نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے ازل سے نبی مقرر فرمایا ہے لیکن نبوت کے ملنے اور نبوت کے اعلان سے پہلے جو آپ کا کردار تھا اسے قریبی لوگوں نے دیکھا، میں اس کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں کہ آپ کے خطبہ نکاح میں جب حضرت خدیجہ الکبریٰ سے آپ کا نکاح ہوا تو جناب ابو طالب نے آپ کے سرپرست اور وکیل کی حیثیت سے وہاں ایک تقریر کی،

Marfat.com

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ اس نے اس میں یہ الفاظ استعمال کئے کہ ''یہ جو میرا بھتیجا محمد ﷺ ہے میں اس کے بارے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آج مکے کا بلکہ عرب کا کوئی جوان اپنے شرف، فضیلت اور اپنے حسن کردار کے حوالے سے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، یہ سب میں ممتاز ہے''۔

ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ میں نبی محترم ﷺ کو تسلی دی، جب آپ فطری طور پر پریشانی کا شکار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کو مسلمان بنانے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کی اتنی بڑی ذمہ داری مجھ اکیلے فرد پر ڈال دی ہے کیا ہوگا؟ کیسے کروں گا؟ اس وقت قدرتی طور پر آپ کو کچھ پریشانی تھی، حضرت خدیجہؓ نے ایک اچھی اور ہمدرد بیوی کی طرح تسلی کن الفاظ میں دی؟ آپ کے کردار اور عظمت کا کیا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔

یاد رکھیں کہ یہ الفاظ اس کے ہیں جس نے قریب سے آپ کے دن رات کی زندگی کو دیکھا، اس کے علم میں ہے کہ آپ کا اصلی اور حقیقی کردار کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ اور میرے آقائے نامدار! گھبراہٹ اور پریشانی کی کوئی بات نہیں، مجھے تو یقین ہے کہ آپ کو کوئی گزند، ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا ہے تو اس میں خیر ہی خیر ہوگی۔ اس میں گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ بے بسوں کا سہارا ہیں۔ آپ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور جن پر کسی قسم کا بوجھ لدا ہوا ہو، آپ ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں''۔

ہماری دوسری ماں ام المومنین حضرت عائشہؓ نے صرف تین لفظوں میں آپؐ کے کردار اور اخلاق کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک شخص جو آپ کا عزیز بھی تابعی بھی ہے، اس کو آپؐ کی صحبت کا موقع میسر نہیں آیا، اس نے آپؓ سے سوال کیا کہ ہمیں بتائیں نبی اکرم ﷺ کا کردار، آپ کا اخلاق، اسوہ، آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کیسی تھی؟ تاکہ ہم ابھی اس سے سبق سیکھنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ نے براہ راست جواب دینے کی بجائے جوابی سوال کیا "پوچھنے والے! تو نے کبھی قرآن نہیں پڑھا؟" اس نے کہا جی ہاں! قرآن تو پڑھتا ہوں، مسلمان ہوں، قرآن کے بغیر کیسے گزارا ہوسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے تین لفظوں میں فرمایا "قرآن پڑھتا ہے تو جان لے کہ قرآن جس طرح کا اخلاق چاہتا ہے، جس طرح کا عمل چاہتا ہے، جس طرح کی زندگی چاہتا ہے، وہی زندگی اور وہی عمل رسول اکرم ﷺ کا تھا۔"

اسی طرح حضرت انسؓ جنہوں نے ایک خادم کی حیثیت سے آپ ﷺ کے دن رات کو دیکھا اور قریب سے مشاہدہ کیا، وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک لمبے عرصے تک آپؐ کے ساتھ رہا، کوئی دو چار دس دن یا دو چار ہفتوں کی بات نہیں، کہتے ہیں مسلسل دس برس تک میں آپ کے ساتھ رہا۔ آپ کی خدمت کرتا رہا۔ ان دس برسوں کی طویل مدت میں آپ ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا، ڈانٹا تک بھی نہیں، میں بچہ تھا، مجھ سے غلطی ہوجاتی تھی اگر آپ کسی کام کے لیے بھیجتے تو میں کھیل کود میں میں مصروف ہوجاتا، بھول جاتا کہ آپؐ نے کسی کام یا کسی آدمی کو بلانے کے لیے بھیجا ہے، آپؐ پیچھے آتے تھے، اگر آپ کو بڑا ہی غصہ آتا تو صرف یہ لفظ فرماتے اے دو کانوں والے اللہ تعالیٰ نے تجھے دو کان دیئے ہیں میری بات کیوں نہیں سنتا، اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں کہتے تھے، دس برس کوئی ایک یا دو دن کی بات نہیں، ہم تو ایک مہینے میں اپنا آپ دکھا دیتے ہیں کہ یہ ہمارا غصہ اور جلال ہے، یہ ہماری طبیعت ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ پر قربان جائیں واقعی بے مثال ہیں کہ دس برس کی طویل مدت میں ایک بچے کو بھی شکایت کو موقعہ نہیں دیا۔

یہ احترام اور محبت جو اپنوں کے دلوں میں تھا، غیروں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ یہ بے مثال قسم کا احترام اور محبت ہے جو آپ کے کردار اور اخلاق کی وجہ سے ان کے دلوں میں پیدا ہوا تھا اس کا اعتراف کیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے، اس طرح محسوس ہوتا تھا کہ ان کے کندھوں یا سروں پر

Marfat.com

پرندے بیٹھے ہیں، کیا مطلب؟ بے حس وحرکت بیٹھتے تھے جیسے کوئی پرندہ بیٹھا ہے، ذرا حرکت کی تو وہ اڑ جائے گا۔ اسی طرح ادب واحترام کے ساتھ بیٹھتے تھے اور یہ احترام اور ادب مصنوعی اور عارضی نہیں تھا، بلکہ دلی اور قلبی تھا جس کی بنیادی وجہ آپ کا حسن کردار اور حسن اخلاق تھا۔

''اگر آپ (خدانخواستہ) سخت دل، تند خو اور بداخلاق ہوتے'' تو یہ لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے ۔(آل عمران) بھاگ جاتے اور آپ کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھے نہ ہوتے۔ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بھی عطا فرمائی کہ جو احترام اور محبت صحابہ کرام اور قریب آنے والوں کے دلوں میں آپ کے لیے پائی جاتی تھی وہ حقیقی تھی، مصنوعی نہ تھی، ان کا احترام دوسروں نے بھی کیا۔

عروہ جو قریش کا سفیر بن کر آیا اور اس نے آپؐ سے بات چیت کی، مسلمانوں کا رنگ ڈھنگ دیکھا، آپ کی عقیدت، احترام اور دلی محبت جو ان کے اندر موجود تھی اس کو ملاحظہ کیا تو قریش کو جا کر کہا ''میں نے دنیا کے دربار اور بادشاہ دیکھے ہیں، روم گیا ہوں، ایران گیا ہوں، شام گیا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ ظاہری اور وقتی طور پر بادشاہوں کے درباری، امراء، اس کے ساتھی اور ماتحت احترام کرتے ہیں لیکن وہ دلی احترام نہیں ہوتا، جب کہ محمد ﷺ کے ساتھی جو احترام کرتے ہیں، ان جیسی محبت اور احترام دنیا بھر میں کہیں نہیں دیکھا''۔ یہ اس کا بیان ہے جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا اور یہ اپنوں کی بات نہیں، بلکہ غیر بھی آپ کی عظمت وکردار، آپ کے اسوہ حسنہ کی خوبصورتی اور آپ کے اخلاق کو ماننے پر مجبور ہیں۔

کفار مکہ کہتے تھے کہ عرب بھر میں اگر کوئی سچا، خیانت سے پاک اور دیانت دار انسان ہے تو وہ محمد ﷺ۔ وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے اور کوہ صفا کے وعظ سے پہلے آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے سے پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ میرے کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ خاص طور پر بات کی سچائی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

Marfat.com

مولانا حالی کے الفاظ میں:

سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا جانتے ہو یا جھوٹا سمجھتے ہو؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ آج تک ہم نے یہی دیکھا ہے کہ آپ جب بھی بولے ہیں سچ بولے ہیں۔

ابوسفیان جو قائد کفر تھے، ان کو بعد میں اسلام کی دولت ملی لیکن ایک لمبے عرصے تک یہی کافروں کے سردار تھے، بدر کی جنگ کے بعد کس نے ساری لڑائیاں منظم کیں؟ کس نے قوم کو ابھارا؟ کون میدان جنگ میں عرب کے لوگوں کو بار بار لے کر آیا؟ کس نے اپنا اور دوسروں کا مال خرچ کیا اور کروایا؟ یہی دشمنوں کے سردار ابوسفیان تھے لیکن خود کہتے ہیں کہ میں اسی دشمنی کے زمانے میں (حدیبیہ کی عارضی طور پر صلح ہو چکی تھی) تجارتی سفر کے سلسلے میں روم گیا، روم کے بادشاہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا خط آیا ہوا تھا کہ اگر دنیا اور آخرت کی بہتری چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جا۔ اسے یہ تجسس تھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے مجھے اتنی بے باکی اور جرات سے لکھا ہے۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ عرب کے تاجر آئے ہوئے ہیں، اس نے کہا ان کو بلاؤ ابوسفیان ان کے لیڈر تھے۔ یہ آئے اور اس نے چند سوال کئے ایک سوال یہ تھا کہ دعوئ نبوت سے پہلے آپ کا کردار کیا تھا؟ آپ جھوٹے تھے یا سچے تھے؟ تمہارا تجربہ کیا ہے؟

یہ بھی پوچھا کہ وہ عہد کی پابندی کرنے اور وعدے کو نبھانے والے تھے یا توڑنے والے؟

ابوسفیان کہتے ہیں اس وقت چونکہ دشمنی تھی، میرا دل چاہا کہ میں جواب میں ذرا آمیزش کرلوں اور کہہ دوں کہ ہاں کبھی کبھی جھوٹ بھی بول لیتے تھے، کبھی کبھی عہد کی پابندی نہیں بھی کرتے تھے۔ میں نے کہنا چاہا لیکن حق نے میری زبان کو پکڑ لیا، میرے منہ سے سچی بات ہی نکلی، جھوٹی بات نہیں نکل سکی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے مخالفت تو ہے، لیکن میں یہ مانتا ہوں کہ ہم نے آپ کا کوئی جھوٹ نہیں دیکھا۔ آپ کی کوئی بے کرداری، خیانت اور بدعہدی نہیں دیکھی۔ یہ وہ خراج تحسین ہے جو دشمن نے دشمنی کے وقت پیش کی اور کوئی اس وقت تردید کرنے یا کہنے والا موجود نہیں تھا کہ تم غلط کہہ رہے ہو لیکن ضمیر کی آواز جو اندر تھی وہ باہر نکل آئی۔

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک عظیم رہبر، مدبر، عظیم قانون

عطا کرنے والے فرمانروا تھے

فرمودات قائداعظمؒ

25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ گورنر جنرل پاکستان نے عید میلاد النبیؐ کی تقریب سعید پر اپنے اعزاز میں کراچی بارایسوسی ایشن کی جناب سے دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔ قائداعظم نے فرمایا: آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا''

گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا: جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

''اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل وانصاف کا درس دیا ہے، کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔ ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے۔ ہم اسے بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔''

صوبائی عصبیت کے بارے میں گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا کہ ''یہ ایک بیماری ہے اور ایک لعنت ہے''۔ انہوں نے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی عصبیت کی بیماری سے

Marfat.com

چھٹکارا پالیں۔ ایک قوم جب تک کہ وہ ایک صف میں نہ چلے، کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ ہم سب پاکستانی اور اس مملکت کے شہری ہیں اور ہمیں مملکت کے لیے خدمات ایثار اور زندگی کا نذرانہ پیش کرنا چاہیے کہ ہم اسے دنیا کی عالیشان اور خود مختار مملکت بنا سکیں۔"

قائداعظمؒ نے اس عظیم اور تاریخی موقع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا "میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے خوش آمدید کہا۔ میں اس بار ایسوسی ایشن سے کافی عرصہ سے واقف ہوں۔ آج ہم یہاں تھوڑی سی تعداد میں اس عظیم شخصیت ﷺ کے حضور خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جن کے لیے نہ صرف لاکھوں دل احترام سے لبریز ہیں بلکہ جو دنیا کے عظیم ترین لوگوں کی نظر میں بھی محترم ہیں۔ میں ایک حقیر آدمی، اس عظیم المرتبت شخصیت کو کیا خراج عقیدت پیش کرسکتا ہوں"۔

رسول اکرم ﷺ ایک عظیم رہبر تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم قانون عطا کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم مدبر تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم فرمانروا تھے جنہوں نے حکمرانی کی، جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے"۔

"اسلام نہ صرف رسم و رواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی حیات اور اس کے رویہ بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔ یہ وقار، دیانت، انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک خدا اور خدا کی توحید، اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات، آزادی اور یگانگت، اسلام کے بنیادی اصول ہیں"۔

گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا "اس زمانہ کے مطابق رسول ﷺ کی زندگی سادہ تھی۔ تاجر کی حیثیت سے لے کر فرمانروا کی حیثیت تک آپ ﷺ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔ رسول ﷺ عظیم ترین انسان تھے جن کا چشم عالم نے کبھی آپ ﷺ سے پہلے نظارہ نہیں کیا۔ تیرہ سو سال گزرے کہ آپؐ نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔"

(قائداعظمؒ تقاریر و بیانات جلد چہارم۔ ترجمہ اقبال احمد صدیقی لاہور، بزم اقبال 1998، صفحات 401 تا 403)

Marfat.com

امام الانبیاء سید المرسلین، حضرت محمد ﷺ

انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے لائق تقلید نمونہ ہے، تعلیمات نبویؐ میں ہر دکھ کا مداوا اور ہر دور کے مسائل کا حل موجود ہے

چھٹی صدی کا انسان

حضرت عیسیٰ علیٰ نبیناء علیہ الصلوۃ والسلام کے زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے جانے کے بعد تقریباً چھ سو سال گزرنے پر اس دنیا کا جو نقشہ مورخین نے بیان کیا ہے۔ تاریخ کے وہ اوراق نہ تحریر کے، نہ بیان کرنے کے قابل ہیں اور نہ ہی ان پر یقین کرنے پر دل آمادہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی تاریخ ہے جسے کوئی مہذب انسان اپنی اولاد کے ہاتھ میں دینے کے لیے بھی تیار نہ ہو، اس لیے کہ یہ دنیا کی کسی بھی نچلی سے نچلی مخلوق کے سفلی جذبات اور زندگی اور سفاکیت سے بھرپور تاریخ تو کہی جا سکتی ہے، لیکن اسے انسانی تاریخ کہنے پر دل ودماغ رضامند نہیں ہوتے۔

تاریخ کے صفحات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت کی موجود

Marfat.com

انسانیت کے اخلاق بالکل بگڑ چکے تھے، شراب اور جوا ان کی مرغوب چیزیں تھیں، ان کے دلوں کی سنگ دلی اور سختی اتنی شدید تھی کہ وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، قافلوں کو لوٹنا اور بے گناہوں کو قتل کر دینا ان کی تفریح کا سامان تھا، عورت کی ان کے یہاں کوئی حیثیت تھی، نہ عزت، دوسرے مادی سامان واسباب یا مویشیوں کی طرح انہیں بھی قتل کیا جاتا تھا، ورثے میں دیا جاتا تھا، آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا، بعض کھانے کی قیمتیں صرف مردوں کے لیے مخصوص تھیں، عورت انہیں استعمال نہیں کر سکتی تھی، بعض لوگ اپنی اولاد کو افلاس اور معاشی پریشانی کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے، جنگ ان کی گھٹی پڑی ہوئی تھی، ایک معمولی واقعہ اکثر و بیشتر طویل جنگوں کا سبب بن جایا کرتا تھا، یہاں تک کہ بعض جنگوں کا سلسلہ چالیس چالیس سال چلا لاتعداد آدمی ان جنگوں میں ہلاک کر دیے گئے، گویا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنا ان کے لیے کھیل اور تفریح کا مشغلہ بن جاتا تھا، کم و بیش تمام دنیا کے انسانوں کی یہی حالت تھی جس کے متعلق محتاط سے محتاط الفاظ اس طرح استعمال کیے جاسکتے ہیں کہ اس وقت کی انسانیت کے اندر جرائم اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی باقی نہیں تھی۔ پوری انسانیت خود اپنے آپ کو اپنے مالک و خالق کو، اپنے مستقبل اور انجام کو یکسر فراموش کر چکی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پوری انسانیت خودکشی کے ڈھلوان راستے پر تیزی سے چل رہی ہے، اس انسانیت کے پاس دین و آخرت، روح و قلب کی غذاء اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور اصلاح حال کی طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی، کوئی ایک شخص بھی نہیں ملتا تھا جسے اپنے دین کی فکر ہو، ایک خدائے واحد کی عبادت کرتا ہو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، یہی نہیں ایسا بھی انسان نظر نہیں آتا تھا جس کے دل میں انسانیت کا درد ہو اور اسے انسانیت کے تاریک دل دہول ناک انجام پر ذرا برابر بھی بے چینی ہو۔

Marfat.com

فیصلہ الٰہی

اس چھٹی صدی مسیح میں انسانیت اگرچہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر جنونی حد تک تلی ہوئی تھی لیکن ان کے خالق و مالک کو ان کی یہ حالت قبول و منظور نہیں تھی ۔لیکن اس وقت کی موجود انسانیت میں ادب، شاعر، فلسفی، دانشور وغیرہ وغیرہ جبلی اور فطری طور پر ان تمام شعبوں میں صلاحیت رکھنے کے باوجود اصلاح انسانیت کا بیڑا اٹھانے کی اجتماعی طور پر بھی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ جب کہ انفرادی طور پر بھی اصلاح معاشرہ کی طاقت ان میں سے کسی ایک میں بھی نہیں تھی۔ طرفہ تماشا یہ بھی تھا کہ مندرجہ بالا سمجھدار لوگ خود بھی ذاتی و اجتماعی طور پر اوپر ذکر کردہ تمام خامیوں، کمزوریوں اور برائیوں میں معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ شامل تھے۔ لہذا بھوکا بھوکے کو کیا کھلائے گا؟ پیاسا پیاسے کی پیاس کیسے بجھائے گا؟ جو خود ننگا ہو وہ دوسروں کو کیسے ڈھانپے گا؟ خرابیوں اور کمزوریوں سے بھرپور اس معاشرے میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ان میں ایک ایسا فرد بھیجا جائے جو جبلی اور فطری طور پر ان تمام خامیوں اور خرابیوں سے پاک ہو اور ان ہی کے معاشرے میں رہ کر انہیں انسانی صفات سے بھرپور زندگی کی طرف رفتہ رفتہ لے کر آئے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو چنا وہ انسانی طبقے کا سب سے بہتر، برتر، افضل اکمل، اشرف انسان تھا جس کا نام نامی اسم گرامی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقعے پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر بھی محیر العقول نشانیاں وجود میں آئیں جن میں ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا، آتش کدہ فارس کا بجھ جانا وغیرہ شامل تھا۔ گویا کہ ان واقعات سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ شان عجم، شوکت روم اور آتش کدہ کفر نیست و نابود ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل جائیں گی اور فلاح و سعادت کے باغ میں

Marfat.com

بہار آجائے گی۔ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد محترم عبد اللہ کو بھی دنیا سے واپس بلالیا گیا، اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کو بھی آپ کے بچپن ہی میں اس دنیا سے رخصت کرادیا گیا، گویا کہ پرورش اور تربیت کے جو مادی ،ظاہری، خاندانی ذرائع تھے وہ سارے کے سارے آپ ﷺ سے واپس لے لیے گئے اور آپ ﷺ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے زیر تربیت رہے جس میں حفاظت، کفالت، تعلیم، تربیت وغیرہ شامل تھیں۔

نبی ﷺ کا عدل وانصاف بھرا بچپن

بچپن میں آپ کو ایک ایسی عورت کے دودھ پلانے کی غرض سے حوالے کیا گیا جو بظاہر مالی اعتبار سے تنگ دست ہی نہیں پریشان بھی تھی، نیز اس ایام رضاعت میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی رضاعی والدہ کا حقیقی بیٹا بھی شیر خوار تھا، اس زمانے میں آپ ﷺ نے عدل وانصاف کا ایسا نمونہ پیش فرمایا کہ ایک پستان سے خود دودھ نوش فرمایا کرتے تھے اور دوسرا پستان اپنے شیر خوار رضاعی بھائی کے لیے گویا کہ وقف فرما رکھا تھا۔

نبی ﷺ کی اخلاق بھری جوانی

آپ ﷺ اپنی جوانی کے دور میں رشتے داریوں کا پاس اور لحاظ فرماتے تھے، صلہ رحمی فرماتے تھے، دوسروں کا بوجھ ہلکا فرماتے تھے، محتاجوں کے کام آتے تھے راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد فرمایا کرتے تھے، محتاجوں کے کام آتے تھے، مہمان کی ضیافت وخاطر مدارت فرماتے، راہ حق کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مدد فرماتے تھے (بخاری شریف جلد اول صفحہ 3)

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل کی حیات مبارکہ میں بھی آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے لوگوں سے فوائد حاصل کرنے کی بجائے اپنی ذات سے ہر طرح کے لوگوں کی

Marfat.com

مدد فرمایا کرتے تھے۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ آپ ﷺ انسانیت سے کتنی محبت، کتنا تعلق اور ان کی اصلاح حال کے لیے کتنا شفقت رکھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایک بھرپور زندگی اپنے معاشرے میں اس طرح گزاری کہ کسی قسم کی بداخلاقی، بدگوئی، بدعملی کی طرف کوئی ایک واقعہ بھی کٹر سے کٹر مخالف اور دشمن نقل نہیں کرسکا زنا سے بھرپور معاشرے کے اندر ایک نوجوان کا صاف اور باکردار زندگی گزارنا یہ کھیل نہیں ہے۔ اسی طرح شراب، جوا اور دیگر بداعمالیوں کا حال ہے کہ پورا معاشرہ اس میں مبتلا تھا، ایک نبی ﷺ کی ذات تھی کہ جوان تمام عیوب سے پاک تھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مضبوط کردار کا انسان ہی انسانیت کا رخ موڑ سکتا ہے۔

اعلان نبوت

چالیس سال کی عمر مبارک ہونے پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان نبوت فرمایا۔ اس اعلان کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی چالیس سالہ حیات مبارکہ کو قوم کے سامنے پیش فرمایا، جسے قرآن مقدس نے اپنے الفاظ میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے ''میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں'' (سورۃ یونس 16) جو آپ ﷺ کے مخلص ہونے اور باکردار زندگی پر دلالت کرتا ہے، آپ ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے بھی لوگوں سے مال کا چھننا اور جمع کرنا تو درکنار مانگ کر بھی نہیں لیا، بلکہ جو پاس تھا وہ بھی دوسروں کو دیتے رہے، نیز آپ ﷺ کا یہی عمل اعلان نبوت کے بعد بھی رہا جو مزید اس کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود نبوی مال ومتاع کا جمع کرنا تھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ اعلان نبوت کے بعد کی اختیار کردہ زاہدانہ زندگی کا ہر ہر دن اور رات اس بات کی گواہ ہیں، اس موقع پر بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اگر کہیں سے صدقہ آتا تو وہ نادار مستحقین میں پورا کا پورا تقسیم کردیتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس سے دور رکھتے اور کہیں سے ہدیہ آتا تو اسے قبول تو فرمالیتے لیکن اپنی ضرورت کے بقدر استعمال فرماتے ہوئے کسی حاجت مند یا سائل کو عطا فرمادیتے، تاریخ کے

Marfat.com

اوراق ایسے واقعات سے بھرپور ہیں۔

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اعلان نبوت کے بعد کی ایسی زندگی ہے جو فکر مند تو نظر آتی ہے لیکن اپنی ذات کے حوالے سے نہیں۔ اس عقیدے کو اس خوب صورت انداز میں قرآن مقدس نے کھولا ہے کہ جس سے بہتر اور برتر تا قیامت کسی دانش ور کے لیے بات کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ قرآن مجید اس فکر مندی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتا ہے ''اے پیغمبر ! شاید کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے'' (سورہ شعراء آیت 3) یہ فکر مندی اپنی ذات کے حوالے سے نہیں تھی، بلکہ اپنی امت کے حوالے سے تھی جو نادانی اور غفلت سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے منہ موڑے ہوئے تھی جس کے نتیجے میں اس کی زندگی کے اندر ہر طرح کی بے اعتدلیاں غالب آ چکی تھیں۔ دنیا میں بھی وہ مقہور (جن پر غصہ اور قہر ہو) تھے اور آخرت میں بھی اسی بنیاد پر معذب (جن پر عذاب ہو) ہوتے۔ نبی ﷺ کی چاہت ہر ممکنہ ذرائع سے یہ تھی کہ کسی طرح ان کا تعلق مخلوق سے کٹ کر ایک خالق کے ساتھ جڑ جائے تاکہ ان کی دنیوی زندگی بھی جنت نظیر بن جائے اور اخروی زندگی میں بھی دائمی نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مالا مال ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ ﷺ کی دلی کیفیت اس وقت کی انسانیت اپنی آنکھوں سے اگرچہ دیکھ تو رہی تھی لیکن اسے اپنے الفاظ کا لباس پہنانے پر قطعاً قادر نہیں تھی۔ ان کی مشکل قرآن مقدس نے ایک ہی آیت میں آپ ﷺ کی متعدد صفات میں سے چار صفات منتخب فرما کر آسان فرمادی۔ سورہ توبہ آیت نمبر 128 کی مختصر آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی درج ذیل چار صفات بیان فرمائی ہیں جنہیں چودہ سو پینتیس سال گزرنے کے بعد بھی جھٹلایا نہیں جاسکا۔ نہ قیامت تک جھٹلایا جاسکے گا۔ اگر اب افترا پردازی (تہمت لگانے) کی کوشش ہوئی بھی تو بے دلیل ہونے کی وجہ سے قبول کرنے کی نہیں، منہ پر مار دیے جانے کے قابل ہوگی:

1۔ ایسے پیغمبر جو تمہاری جنس میں سے ہیں (اگر غیر جنس میں سے ہوتے تو انسانی نفسیات

Marfat.com

کے سمجھنے اور سمجھانے کے حوالوں سے انہیں قدم قدم پر الجھنوں سے دوچار ہونا پڑتا)

2۔تمہاری ہر قسم کی تکلیف ومشقت ان پر گراں گزرتی ہے (اس میں دنیوی مشقتیں اور اخروی عذاب شامل ہیں)۔

3۔تمہارے لیے ہدایت، دنیوی اخروی فوائد کے بہت، بہت اور بہت ہی زیادہ خواہش مند ہیں

4۔جنہوں نے ایمان قبول کیا (ان سے لاتعلق نہیں بلکہ) ان پر نہتائی شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔

کیا کسی کے ساتھ ہمدردی، خیرخواہی، غم خواری، دردمندی، خیراندیشی، غم گساری، رحم دلی، بہی خواہ، مہربانی، دوستی اور یک جہتی کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے؟ کیا دلوں کے بھید جاننے والے کی طرف سے اپنے محبوب، رحمۃ اللعالمین ﷺ کے لیے اس شہادت کے بعد دلوں میں کسی شک، شبہ، گمان، احتمال، خیال، وسوسے، وہم، تصور، اندیشے، دھیان، کھٹکے، سوچ، تشویش، خلش، اضطراب، بے چینی، پریشانی، گستاخی، بدتمیزی، بے یقینی، بداعتمادی، بے حرمتی، ناشائستگی، بے لگامی وغیرہ وغیرہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ میں حب جاہ اور حب مال کی بداخلاقیوں کا دخل تھا؟ پھر بھی دنیوی مال کے حریصوں اور آخرت کے نابیناؤں کے دماغوں میں یہ شیطانی وساوس کھولنے (ابلنے) لگے وہ اپنے بھائی بندوں کے نمائندے بن کر خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے دل ودماغ کا ابال نکالتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ﷺ کے اس مشن کا مقصد مال ودولت جمع کرنا ہے تو اس مقصد کو پورا سمجھیں۔اس مشن کو روک دیں ہم پورے علاقے کی جمع پونجی (سرمایہ خزانہ وغیرہ) آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں لیکن متاثر ہوئے بغیر سوچ بچار، غور وخوض کی مہلت مانگے بغیر ابھی ان کے تحفوں کی بازگشت ہوا میں تحلیل بھی نہیں ہوئی تھی کہ جواب دوٹوک انکار کی صورت میں دیا جا چکا۔ان ضدیوں نے پینترا بدلتے ہوئے کہا اگر اس دعوت کی مراد یہ ہے کہ آپ علاقے کا سردار تسلیم کرلیا جائے تو سمجھے مراد برآئی! اس

Marfat.com

دعوت کا گلا گھونٹ دیجیے، ہم بلاچوں وچرای بلاجبرواکراہ (زبردستی کے بغیراپنی خوشی سے) بلاتائل، بلاتوقف، بلاشرط، بلاتردد، بلاتصنع آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں لیکن ان کی پرکشش پیشکش سماعت سے ٹکرائی ہی تھی کہ لسان نبوت نے بآسانی خوداس پیشکش ہی کا گلا گھونٹ دیا۔ باطل ابھی مایوس نہیں ہوا ایک نیا مگر پرالذت جال اس وقت کے معاشرے کے مردوں کی شہوانی لذات اور جنسی خواہشات کے تناظر میں پھینکتے ہوئے کہا، اگراس تبلیغ کے پیچھے تمنا یہ ہے کہ عرب کی دوشیزائیں آپ کے حرم (بیویوں) میں داخل ہوں تو آپ تبلیغ کو بالکل خیر باد کہہ دیجیے۔ اس سے سبکدوش ہو جایئے۔ اس سے مکمل قطع تعلق کر لیجیے، اس راہ سے منہ موڑ لیجیے، اسے چھوڑ دیجیے۔ یہ ہماری ذمے داری ہے ہم عرب کی حسین سے حسین دوشیزاؤں کا رشتہ آپ سے جوڑ دیں گے۔ آمنہ کا لعل، خدیجہؓ کا سرتاج اس ہلوے پر پسیجنے، نرم پڑ جانے کے بجائے اسے بلاپس وپیش ٹھکرادیتا ہے (اس مقالے کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ) ان بدنیتوں نے آپ ﷺ کی انسانیت کی خیرخواہی کے جذبات کی ناقدری کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مخلصانہ نیت کا امتحان لیا، لیکن اپنی سازش میں مکمل طور پر ناکام ہوئے یہ کسی کو للچانے، پھسلانے، کھسکانے، پٹانے، لبھانے، مائل کرنے، راغب کرنے، راضی کرنے، منانے کی آخری مادی حدیں ہیں۔ اس سے بہتر، برتر مادی، انسان مادی طریقہ نہ ایجاد کرسکا ہے نہ کر سکے گا، لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ہمارے مقابلے میں مادہ اور مادیت پرست انسان نہیں ہے۔ اس کے برداشت، تحمل، بردباری، حلیمی سے بھرپور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نادانو! میں تمہاری مادیت میں سے کچھ بھی لینے کے لیے نہیں، تمہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ وہ روحانیت دینے آیا ہوں کہ تمہاری مادیت اس کے دائرہ کار میں پناہ لے لے تو وہ بھی اصل روحانیت کا لباس پہن لے۔

Marfat.com

''وَرَفَعنَالَکَ ذِکرَکَ''

عظمتوں کی انتہاء، رفعتوں کی شوکت والے ﷺ

رسول پاک ﷺ کی شان کا عجیب بیان

کوئی ایک شخص کیا ساری کائنات کی ساری زبانیں اگر سید الانبیاء کی مدحت وستائش میں مصروف ہو جائیں۔ تب بھی آپ کی تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کائنات میں ایک بھی مسلمان کہلانے والا باقی نہ رہے تب بھی آپ کی تعریف بیان ہوتی رہے گی۔ اس لیے کہ آپ تو وہ ہیں جن کے بارے میں عرش والے نے کہا: ''**وَرَفَعنَالَکَ ذِکرَکَ**'' (القرآن) پارہ 30

''اے مدینہ کے تاج والے ہم نے آپ کو عظمتوں کی انتہا پر فائز کر دیا ہے''

امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول پاک ﷺ نے حضرت جبرائیل سے دریافت کیا اے جبرائیل! ذرا بتاؤ تو سہی وہ بلندیاں کیا ہیں جن سے میرے ذکر کو ہمکنار کیا گیا ہے؟ حضرت جبرائیل نے کہا ''حدیث قدسی ہے عرش والے نے فرمایا'' **اذا ذکرک، ذکرت معی** '' کہ جب میرا ذکر ہوگا، تب تب تیرا ذکر ہوگا، حضرت حسان بن ثابتؓ کائنات کے سب سے بڑے نعت خواں اور مداح رسولؐ تھے۔ اس آیت ''**ورفعنالک ذکرک**'' کی تشریح اپنی نعت کے اشعار میں یوں کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے ذکر کو اس طرح بلند کیا ہے کہ اپنے نبیؐ کے نام کو اپنے نام میں یوں ضم کر لیا کہ موذن ایک دن میں پانچ وقت کی اذان دیتے ہوئے جب کہتا ہے ''اشھد ان لا الہ الا اللہ، تو ساتھ ہی کہتا ہے، اشھد ان محمد رسول اللہ''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نام میں سے اپنے نبیؐ کے نام کو نکالا ہے تاکہ اس کو عظمت

Marfat.com

وجلالت بخشے، کہ عرش والے کا نام ''محمود'' ہے اور مدینہ کے تاجدار کا نام ''محمد'' ہے۔
قربان جایئے نام نامی، اسم گرامی محمدؐ کے بارالہٰ! یہ کس کا نام میری زبان پہ آیا۔ کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے۔۔۔۔
قاضی سلیمان منصور پوری سیر کی معرکہ آراء کتاب ''رحمت للعالمین'' میں لکھتے ہیں ''لوگو! آپ کے باپ کا نام عبداللہ، ماں کا نام آمنہ، دایہ کا نام حلیمہ، ۔۔۔۔تھا'' ذرا غور تو کرو کہ جس نے عبودیت کے خون سے وجود پایا ہو جس نے امن کی گود حاصل کی ہو اور جس نے علم اور بردباری کا دودھ پیا ہو وہ ''محمد'' نہیں ہوگا تو کیا ہوگا'' (صلی اللہ علیہ وسلم)
وہ تو وہ ہیں جو ہیں ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔ تفصیل سے یعنی وہ کہ جس کا انگ انگ قابل تعریف اور لائق ستائش ہو۔ لحہ لحہ جس کی تعریف میں بسر ہوتا ہو، ذرہ ذرہ جس کی تعریف کرے اب کوئی اپنا ہو یا بیگانہ۔ مسلم ہو یا غیر مسلم، کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ جب بھی اس ہستی کا تذکرہ کرے گا، بے اختیارانہ مجبور ہو جائے گا، اس ذات والا صفات کی تعریف کرنے پر۔
اذان وہ اسلامی شعار ہے جو دن رات کے 24 گھنٹوں میں دنیا کے کونے کونے میں، ہر لحہ گونجتی پھرتی ہے۔ سب سے پہلے طلوع سحر سیلز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوئی ہے۔ وہاں جس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں۔ طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور ایک وقت ہزاروں مؤذن خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔
مشرق جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ پھر جکارتہ میں مؤذنوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔
جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماٹرا میں شروع ہو جاتا ہے اور سماٹرا کے مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ملایا کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ملایا کے بعد برما کی باری آجاتی ہے۔ جکارتہ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ابھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ کلکتہ سے سرینگر اذانیں گونجنے لگتی

Marfat.com

ہیں، دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے ممبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید ورسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے۔ سرینگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے اور سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک 40 منٹ کا فرق ہے اس عرصہ میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوتی ہے۔

پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں شروع ہو جاتا ہے۔ مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹہ تک کا فرق ہے اس عرصہ میں اذانیں حجاز مقدس یمن عرب امارات کویت اور عراق میں گونجتی ہیں۔

بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے اس دوران میں شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔

اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول وعرض پر واقع ہیں۔ مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران ترکی میں صدائے توحید ورسالت بلند ہوتی ہے۔ اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا دورانیہ اس عرصہ میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوا تھا ساڑھے 9 گھنٹے طویل سفر کر کے بحراوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔

فجر کی اذان بحراوقیانوس تک پہنچنے سے قبل ہی مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں نماز مغرب کا وقت ہوتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیلز سے بمشکل سماٹرا تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔

جس وقت مشرقی انڈونیشیا میں عشاء کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس وقت افریقہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔

Marfat.com

کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں ہزاروں، لاکھوں موذن بیک وقت خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد رسول ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں (اور انشاء اللہ العزیز یہ سلسلہ تا قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔) عرش والے نے اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرمایا **انک لعلی خلق عظیم** اے مدینہ کے تاجدار اے آمنہ کے لال! اے مکہ کے دریتیم ہم نے آپ کو صاحب خلق عظیم بنا کر بھیجا ہے۔

نیشا پوری نے اپنی تفسیر کبیر میں اور عبدالرحمٰن صفوری شافعی نے اپنی کتاب "نزہتہ المجالس" میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا، کہ حضرت ذرا بتلایئے تو سہی کہ خلق عظیم کیا ہے؟ جس کا صاحب بنا کر مدینہ کے تاجدار کو معبوث کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے دریافت کرنے والے سے کہا تیرے سوال کا جواب بعد میں دوں گا، پہلے یہ بتا کہ تو اس دنیا کے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں کیا، کوئی بڑے سے بڑا انسان اس کی اونچ نیچ کو کماحقہ بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، اے شخص! دنیا وہ ہے جس کے بارے کہا گیا کہ "دنیا قلیل ہے قلیل"! ۔ جب کائنات کے رہنے والے اس قلیل کو بیان نہیں کر سکتے تو میں اس عظیم کو کس طرح بیان کر سکتا ہوں؟ تو حضرت! سید الرسل، امام الانبیاء، ہادی عالم، محسن اعظم، فخر عالم ﷺ کائنات کی وہ ہستی، وہ ذات والاصفات اور ذات بابرکات ہیں کہ کائنات کا کوئی شخص چاہیے بھی تو ان کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

بخاری شریف میں "حضرت ابن عباس" سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں سے آپ کو چن لیا کہ آپ کی زندگی کی قسم کھائے"

پوری دنیا میں ایک مدینے کے سوہنے نبی کی تو ہستی ہے کہ جس کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو عرش والے نے محفوظ کر دیا ہے۔

حیات مبارکہ کے سارے لمحات ایک ایک لمحہ کی، ایک ایک جنبش، ہونٹوں سے نکلے مبارک الفاظ متبرک حروف آج احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور صاحبان ایمان کے دلوں کو قرار و سکون کی دولت سے نواز رہے ہیں۔ عرش والے نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے کہ

Marfat.com

''جو تجھ کو نہیں مانتا وہ اپنے ہی نشے میں اندھا ہو چکا ہے'' صرف یہی نہیں کہ آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے، اللہ نے تو اس شہر کی قسم بھی کھائی ہے جو شہر آپ کا شہر تھا۔

''قسم ہے اس امن والے شہر کی'' پارہ 30۔ اللہ نے اس امن والے شہر کی قسم کیوں کھائی؟ اس شہر کی قسم اس لیے کھائی کہ پیارے یہ وہ شہر ہے جہاں تو چلتا ہے، پھرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے اور تیری چلت پھرت کی وجہ سے ہم نے اس شہر کو سارے شہروں میں معزز بنا دیا ہے۔

اللہ نے اس شہر کو کائنات کے سارے شہروں میں ممتاز کر دیا ہے۔ اللہ نے ان راستوں کو جن راستوں نے آپؐ کے قدموں کو چوما مشرف کر دیا۔ اللہ نے ان گلیوں کو جن گلیوں کے کنکروں نے آپؐ کے تلووں کے بوسے لئے مکرم کر دیا۔ آج لوگ بڑی حسرت سے کہتے ہیں، عقیدت سے لبریز لہجے میں گڑگڑاتے ہیں کہ اے کاش! ہم مدینہ کی گلیوں کے پتھر ہوتے، کہ کبھی تو آقا کے قدموں کے نیچے آئے ہوتے۔ اے کاش! ہم آپؐ کی دہلیز کی چوکھٹ کی لکڑی ہوتے، کہ کبھی تو آپؐ نے ہم پر پاؤں رکھا ہوتا، اے کاش! ہم آپؐ کے بستر کے تار ہی ہوتے جسم مبارک سے مس ہونے کا شرف مل جاتا۔

اے کاش! ہم مدینہ کی راہوں کے درخت ہی ہوتے، کبھی آپؐ کے ہاتھوں نے ہم کو چھوا ہوتا۔ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود مدینہ طیبہ کی محبت و عقیدت میں کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے۔ لیکن حضرات یثرب، کیا تھا؟ دنیا کے عام قصبوں طرح کا ایک عام قصبہ، کون پوچھتا تھا یثرب کو۔۔۔؟ یہ تو ساری میرے آقا کے دم قدم کی برکت ہے کہ آج یثرب، یثرب نہیں، مدینہ طیبہ بن چکا ہے۔ ان کے قدموں اور دعاؤں کی برکت ہے کہ یثرب آج مدینہ، مدینہ طیبہ بن کر ایمان والوں کے لیے اطمینان قلب کا باعث بن چکا ہے۔

مدینہ میرے آقا کی دعاؤں کی برکت سے مکہ مکرمہ کی طرح ''حرم'' بن چکا ہے۔

رحمتیں اور برکتیں تو آپ کے جلو میں چلا کرتی تھیں۔ کون ہے کائنات میں۔۔۔؟ جو انگلی اٹھائے اور اللہ اس کی اٹھی انگلی کی لاج رکھ کر آسمان کے چاند کو دو ٹکڑے کر دے۔ کون ہے؟

Marfat.com

جو کسی پکوان میں اپنا لعاب دہن ڈالے اور اللہ اس کھانے میں اتنی برکت ڈالے کہ لوگ کھاتے چلے جائیں مگر کمی واقع نہ ہو،

جو نابینا کی آنکھ میں تھوک لگائے اور نابینا اس تھوک کی برکت سے بینا ہو جائے۔ کون ہے کائنات میں۔۔۔؟ جو زمین سے عام کنکر اٹھائے اور وہ کنکر اس کی ہتھیلی پر آ کر ''تسبیح'' کرنا شروع کر دیں۔ کون ہے بھلا۔۔۔؟ جس کی انگلیوں سے نہروں کی طرح پانی جوش مار کر بہنے لگے۔ کون ہے۔۔۔؟ کہ جس نے جس حصے پر نماز ادا کی ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' (جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ) بنا دیا ہو۔ کون ہے؟ جس نے ایک قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ''جنت البقیع'' بنا دیا ہو۔۔۔ ہاں ہاں بتاؤ تو ذرا۔ کوئی نہیں کوئی رب کعبہ کی قسم کوئی نہیں۔ جب کوئی نہیں تو پھر کون ہے؟ جو آپ کی تعریف کا حق ادا کر پائے؟

اللہ کے وہ محبوب، اللہ کے وہ مرغوب، کائنات میں سب سے افضل، اشرف، اکمل، کامل اور مکمل زندگانی والے کہ جس نے لطافت سے آپ کو دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔

کہ اے آقا! آپ ایسے خوب صورت، خوبرو، خوش جمال، خوش خصال، صاحب جمال، صاحب کمال کہ کمالات کے کمال کو پہنچے ہوئے اور حسن صفات کے اتمام کو پہنچے ہوئے۔ آپ ؐ جیسا خوبرو، خوبصوت، آپ جیسا سوہنا، من موہنا، چندا کا روپ، سندر سرپ، کائنات کی کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں۔ اور آپ جیسا حسن و جمال کا پیکر، رعنائیوں کا مرکب، کائنات کی کوئی آنکھ کس طرح دیکھ سکتی ہے؟ کہ آپ ؐ جیسا ضیاء پاشیوں کا مجمع، حسین و جمیل کسی ماں نے آج تک جنا ہی نہیں۔ آپ عیوب سے مبرا، نقائص سے مصفا، خامیوں سے پاک، کجیوں سے صاف، ایسے پیدا ہوئے کہ آقا ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے خالق نے آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا ہو۔'' آپ تو وہ ہیں کہ جن کے بارے میں حضرت جبرئیل گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

Marfat.com

حسان بن ثابتؓ کے اشعار (ترجمہ) میں نے ہر دور کے صاحبان جمال بھی دیکھے، صاحبان کمال بھی دیکھے۔ سوہنے بھی دیکھے، من موہنے بھی دیکھے۔ شان والے بھی دیکھے، اونچے مقام والے بھی دیکھے۔ بڑے سے بڑا دیکھا، اونچے سے اونچا دیکھا دنگ کر دینے والے، بڑے بڑے دبنگ دیکھے۔ قسما قسم دیکھے، رنگ برنگ دیکھے، لیکن اے مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر آسمان کے چاند کو شرما دینے والے! تجھ سے بڑھ کر نگاہوں میں کوئی آیا ہی نہیں۔ تیرے بناء دل میں کوئی سمایا ہی نہیں اوروں کی بات چھوڑیں، خود نبی کائنات ﷺ نے فرمایا ''ایک روز میں وادی بطحا میں آرام کر رہا تھا۔ میری آنکھیں سو رہی تھیں، دل جاگ رہا تھا کہ ایسے میں فرشتے میرے پاس آئے ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا ''کیا یہ وہی ہیں جن کی طرف ہم کو بھیجا گیا ہے؟ دوسرے فرشتے نے کہا'' ہاں ہاں! یہی تو ہیں جن کی طرف ہم کو بھیجا گیا ہے!'' (آپ نے فرمایا) پھر ایک ترازو قائم کیا گیا۔ اس کے ایک پلڑے میں مجھ کو رکھا گیا دوسرے میں پلڑے میں ایک عام شخص کو رکھا گیا۔ میرا پلڑا بھاری تھا، پھر ایک کی جگہ دس کو میرے ساتھ تولا گیا میں تب بھی وزنی ٹھہرا۔ پھر 10 کی جگہ 100 کو میرے ساتھ ترازو کیا گیا، میرا پلڑا تب بھی بوجھل ہی رہا۔ پھر ایک ہزار کو میرے ساتھ تولنے کی بات ہوئی۔۔۔ تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا (کیا گن گن کے تول رہے ہو؟ ایک، دس، سو، ہزار، لاکھ کروڑ کیا؟) ''**لووزنت الدنیا کلھا لرجحھا**'' کہ اگر ایک پلڑے میں دنیا کے سارے مدبر، مفکر، مصلح، ریفارمر، فقیہ، مجتھد، امام، پیر، فقیر، صاحبان جمال و کمال بڑے سے بڑے غرض، ساری دنیا والے ڈال دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں اکیلے آمنہ کے لال ہوں۔ ساری دنیا والے مل کر بھی اکیلے مدینے والے کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔'' کوئی آپ کی شان کس طرح بیان کرسکتا ہے؟ آپ تو وہ ہیں جن کے بارے میں حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں ''ایک روز سید الانبیاء مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے۔ باہر بچے کھیل رہے تھے۔ آپ نے ایک ایک کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ میرے سر پر بھی ہاتھ رکھا میرے گالوں کو چھوا تو میرے کلیجے میں اس طرح کی ٹھنڈک پڑی کہ وہ ٹھنڈک بیان نہیں کرسکتا۔ صرف محسوس کرنے کی شے تھی اور آپ کے ہاتھوں سے ایسی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اس طرح کی خوشبو میرے جسم و جاں کو معطر کر رہی تھی کہ ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے آپ کا ہاتھ

Marfat.com

خوشبوں کی نہر ہو۔ آقا تو وہ ہیں کہ ایک روز حضرت انسؓ کے گھر میں ان کی والدہ کا معمول تھا کہ رسول ﷺ کے جسم اطہر کے گرے ہوئے پسینے کے قطرات کو اکٹھا کر کے ایک بوتل میں جمع کر لیا کرتیں۔ ایک روز سید الانبیاء نے انسؓ کی ماں کو ان قطرات کو جمع کرتے ہوئے دیکھ لیا، فرمایا اے انس کی ماں میرے پسینے کے قطرات کیوں جمع کر رہی ہو؟ اس نے کہا آقا لوگ عطر استعمال کرتے ہیں اور میں عطر کی جگہ آپ کا پسینہ استعمال کرتی ہوں کہ دنیا کی کوئی خوشبو آپ کے پسینے کی خوشبو کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ''**مضت الدهور وما اتين بمثله ولقد اتی فعجرن عن نظرائه**'' یعنی ''صدیاں بیت گئیں، زمانے لد گئے، کوئی آپ ؐ کی طرح کا نہ آیا اور آپ آمنہ کے ہاں تشریف لے آئے تو اب قیامت قائم ہو جائے، کوئی آپ کی طرح کا نہ آئے گا''۔ آپؐ عدیم النظیر ہیں، بے مثال ہیں، لاجواب ہیں، جب آپؐ جیسا کائنات میں کوئی آیا ہی نہیں تو کون ہے جو آپ کی تعریف کا حق ادا کر پائے؟ کون ہے جو آپ کی شان کے شایان شان بیان کر سکے؟ کوئی نہیں، کوئی نہیں۔۔۔۔ یقیناً کوئی نہیں! کوئی آپ کی سیرت کو اور آپ کی نعت کے حق کو کس طرح ادا کر سکتا ہے؟ کائنات کا کوئی شخص آپ کے جمال کی وجہ سے آپ کے کمال کی وجہ سے آپ کے کمالات کے کمال کی وجہ سے آپ کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتا کہ آپ اپنے جمال و کمال کی وجہ سے ساری کائنات کے سردار ٹھہرائے گئے ہیں۔ آقا پرؐ چاند بھی چمکتا ہے تو گویا آپ کے چہرے کی ضیا پاشیوں اور کرنوں کی تابانیوں سے حصہ لے کر چمکتا ہے۔ کائنات کا کوئی شخص آپ کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ کہے گا تو بس یہی کہے گا'' کہ'' بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' یعنی'' عرش والے کے بعد اگر کائنات کے اندر سب سے زیادہ کسی کی تعریف کی جا سکتی ہے تو صرف مدینہ کے تاجدار کی جا سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔

Marfat.com

قراردادِ مقاصد

نئی ریاست کے قیام کے لیے

بابائے قوم کے اہم نکات

مسلمانوں کی تاریخ کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بلکہ اسلام نے مسلمانوں کو عظمت عطا کی ہے۔ اس تاریخ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر مشکل وقت میں اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے، مسلمانوں نے اسلام کو تحفظ فراہم نہیں کیا۔ اس صورت حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں جو توانائی، روشنی اور تحریک ہے وہ انہیں اسلام کے ''بجلی گھر'' سے فراہم ہوا ہے۔ محمد بن قاسم 712ء میں سندھ آئے تھے تو یہاں مسلمانوں کی موجودگی ''علامتی'' تھی لیکن آج برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی پچاس سے پچپن کروڑ کے درمیان ہے۔ اسلام کا یہ فروغ تلوار کا کرشمہ نہیں۔ مسلمانوں نے تلوار استعمال کی ہوتی تو آج پورا برصغیر مسلمان ہوتا، اسلام کی یہ پیش رفت دلوں اور اذہان کو فتح کرنے کا حاصل ہے۔ اسلام کی عظمت اور قوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک اقلیت ہونے کے باوجود ایک ہزار سال تک برصغیر پر حکومت کی۔ برصغیر کی تاریخ کا ایک بنیادی زاویہ یہ ہے کہ ہندو اکثریت کے ہندوستان میں جو مذہب آیا وہ یا تو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا یا ہندو ازم میں جذب ہو گیا۔ ''بدھ ازم'' ہندوستان ہی کی چیز تھا لیکن اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے بدھ ازم کو بھارت کے مرکز میں داخل نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے بدھوؤں کو مار مار کر ہندوستان کے مضافات میں بلکہ اس سے بھی آگے دھکیل دیا۔ چنانچہ بدھ ازم یوپی، بہار اور سی پی میں نہیں ان علاقوں میں پھیلا جو آج کے پاکستان میں گندھارا تہذیب کا مرکز کہلاتے

Marfat.com

ہیں۔ بدھ ازم افغانستان میں داخل ہوا۔ مشرق بعید میں پھیلا، مگر بھارت کے مرکز میں وہ معمولی قوت بھی نہ بن سکا، حالانکہ بدھ ازم اختیار کرنے والے اشوک کی حکومت پورے ہندوستان پر تھی اور بدھ ازم بہار سے نمودار ہوا تھا۔ اسی طرح سکھ ازم بھی ہندوستان کی پیداوار ہے اور اپنے تصورات اور فکری میراث کے اعتبار سے وہ اسلام کے زیادہ قریب تھا لیکن دو اڑھائی سو سال کے تجربے نے سکھ ازم کی یہ حالت کر دی ہے کہ سکھ صرف اپنے گردواروں اور پگڑیوں سے سکھ معلوم ہوتے ہیں ورنہ ان کی پوری معاشرت پر ہندوازم کی چھاپ لگ چکی ہے لیکن اسلام کی عظمت، قوت اور حسن و جمال ایسا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے سمندر میں ایک جزیرہ ہونے کے باوجود ایک ہزار سال تک اپنے مذہبی اور تہذیبی تشخص کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ اسے فروغ بھی دیا۔ مسلمانوں نے اسپین کے ایک وسیع علاقے پر نو سو سال تک حکومت کی اور ایک بڑا تہذیبی اور فکری تجربہ تخلیق کیا، مگر نو سو سال کے بعد مسلمانوں کو اس طرح اسپین چھوڑنا پڑا جیسے وہ وہاں کبھی آئے ہی نہیں تھے لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اسلام سے اس طرح معنی، قوت، تحرک اور حسن و جمال کشید کیا کہ وہ اسلام کی بنیاد پر برصغیر کی تقدیر متعین کرنے والی حقیقت بن گئے۔ اس حقیقت کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن مرحلہ برصغیر میں مسلمانوں کو علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ تھا۔ اس مطالبے کی پشت پر بھی اسلام کے جلال و جمال کو پوری شدت کے ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل دلچسپ، معنی خیز اور بجائے خود تاریخی نوعیت کی حامل ہے۔ جس وقت برصغیر کی ملت اسلامیہ نے الگ ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا اس وقت قوموں کی تعریف نسل، جغرافیے اور زبان کی بنیاد پر متعین ہو رہی تھی۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ اسلام کا سہارا نہ لیتی تو وہ ایک الگ قوم ہونے کی بنیاد پر جداگانہ ریاست کا مطالبہ کر ہی نہیں سکتی تھی، اور کرتی تو ہندو کہہ دیتے کہ قوم کی تعریف کی رو سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں لیکن اسلام نے بڑھ کر مسلمانوں کی دستگیری کی اور انہیں بتایا کہ مسلمان نسل، جغرافیے اور زبان کی بنیاد پر نہیں کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ایک قوم ہیں۔ اسلام نے برصغیر کی ملت

اسلامیہ کی دوسری بڑی مدد یہ کی کہ اس نے تاریخ کے سفر میں سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کو مسلم اکثریتی علاقہ بنا دیا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو مسلمان 7 کروڑ 70 لاکھ کی آبادی رکھنے کے باوجود الگ ریاست کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے، اور کرتے تو ان کی بات میں صرف دعویٰ ہوتا، دعوے کی کوئی منطق ان کے پاس نہ ہوتی، مگر اسلام نے برصغیر کے مسلمانوں کو نظریہ بھی دیا، دعویٰ بھی مہیا کیا اور دعوے کی ناقابل تردید دلیل بھی فراہم کی مسلمانوں نے اسلام پر اصرار کیا تو تاریخی عمل بھی ان کا مددگار بن گیا۔ کانگریس کی قیادت نے قائداعظم محمد علی جناح پر مذہبی سیاست کا الزام لگایا تو قائداعظم نے گاندھی کو ان کے ایک خط کے جواب میں یاد دلایا کہ وہ جب ایک بار مسٹر ماٹیکو سے ملنے گئے تھے تو ماٹیکو نے ان سے پوچھا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں گاندھی جی نے کہا کہ وہی چیز جو وہ کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ ماٹیکو نے پوچھا کہ وہ چیز مذہبی ہے یا معاشرتی یا سیاسی؟ تو گاندھی نے کہا کہ ''خالص مذہبی'' اس جواب پر ماٹیکو چونکا اور اس نے کہا کہ مگر آپ تو ایک معاشرتی مصلح ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے گاندھی نے کہا کہ یہ میری معاشرتی سرگرمیوں ہی کی توسیع ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وقت تک مذہبی زندگی بسر نہیں کر سکتا جب تک تمام بنی نوع انسان کے ساتھ شریک نہ ہو جاؤں اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں سیاست میں حصہ نہ لوں۔ قائداعظم نے گاندھی کو ان کی یہ تمام باتیں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ ہندوستان ایک ملک ہے، ایک قوم نہیں۔ اس کے برعکس ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں اور ان کے درمیان فرق کی بنیاد مذہب ہے۔ اس طرح قائداعظم نے کانگریس کی قیادت کے مذہب کی بنیاد پر سیاست کے الزام کو گاندھی جی کے اپنے اقوال سے غیر موثر کر دیا تاریخی اعتبار عمل کے اعتبار سے یہ بات بھی اہم ہے کہ مسلمانوں کا اصل مسئلہ اسلامی تشخص اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے مفادات کا تحفظ تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیاسی جدوجہد کے ایک مرحلے پر متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ اس کا ایک ثبوت قائداعظم کے

Marfat.com

14 نکات تھے جنہیں کانگریس نے یکسر مسترد کر دیا اور 1935 میں ایک ایسا آئین برصغیر پر مسلط کر دیا گیا جو مسلمانوں کے تمام مفادات سے متصادم تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے تلخ تاریخی تجربات سے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ برصغیر میں ایک اسلامی ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال کے 1930ء کے خطبہ آلہ آباد کو تاریخی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس خطبے میں پہلی بار مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن ایک علیحدہ ریاست کے حوالے سے 23 مارچ 1940ء برصغیر کی ملت اسلامیہ کی تاریخ کا سنگ میل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ 23 مارچ 1940 کو لاہور میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی، اور اس قرارداد کی منظوری سے پہلے ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ برصغیر کے مسلمانوں کا محض ایک ایک خواب تھا، قرارداد مقاصد نے اس خواب کو حقیقت بنانے کی جدوجہد کا آغاز کیا، قرر داد مقاصد سے پہلے الگ ریاست کا مطالبہ ایک سیاسی قیاس آرائی تھا، قرارداد مقاصد کی منظوری نے سیاسی قیاس آرائی کو عملی تحریک میں ڈھال دیا، قرارداد مقاصد میں اگرچہ لفظ پاکستان موجود نہیں تھا مگر ہندو پریس اور کانگریس کی قیادت نے اس قرارداد کو ''قرارداد پاکستان'' کا نام دیا۔ چنانچہ قرارداد مقاصد حقیقی معنوں میں قرارداد پاکستان بن گئی اور پاکستان کا لفظ مسلم برصغیر کے بچے بچے کی زبان پر آ گیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ پاکستان کا لفظ پہلے سے موجود نہ تھا۔ پاکستان کا لفظ پہلے سے موجود تھا مگر اسے عوامی مقبولیت قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد حاصل ہوئی۔ 23 مارچ 1940ء کا اجتماع اگرچہ برصغیر کی پوری ملت اسلامیہ کا نمائندہ تھا مگر اس اجتماع میں برصغیر کے مسلم اقلیتی علاقوں کے مسلمانوں کا کردار زیادہ تھا اور اس سے اس حقیقت کی عکاسی ہو رہی تھی کہ پاکستان حقیقی معینوں میں ایک نظریاتی ریاست ہوگا ایسا نہ ہوتا تو مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمان قرارداد مقاصد اور اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی تحریک پاکستان میں پیش پیش نہ ہوتے کیونکہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے اور انہیں پاکستان کے قیام سے کوئی معاشی یا مالی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، مگر انہیں معلوم تھا کہ

Marfat.com

پاکستان برصغیر میں اسلام کا قلعہ اور اس کی عظیم تجربہ گاہ ہوگا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 23 مارچ 1940ء کے اجتماع سے جو خطاب کیا اس کے دو مرکزی نکتے تھے۔ایک یہ کہ دو قومی نظریہ ہندوستان کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور مسلمان ہر اعتبار سے جداگانہ تشخص کے حامل ہیں۔ان کی تقریر کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ اب پاکستان کی صورت میں ایک واضح نصب العین مسلمانوں کے سامنے آ گیا ہے، چنانچہ انہیں چاہیے کہ وہ متحد ہو کر اس نصب العین کو حقیقت بنانے کے لیے جدوجہد کریں۔انہوں نے اس سلسلے میں جو زبان اور لب ولہجہ استعمال کیا وہ کوئی عالم دین ہی اختیار کر سکتا تھا۔انہوں نے کہا ''اسلام کے خادم بن کر آگے بڑھو اور اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی تنظیم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہ طاقت بنو گے جسے ہر شخص تسلیم کرے گا۔'' قرارداد مقاصد اور قائداعظم کی تقریر نے ہندو پریس اور ہندو قیادت کے سینوں میں آگ بھڑکا دی ۔ اس سلسلے میں ہندو رہنما ساورکر، نے یہ تک کہہ دیا کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں وہی حیثیت ہے جو جرمنی میں یہودیوں کی تھی، چنانچہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہونا چاہے جو یہودیوں کے ساتھ ہوا۔لیکن ''قرارداد مقاصد'' نے مسلمانوں کی جدوجہد کو جو قوت عطا کی تھی ایسی باتوں سے وہ قوت بڑھتی ہی چلی گئی اور برصغیر کے مسلمانوں نے صرف سات سال کی قلیل مدت میں پاکستان کے نام سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ قوموں کی زندگی میں سات سال کی مدت ایک مسکراہٹ کے برابر ہوتی ہے، لیکن اسلام کی قوت نے 7 سال کو 70 سال سے بڑھا دیا۔اسلام کی طاقت نے بھیڑ کو قوم میں تبدیل کر دیا ۔اسلام کے سائے نے محمد علی جناح کو قائداعظم میں ڈھال دیا۔اسلام کے جلال و جمال نے جغرافیے کو پاکستان بنا دیا۔اسلام کی یہ قوت 23 مارچ 1940 میں بھی ہمارے ساتھ تھی اور اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ معجزے کل بھی ممکن تھے اور آج بھی ممکن ہیں۔

Marfat.com

موت کی حقیقت اور بعد الموت

امریکی سائنسدانوں کی تحقیق

قرآن کریم برحق ہونے پر یقین

''تم اپنے ہی ہاتھوں ایسی ایجادات کرو گے جس کی آواز سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوگی''

قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور موجودہ دور میں سائنس جتنے بھی کمالات اور بلندیاں حاصل کر رہی ہے یہ سارے کا سارا قرآن کریم ہی کا فیض ہے کیونکہ یہ الوہی کلام ہے اور سائنس ہزار ہا تحقیق و تجربات کے بعد جس مقام و بلندی پر بھی پہنچے قرآن کریم کی عظمت و رفعت وہاں سے بہت بلند ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ اس سائباں کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ ٹھنڈا سایہ ہے اور نہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برسا دے گا۔ بڑے بڑے محل جیسے کالے اونٹ۔ (المرسلات ۳۰، ۳۳) اس آیت مبارکہ میں اللہ نے بمبار ہوائی جہاز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور کہا کہ دیکھو ایسے وجود یعنی بمبار ہوائی جہاز کو کیونکہ جب یہ جہاز زمین پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کے وجود کا ایک بہت بڑا سایہ زمین پر پڑتا ہے جس کی تین شاخیں ہوتی ہیں اب یہ سایہ نہ تو گرمی سے بچاتا ہے اور نہ ہی اسے ٹھنڈ کے لیے سائے کے طور پر استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے نہایت تباہ کن بم نکلتے ہیں جنہیں آیت

Marfat.com

مبارکہ میں انگاروں سے تشبیہہ دی گئی ہے اور محل سے مراد میزائل ہیں جو انسانوں کے لیے تباہی و بربادی کا سامان پیدا کرتے ہیں اور بستیوں کی بستیاں اور شہر کے شہر آناً فاناً نیست ونابود ہو جاتے ہیں اور سب کچھ راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ بمبار ہوائی جہاز اور میزائل کے ایجاد ہونے سے پہلے مختلف لوگوں نے اس آیت مبارکہ کی تشریح وتفسیر اپنی اپنی سوچ کے مطابق کی اب چونکہ بمبار ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں اور ہر شخص ان کے نام کام اور نتائج سے اچھی طرح واقف ہے لہذا ہم نے سائنسی تناظر میں اس کی تشریح کردی۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پاک اپنی حفاظت خود کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔اسی طرح اللہ نے قرآن پاک میں لوہے کا ذکر فرمایا ہے اور لوہے کے نام کی ایک الگ سورۃ نازل فرمائی جسے سورۃ الحدید کہتے ہیں۔اس سورۃ مبارکہ میں فرمان الٰہی ہے کہ اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا ہے جس میں شدید جنگ (لڑائی کا سامان) ہے اور اس سے لوگوں کو طرح طرح کے فائدے پہنچتے ہیں (الحدید 25) اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ روشنی مل رہی ہے کہ لوہا تو انسانوں کے لیے بڑی کارآمد اور فائدہ مند نعمت ہے جس کے مثبت استعمال سے ہزار ہا فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں اور آج کے اس سائنسی دور نے اللہ کے اس فرمان کو سچ ثابت کر دکھایا ہے کیونکہ لوہا ہماری روزمرہ زندگی میں رہائشی مکانات، دفاتر اور گاڑیوں کی صورت میں کلیدی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اس کے بغیر ہمارے روزمرہ کا کام چلنا تقریباً ناممکن ہے لیکن دوسری طرف یہی لوہا انسانوں کی تباہی و بربادی کا مہلک ہتھیاروں کی صورت میں سامان بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کرہ ارض میں موجود اپنی تمام نعمتوں کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ فرما دیا ہے مگر آج کے دور کا انسان بربریت میں وحشی درندوں اور بھیڑوں کو بھی مات دے گیا ہے وہ اپنی وحشت اور درندگی کی آگ بجھانے کے لیے انسانوں پر ایسے ایسے ظلم وستم روا کھے ہوئے ہے کہ اس کی اس حرکت پر درندے بھی دم بخود ہیں وہ اللہ کی عنایت کی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی منفی سوچ سے ایسی ایسی ایجادات کر رہا ہے جو کہ بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کا سبب ہیں۔

Marfat.com

قرآن مجید کی دوسری آیت کے مطابق انسان نے خشک وتر میں فساد کیے اوراور بربادیوں کی آگ کا انسان سائنسی کمالات سے جو کچھ حاصل کررہا ہے وہ بے شک انسان کو جسمانی آسائش وآرام پہنچارہی ہیں کیونکہ یہ انسان کا خاصہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔بے شک ہم نے انسان کو صرف آدم کی اولاد ہونے کے ناطے سے قابل عزت بنایا ہے کہ اس مکرم انسان نے اس جہاں میں دو کام کیے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی جستجو میں ایسے سائنسی کمالات حاصل کیے کہ سابقہ تواریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔زندگی کا کوئی شعبہ جیسے میڈیکل ،سائنس، انجینئرنگ ،ایٹمی توانائی ،انڈسٹریز، تعلیم وفن ہوابازی اور سب سے بڑھ کر کمپیوٹر سائنس وغیرہ ایسے شعبے ہیں جس میں انسان فن کمال کو پہنچتا ہوا نظر آتا ہے اور انسان کی سہولت کے لیے طرح طرح کے تجربات اور ایجادات میں مصروف ہے وہ یہ کام مسلمان کی حیثیت سے نہیں کررہا بلکہ اولاد آدم کی حیثیت سے کررہا ہے کیونکہ وہ آدم کا صاحب زادہ ہے صاحبزادہ ہونا فخر کی بات ہے لیکن اس کا یہ فخر اس وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک وہ مسلسل کوشش اور محنت کرتا رہے کیونکہ صرف صاحب زادہ ہونا کوئی کمال نہیں ۔دوسری طرف اسی مکرم انسان نے اپنی خودغرضی ، لالچ ،حرص کی خاطر بنی نوع انسان کے لیے وہ تباہی کا سامان پیدا کیا کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے اور سوچ بھی نہیں سکتا کہ ابن آدم اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لیے اس طرح نقصان اور تباہی کا ساماں کرسکتا ہے۔ایک ایٹم بم کو لیجیے صرف چند بم اس کرۂ ارض کو نیست ونابود کرنے کے لیے کافی ہیں اور ان کے استعمال سے چند منٹوں میں کروڑ ہا انسان لقمہ اجل بن سکتے ہیں اور اگر فکر کریں تو اس درندگی اور بربریت کی وجہ صرف ایک نظر آتی ہے وہ ہے قرآن پاک سے دوری اس موقع پر بھی قرآن اپنے آپ کو منوا رہا ہے اور ثابت کررہا ہے کہ یہ کلام اللہ ہے سورۃ یٰسین میں ہے کہ وہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں جو ان کو آن پکڑے گی۔جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ کچھ کہہ سکیں گے سو نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے۔اس آیت مبارکہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم صرف اپنی ذہنی ایجادات کے

Marfat.com

تابع ہو گئے اور اپنے نفس کی خواہش کو بت بنا لیا اور اپنے ذاتی مقاصد کو آگے رکھا اور وجود الہیٰ کے سرے سے منکر ہو گئے تو تم اپنے ہی ہاتھوں سے ایسی ایجادات کرو گے ایسے ایسے بم پیدا کرو گے جس کی آواز سے ایک خاص کیفیت پیدا ہو گی اور پھر اس کی زد میں جو بھی آئے گا خواہ وہ بچہ ہو گا یا بڑا بوڑھا یا جوان مرد ہو یا عورت مقیم ہو یا مسافر اس کا وجود ذرات میں بدل جائے گا اور ہوا میں تنکوں کی طرح اڑے گا اور وہ اس کی آگ سے جھلس جائے گا، عمارات نیست و نابود ہو جائیں گی اور یہ بم جہاں کہیں بھی پھٹے گا وہاں زبردست تباہی ہو گی اور اس کی زد میں آنے والوں کو اتنی بھی فرصت نہیں ملے گی کہ وہ وصیت لکھ سکیں یا اپنے اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔ اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس دور میں آگئے ہیں جہاں یہ سب کچھ ہماری نظروں کے سامنے ہو رہا ہے اور قرآن پاک کا ایک ایک حرف اپنے آپ کو سچ ثابت کر رہا ہے ان خطرناک بموں سے نہ صرف مشرق بچا ہے نہ مغرب نہ شمال اور نہ جنوب موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے دنیا میں ہر نظریہ کے متعلق اختلاف موجود ہے حتیٰ کہ خدا اور رسول اور نظام کائنات کے بارے میں مختلف مذاہب کے درمیان الگ الگ آرائیں پائی جاتی ہیں مگر موت اٹل حقیقت ہے جس کے متعلق دنیا میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہر ایک جانتا ہے کہ ایک دن اس کی دنیوی زندگی کا تسلسل یقیناً ختم ہو کر رہے گا اور جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی اسباب و وسائل اس کو موت سے نہ بچا سکیں گے۔

یہ سچ ہے کہ انسان اس زمین پر تخلیق نہیں ہوا بلکہ کسی اور سیارے یا آسمان سے آیا اور مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور موت تو ایک پل ہے جس سے ہر ایک کو گزرنا ہے اور پھر گزر کر اگلی زندگی کی طرف جانا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، سو جس وقت ان کی معیاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (الاعراف) پھر فرمایا کہ ترجمہ تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی موت تم کو آجائے گی اگرچہ تم قطعی مضبوط قلعوں ہی میں ہو (النساء) اللہ کے کلام برحق میں جو بھی لکھا ہے اس میں شک

Marfat.com

وشبہ کی گنجائش نہیں انسان کی زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے جو اپنی مخلوق کو پیدا بھی کرتا ہے اور موت کے بعد بھی اٹھائے گا انسان کی موت کے بعد جب انسان کی روح پرواز کر جاتی ہے تو جسم میں کئی گھنٹے تک جان موجود رہتی ہے جبکہ اس کے بولنے کا اظہار وحرکت کرنے کی قوت ختم کر دی جاتی ہے۔ اس بات کی تصدیق طبی دنیا نے بھی کی ہے ان باتوں کی تصدیق انسان کی پیدائش کے کیمیائی اور طبیعاتی وجود پر تحقیق کرنے والے امریکی سائنسدانوں نے قرآن کریم کے تصور موت وحیات کو تسلیم کرتے ہوئے کی۔ کہا ہے کہ انسان کو آسمان سے نازل کیا گیا ہے جبکہ یہ موت کے بعد بھی حیات رہتا ہے اس حیات کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے اور اللہ کریم نے اسی بات کو اپنے کلام مقدس میں یوں فرمایا کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں وہ زندہ ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے مگر تم کو اس کا شعور نہیں۔ آج کی سائنس قرآن پاک کے اس تصور بعد از موت حیات کو مان گئی ہے اور امریکہ کے ایک فزیالوجسٹ ڈاکٹر الس سلور نے کتابی شکل میں شائع کی جانے والی اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ انسان زمین سے نہیں بلکہ کہیں اور سے آیا ہے اور زمین پر انسان کی آمد کسی دوسرے سیارے یا آسمان سے ہوئی ہے اس سلسلے میں انہوں نے اپنی کتاب میں اس کی بے شمار مثالیں اور ثبوت بھی پیش کئے ہیں اور کہا کہ بلاشبہ اس کی یہ تحقیق مسلمانوں کی آخری کتاب قرآن مجید کی روشنی میں کی گئی ہے جو 100 فیصد سچ ثابت ہوئی ہے۔ امریکی سائنسدانوں نے قرآن پاک میں موجود آیات کا ترجمہ پڑھا جس میں زمین اور آسمان کی تخلیق کے علاوہ انسان کی تخلیق کے بارے میں بھی آیات موجود ہیں جس پر انہوں نے متاثر ہو کر تقریباً 10 سال سائنسی انداز میں تحقیق کی اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ باقی مخلوق تو زمین میں ہی پیدا کی گئی ہے مگر حضرت انسان کسی دوسرے سیارے یا آسمان سے ہی نازل ہوا ہے اور ان کی اس کتاب کو خاصی شہرت ملی ہے۔ ایک اور امریکی سائنسدان رابرٹ لائزا نے اپنی تحقیق میں کہا ہے کہ جو انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے وہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا موت تو ایک مرحلہ ہے جس سے ہر کسی کو گزرنا ہے خواہ انسان ہو یا کوئی جاندار اسے موت کا

Marfat.com

مزا ضرور چکھنا ہے۔ امریکی سائنسدانوں کی فلسفہ موت وحیات پر دس سالہ تحقیق نے اللہ کے لافانی ابدی کلام ہدایت میں فرمایا کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے کی تصدیق کر دی ہے اور کافر بھی آج اس فلسفہ موت و بعد الموت کو ماننے پر تیار ہو گئے ہیں اور ایک پریس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے ان امریکی سائنسدانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور اپنی طویل ترین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہ سچ ہے بے شمار سائنسی مثالیں پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ قرآن پاک وہ کتاب ہے جو بلاشبہ اللہ کا کلام برحق ہے اسی خدا نے تورات، زبور اور انجیل بھی اتاری، امریکی سائنسدانوں نے یہ بھی کہا کہ تمام کتابوں کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر کتاب میں آخری رسول کریم ﷺ اور آخری کتاب قرآن پاک کا ذکر موجود ہے اور موت کے بعد جب انسان کی روح پرواز کر جاتی ہے تو جسم میں کئی گھنٹے تک جان موجود رہتی ہے مگر وہ بول اور حرکت نہیں کر سکتا لیکن اس کے مقابل یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ موت جتنی زیادہ یقینی ہے اتنی ہی لوگوں میں اس سے غفلت اور عدم توجہی پائی جاتی ہے۔ یہ غفلت ایمانی تقاضے کے بالکل برخلاف ہے۔ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ کثرت سے موت کو یاد کیا کریں اور جہاں تک ممکن ہو آخرت کی تیاری کے لیے ہر وقت فکرمند رہنا چاہیے۔ قرآن مجید کی سینکڑوں آیتوں میں موت، حشر اور جنت دوزخ کی تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے اور انبیاء کرام کی بعثت کا اہم ترین مقصد بھی یہ تھا کہ انسان کو اس کے اصلی اور دائمی وطن سے آگاہ کر کے وہاں کی دائمی نعمتوں کا اسے مستحق بنا دیا جائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو اس لیے کہ جو بھی اسے تنگی کے زمانہ میں یاد کرے گا تو اس پر وسعت ہوگی (یعنی اس کو طبعی سکون حاصل ہوگا کہ موت کی سختی کے مقابلہ میں ہر سختی آسان ہے) اور اگر عافیت اور خوشحالی میں موت کو یاد کرے گا تو یہ اس پر تنگی کا باعث ہوگا (یعنی موت کی یاد کی وجہ سے وہ خوشی کا زمانہ میں آخرت سے غافل ہو کر گناہوں کے ارتکاب سے بچا رہے گا) اس حدیث

Marfat.com

سے معلوم ہوا کہ موت کی یاد ہر حال میں نفع بخش ہے مصیبت کے وقت اس کو یاد کرنے سے ہر مصیبت آسان ہوجاتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں صبر کرنے والوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ اسی طرح جب خوشحالی اور عافیت کے وقت موت کو یاد کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے جن کا داعیہ عموماً خوشحالی کے زمانہ میں قوت کے ساتھ ابھرتا ہے اس لیے حدیث بالا میں موت کو لذت توڑنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول پاکؐ سے پوچھا گیا کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ان میں جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور موت کے بعد کے لیے جو سب سے عمدہ تیاری کرنے والا ہو۔ ایسے لوگ سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔ حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے جبکہ عاجز اور درماندہ آدمی وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہشات کا تابع بنائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے۔

عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے

بہر حال دانشمند، دور اندیش اور عقلمند وہی ہے جو ہمیشہ دائمی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہے۔ نفس اور شیطان انسان کو گناہوں پر آمادہ کرنے کے لیے اس چندروزہ زندگی پر مطمین کر کے آخرت کی لازوال زندگی ٹالتا رہتا ہے۔ نفس کی تین قسمیں ہیں۔ نفس آمارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔

Marfat.com

سلام

ایک مسنون عمل ☆ اسلام کا بنیادی شعار

یہ معاشرے میں امن وسلامتی کے فروغ کا اہم اور موثر ذریعہ ہے

لفظ اسلام عربی زبان کا مصدر ہے جو مصدری معنی ہونے کے علاوہ و معنی بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔اس کے متعدد معنی ہیں، امن وعافیت، برأت، متارکہ (ترک جنگ) یا صلح، میانہ روی واعتدال، پختہ قسم کی گفتگو، کمال یعنی کامل وسلم ہونا، بقا، نجات، صحت، دعا اور درودو، تبرک وتحیۃ یا کورنش اور ''بس'' اب ''بات ختم ہوئی'' کے معنی ہیں۔موثر الذکر معنی دراصل خط وکتابت کے انداز سے مرتب ہوئے (خط کے آخر میں لکھتے تھے ''والسلام'' اسی سے یہ معنی پیدا ہوئے کہ بس اب بات ختم ہوئی) عربی میں سلام کرنے یا نماز کے اختتام پر سلام کو ''تسلیمۃ'' کہتے ہیں۔قرآن مجید میں یہ لفظ 35 آیات میں تنکیر (سلام) اور تعریف (السلام) دونوں شکلوں میں مختلف معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ''السلام'' اللہ کے اسمائے حسنٰی میں سے اور اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جو باعث خیر وبرکت ہے۔اس کے معنی ہیں ''امن وسلامتی کا سر چشمہ یا ہر عیب ونقصان سے پاک''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 11)

تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ تمام قوموں اور گرہوں میں ملاقات کے شروع میں

Marfat.com

ایک دوسرے کو جذبہ خیر سگالی کا اظہار کرنے اور ایک دوسرے کو مسرور کرنے کے لیے مخصوص جملے ادا کیے جاتے تھے اظہار مسرت وشادمانی کا یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔قبل از اسلام عربوں میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے ہی خیر سگالی کے طور پر دعائیہ کلمہ ادا کرنے کا رواج تھا۔صحابی رسول ﷺ عمرانؓ بن حصین سے حدیث مروی ہے جیسے سنن ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ہم لوگ اسلام سے قبل آپس میں ملاقات کے وقت انعم اللہ بک عینا (اللہ آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) یا پھر ''انعم صباحا (آپ کی صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے تھے جب ہم لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو ان الفاظ کے ادا کرنے کی ممانعت کردی گئی۔اس کے بجائے ہمیں ''السلام علیکم'' کی تعلیم دی گئی۔(سنن ابوداؤد)۔

اسلام کا رواج دیگر اقوام اور ممالک میں ان کی ثقافت،تہذیب وتمدن،رسم ورواج اور زبان کے مطابق رائج ہے۔انگریزوں کے صبح،شام ورات کے سلام الگ الگ ہیں یعنی صبح کے وقت(Good Morning) صبح بخیر یا اچھی صبح،شام کے وقت (Good Evening)شام بخیر یا اچھی شام اور رات کے وقت(GoodNight)رات بخیر یا اچھی رات کہا جاتا ہے۔ہندو تہذیب میں ''نمستے'' یا ''رام رام'' ''پرنام'' کہا جاتا ہے۔لکھنو کی تہذیب میں ''آداب'' یا ''آداب عرض'' ''تسلیم'' یا ''تسلیمات'' بھی کہا جاتا ہے۔

اسلام کی ابتداء کے بارے میں صحیح بخاری میں حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مکمل طور پر ان کی صورت میں پیدا کیا۔جب (اللہ تعالیٰ) انہیں پیدا کر چکا تو فرمایا ''جاؤ ان فرشتوں کو جو بیٹھے ہوئے ہیں سلام کرو اور سنو کہ تمہارے سلام کا یہ کیا جواب دیتے ہیں۔کیوں کہ یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا'' حضرت آدم علیہ السلام نے (فرشتوں سے جا کر) کہا ''السلام علیکم''۔فرشتوں نے جواب ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ'' انہوں حضرت آدم علیہ السلام پر ''رحمتہ اللہ'' کا اضافہ کیا۔پس جو شخص بھی جنت میں جائے گا حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کے مطابق ہو کر جائے گا ''السلامُ علیکم'' ایک مکمل کلمہ ہے جس سے

Marfat.com

باہمی مسرت و تعلق، اکرام و خیر اندیشی کا سچا اظہار ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا دعائیہ کلمہ ہے جس کا مطلب ہے ''تم پر سلامتی ہو یا تم سلامت رہو''۔ احادیث میں السلامُ علیکم کے معنی ''اللہ تمہیں ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے'' بیان کیے گئے ہیں۔

سلام کا احسن طریقہ وہ ہے جو ہمیں احادیث سے ملتا ہے۔ اس سے آسان بہتر اور افضل کلمہ سلام کرنے کا کوئی اور نہیں۔ جب ایک شخص دوسرے سے کہے ''السلام ُ علیکم'' تم پر سلامتی ہو تو جواب میں ''وعلیکمُ السلام ورحمتہ اللہ'' (تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو) اگر کوئی السلامُ علیکم کے ساتھ رحمتہ اللہ کا اضافہ کرے اور کہے ''السلامُ علیکم ورحمتہ اللہ'' (تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو) تو جواب دینے والا وعلیکم السلام کے ساتھ ''وبرکاتہ'' (اور اللہ کی برکتیں بھی تم پر ہوں۔) کا اضافہ کرتے ہوئے اس طرح جواب دے۔ ''وعلیکمُ السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'' تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں بھی تم پر ہوں۔ علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے سلام کے جواب میں بہتر کلمے سے جواب دینے کی ہدایت کی ہے۔ سورۃ النساء میں ہے اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ سے ایک صحابی نے کہا ''السلامُ علیکم'' تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ'' اور جب ایک صحابی نے ''السلامُ علیکم ورحمتہ اللہ'' کہا تو آپ ﷺ نے جواب میں ''وعلیکمُ السلام ورحمتہ اللہ برکاتہ'' فرمایا۔ لیکن جب ایک شخص نے کہا ''السلامُ علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'' تو آپ ﷺ نے جواب میں صرف ''وعلیک'' فرمادیا۔ وہ شخص کلام مجید کی سورۃ النساء کی مذکورہ آیت پڑھنے کے بعد کہنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو مجھے ناقص جواب دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چوں کہ تم نے میرے لیے کوئی لفظ فضیلت باقی نہیں چھوڑا، اس لیے میں نے ویسے ہی جواب دے دیا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے۔ بہترین جواب سلام کا یہی الفاظ ہیں اس پر مزید اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی لفظ ''برکاتہ'' آخری حد ہے اس پر اضافہ نہ ہو اور مناسب یہی ہے کہ سلام ہمیشہ ضمیر جمع کے ساتھ ہو یعنی

Marfat.com

''علیک'' کی بجائے ''علیکم'' کہا جائے، خواہ مخاطب واحد ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ اس کے ساتھ ملائکہ (کراماً کاتبین) ہوتے ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

اسلام میں سلام کی فضیلت اور اہمیت مختلف احادیث مبارکہ سے واضح ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آنحضور ﷺ اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کون سی حالت (کون سا عمل) افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور (دوسرے) یہ کہ سلام کرو اسے بھی جسے تم پہچانتے ہو اور اسے بھی جسے تم نہیں پہچانتے''۔

سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کا اجر و ثواب احادیث مبارکہ سے واضح ہے۔ مالک دو جہاں نے اپنے نیک و صالح بندوں کے لیے ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت اپنی آخری امت کے لیے ہی رکھی ہے۔ سلام کرنے کے عوض نیکیوں کے بارے میں جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ''السلامُ علیکم'' آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اسے دس نیکیاں ملیں (یعنی اس بندے کے لیے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا ''السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ'' آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں (یعنی اس بندے کے لیے سلام کی وجہ سے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا ''السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے تیس نیکیاں ملیں (یعنی اس بندے کے لیے سلام کی وجہ سے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں)۔

حضور اکرم ﷺ کے حسن اخلاق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو کوئی بھی آپ ﷺ کے پاس

Marfat.com

آتا تو آپ ﷺ اسے سلام کرنے میں سبقت فرماتے اور آنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے" (مسند احمد جامع ترمذی، سنن ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے" (شعب الایمان)

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کون کس کو سلام کرے، یعنی سلام کرنے کے حسب ذیل اصول احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستے سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں" (صحیح بخاری) اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ چھوٹے اپنے بڑوں کو سلام میں پہل کریں۔ بڑوں پر لازم ہے کہ انہیں جب کوئی سلام کرے خوش اخلاقی سے سلام کا جواب دیں۔ اگر چھوٹے سلام کرنے میں پہل نہ کریں تو بڑوں کو چاہیے کہ وہ چھوٹوں کا سلام کرنے میں عار یا جھجک محسوس نہ کریں اور انہیں سلام کریں۔ حضور اکرم ﷺ جب بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو انہیں سلام کیا کرتے۔ کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ کسی بھی سواری پر سوار پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "سوار آدمی کو چاہیے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے"۔ تیز رفتار سواری والا سست رفتار سوار کو، راہ گیر راستے میں بیٹھے ہوئے شخص یا لوگوں کو سلام کریں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرلے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے دے تو سب کی طرف سے کافی ہے"۔ جب کوئی کسی محفل میں جائے یا چند لوگوں کے ہمراہ گزرے تو ان تمام لوگوں میں سے کسی ایک سلام کرنا کافی ہے۔ ساتھ ہی محفل میں موجود لوگوں میں سے کسی ایک کا جواب دے دینا کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ تمام لوگ سلام کریں اور محفل میں موجود تمام لوگ ہی

Marfat.com

سلام کا جواب دیں۔ تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کریں۔ سلام میں پہل کرنا زیادہ مستحسن ہے۔ رسول علیہ نے فرمایا "جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو سلام کر کے نکلو" (معارف الحدیث)۔ جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو داخل ہونے سے قبل اہل خانہ سے اجازت لو اور گھر والوں کو سلام کرنے میں پہل کرو۔ سلام کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین شخص وہ ہے جو سلام میں سبقت لے جائے۔ ہم اکثر کسی کے ذریعے اپنے کسی جاننے والے کو سلام کہلواتے ہیں۔ جب کوئی کسی کو سلام کہلائے تو سلام کہلانے والے کے سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ" کہنا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے "وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ" کہا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کا سلام لائے تو سلام بھیجنے والے اور لانے والے دونوں کو جواب میں شامل کیا جانا چاہیے۔ ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے والد آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا "**علیک وعلیٰ ابیکُ السلام**" تجھ پر اور تیرے والد پر سلام ہو (تفسیر القرطبی)۔ محرمات اور بیوی کو سلام کرنے کا حکم ہے مگر اجنبی عورت خواہ جوان ہو یا عمر رسیدہ اسے سلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی) قبرستان جانے والے اہل قبور کو سلام کریں۔ سلام کے الفاظ یہ بیان کیے گئے ہیں۔ "اے قبروں میں رہنے والو تمہیں ہمارا سلام پہنچے، بخشے اللہ ہم کو اور تمہیں اور تم آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے قدم پر (پیچھے آنے والے) ہیں"۔ اگر کوئی سلام کا جواب نہ دے تو اسے دوسری بار اور پھر تیسری بار سلام کرنا چاہیے لیکن اگر وہ پھر بھی نہ سنے تو خاموش ہو جائے اور پھر اس وقت سلام نہ کرے۔ سلام کرنا اسلام کی افضل ترین عبادت ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ سلام کے جو الفاظ احادیث مبارکہ میں آئے اور جن کا حکم دیا گیا ان کے بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرنے سے سلام نہیں ہوتا۔ مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ ہم سلام کے لیے ان احکامات اور ضابطوں پر سختی سے عمل کریں۔ سلام کا جواب انہی الفاظ میں دینا جو احادیث مبارکہ میں آئے اور ان کے بجائے دوسرے الفاظ کا استعمال کرنے سے جواب نہیں ہوتا۔ جواب کی افضل صورت "وعلیکم السلام

Marfat.com

''اس سے افضل صورت ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ'' اور افضل ترین صورت ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'' ہے سلام کرنا سنت اور اس کا جواب فرض ہے اس لیے جس طرح سنت کا تارک اتنا گناہ گار نہیں ہوتا جتنا تارک فرض، اسی طرح سنت ادا کرنے والا فرض کے ادا کرنے والے سے زیادہ اجر کا مستحق ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعض احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں بعض صورتوں میں سلام نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا۔ جب آپ ﷺ طہارت کی حالت بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اسی طرح خطبہ نماز، تلاوت، حمام اور رفع حاجت کے وقت سلام کا جواب واجب نہیں (جامع ترمذی)۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں بعض صورتوں میں احتیاط سے سلام کرنا چاہیے یعنی ہمارے سلام سے کسی سوئے ہوئے شخص کی آنکھ نہ کھل جائے، یا کسی کو بھی کسی بھی قسم کی اذیت نہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے (معارف الحدیث۔ حصہ ششم)

غیر مسلم اہل کتاب کے سلام کے جواب کے الفاظ کیا ہوں؟ بعض علما نے قرآن مجید کی سورۃ النساء کے الفاظ ''**اَوْرُدُّوْھَا**'' القرآن سورۃ النساء پارہ 5 ایت 85 (یا کم سے کم ویسا ہی جواب (سلام کا) دے دیا کرو) کی تشریح یہ بھی کی ہے ایک یہ کہ سلام کے جواب کا درجہ کم سے کم یہ ہے کہ سلام کرنے والے کے الفاظ کو ہی دہرایا جائے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس دسرے حصے سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اہل کتاب سلام کرے تو اس کے جواب میں اسی کے الفاظ دہرا دیے جائیں۔ چنانچہ یہود مدینہ کے سلام کا جواب دینے کے سلسلے میں رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے جواب میں صرف ''وعلیک'' کے لفظ پر اکتفا کیا جائے۔

مصافحہ کرنا، معانقہ (لپٹنا یا بغل گیر ہونا اور (تقبیل) چومنے کے بارے میں ہمیں مختلف احادیث ملتی ہیں۔ مصافحہ کرنا ہمارے معاشرے میں ایک عام رواج ہے۔ دراصل ملاقات

Marfat.com

کے وقت محبت ومسرت اور احترام وعقیدت کے اظہار کا ایک ذریعہ مصافحہ کرنا ہے۔ عام طور پر سلام کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی کیا جاتا ہے۔ مصافحہ دراصل تکمیل سلام ہے لیکن ضروری نہیں سلام کے الفاظ ادا کردینے سے بھی مقصد پورا ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''سلام کا تکملہ مصافحہ ہے'' ایک اور حدیث حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی'' (سنن ابوداؤد) عطا خراسانی تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم باہم مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ اس سے باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی''۔

(موطا امام مالک)

معانقہ (لپٹنا یا بغل گیر ہونا) یا تقبیل (چومنا) کی اجازت موقع محل کے اعتبار سے اور شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اس عمل کے پیچھے کسی بھی قسم کی منفی سوچ، لالچ، دنیا دکھاوا یا کسی مقصد کا حصول نہ ہو۔ آپ ﷺ نے معانقہ اور تقبیل سے منع فرمایا لیکن اکثر علمائے کرام کی رائے دیگر احادیث کی روشنی میں یہ ہے کہ اس عمل کا تعلق اس صورت سے ہے کہ معانقہ کرنے اور تقبیل کرنے میں کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ بعض احادیث میں خود رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ ملانے اور چومنے کے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ سنن ابوداؤد میں ایوب بن بشیر قبیلہ بنوعنزہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا ''کیا رسول اللہ ﷺ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا میں جب بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمات میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے ملا تو آپ ﷺ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ ایک بار آپ ﷺ نے مجھے گھر سے بلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا۔ جب میں گھر آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلوایا تھا تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ اپنے بستر پر آرام فرما تھے۔ آپ ﷺ بستر سے اٹھے اور مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگالیا اور آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب صورت تھا۔ (بہت دل کش اور بہت ہی مبارک تھا) امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابی طالب کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ ﷺ ان کو لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا" (سنن ابوداؤد، شعب الایمان للبیہقی) مندرجہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہے کہ محبت اور احترام کے جذبے سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

مصافحہ کیسے کیا جائے اور کون کس سے مصافحہ کرے؟ اس سلسلے میں علمائے کرام نے بہت واضح الفاظ میں وضاحت کی ہے کہ مردوں کو چاہیے کہ وہ مردوں سے مصافحہ معانقہ اور تقبیل کریں جب کہ خواتین صرف اور صرف خواتین سے ہی مصافحہ، معانقہ اور تقبیل کریں۔ عورتوں کو مردوں سے مصافحہ، معانقہ یا تقبیل سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمان جب مسلمان بھائی سے مصافحہ کریں تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں میں دیں، بسا اوقات ہم مصافحہ کے لیے صرف ایک ہاتھ بڑھا دیتے ہیں بعض لوگ تو محض دو انگلیاں ہی آگے بڑھاتے ہیں جو اس بات کی واضح علامت ہوتا ہے کہ ہاتھ ملانے والا ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ ایسا کرنے والے ثواب کے بجائے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں لہذا اس عمل سے بہتر ہے کہ زبان سے سلام کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے تا کہ ہم نے دوسرے مسلمان کو سلام کر کے ثواب کمایا اور سنت نبویؐ پر عمل کیا۔ بے زاری کے ساتھ ہاتھ ملا کر اپنے ثواب کو ضائع نہ ہونے دیں۔

Marfat.com

عفو ودرگزر کے پیکر، صلی اللہ علیہ وسلم

کاش ہم نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کو خضر راہ بنایا ہوتا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے پوری دنیا میں کفر وشرک کا رواج، جہالت کا غلبہ، ضلالت کا تسلط اور ظلم واستبداد کا دور دورہ تھا۔ قتل وغارت کا بازار گرم تھا۔ ایمان وعرفان کا بحران اور اخلاق حسنہ کا فقدان تھا۔ تکریم انسانیت معدوم، صداقت ناپید، عدل مفقود، خلوص عنقاء اور وفاداری نادر الوجود تھی، غرض یہ کہ انسان حیوان بن چکا تھا۔ انسانیت کی تذلیل آخری حد کو پہنچ چکی تھی، اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا تھا۔

اللہ نے انسانوں کی رشد وہدایت اور فلاح وبہبود کے لیے مختلف زمانوں میں انبیاء کرام اور صلحاء بھیجے، ان عظیم راہنماؤں نے ہدایت کی جو شمعیں روشن کیں وہ گل ہو چکی تھیں اور ساری دنیا جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکی تھی۔ دنیا کا ہر خطہ تاریکی کی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ روئے ارض پر کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو انسانیت کو سہارا دے سکے۔ انسان اللہ کو چھوڑ کر لاتعداد معبودوں میں گم ہو چکا تھا۔ کوئی خطہ ایسا نہ تھا جہاں انسانیت کے صحیح خدوخال دکھائی دیتے اور انسانی قدروں کی نشوونما کی کوئی صورت موجود ہو۔ انسانیت گندگی اور غلاظت میں رینگ رہی تھی۔ اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل گیا تھا۔ انسانیت سکون قلب سے محروم ہو چکی تھی۔ ایسے عالم میں ضرورت تھی کہ کوئی ایسا رہبر آئے جو نہ صرف انسانی اخلاق واقدار کا احیاء کرے بلکہ انہیں نئی جہتوں کے ساتھ متعارف کرائے، فروغ دے اور بام عروج پر پہنچا دے۔ اللہ نے انسانیت پر اپنا خاص لطف وکرم فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم

Marfat.com

اخلاق بنا کر مبعوث فرمایا۔آپ ﷺ کی ذات والا صفات نے نہ صرف انسانی اقدار کا احیاء کیا بلکہ انہیں ایک نیا اور جدید روپ ،مثالی رنگ منفرد جہت اور جداگانہ روح بخشی ،خوبی سے نکھارا ،بڑی عمدگی سے سنوارا اور اخلاقی اقدار کو بام عروج پر پہنچا دیا۔

اللہ تعالیٰ ،صاحب خلق عظیم ﷺ کے خلق کی مدح کرتے ہوئے یوں فرماتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ خلق کے انتہائی ارفع مقام پر فائز ہیں۔معلم اخلاق ﷺ نے اپنی بعثت کے مرکزی مقصد اور ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کو درجہ کمال تک پہنچا دوں۔ ذرا غور کیجئے جس الوالعزم ہستی کو عالم رنگ و بو میں اس لیے بھیجا گیا ہو کہ وہ اخلاقی مکارم ومحاسن کو نقطہ عروج پر پہنچا دے تو کیا رب العالمین نے ایسے جلیل القدر معلم ،مربی ،محسن اور مشفق کی ذات بابرکات میں اخلاقی محاسن و مکارم کے حوالے سے کوئی کمی رکھی ہوگی؟ ہرگز نہیں بلکہ اس حقیقت کو حضور ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس طرح بیان فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خلق کی تعلیم دی اور خلق کی اعلیٰ تعلیم دینے میں اکمل کر دیا۔سیدہ عائشہؓ سے جب پیکر اخلاق ﷺ کے خلق عظیم کے بارے میں استفسار کیا جاتا تو آپ نہایت مختصر مگر جامع جواب دیتیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن کریم ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن مکارم اخلاق اور اوصاف کو اپنانے کا حکم اور ترغیب دی ہے مرقع اخلاق جمیلہ ﷺ ان سے بدرجہ کمال متصف تھے اور جن باتوں اور کاموں سے احتراز کرنے اور دامن کش رہنے کی تلقین کی ان سے کامل مجتنب تھے۔آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ اور سیرت طیبہ کا ہر پہلو قرآن کریم سے پوری طرح ہم آہنگ اور کلی طور پر مطابقت وموافقت رکھتا ہے۔ جو سربسر ہے کلام ربی وہ میرے آقا ﷺ کی زندگی ہے۔صاحب لولاک ﷺ نے اپنے خلق عظیم ،حسن سیرت اور قابل رشک کردار سے صداقت وامانت ،عفوودرگزر ،رحم وکرم ،فیاضی وسخاوت ،احسان وایثار ،شرم وحیاء عدل وانصاف ،ہمت وشجاعت ،تواضع وانکساری ،فقروسادگی ،استغنا،خوداری ،تحمل وبردباری ،صلہ رحمی وہمدردی ،غیرت وحمیت ،انسان دوستی ،تکریم انسانیت ،ایفائے عہد ،غریب پروری ،

Marfat.com

یتیم کی خبر گری، حقوق کی پاس داری اور فرائض کی ادائیگی غرض تمام اخلاقی خوبیوں کو کمال پر پہنچا دیا۔ وہ مخالفین جنہوں نے پیکر خلق عظیم ﷺ کو اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا وہ بھی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور بلند کردار کی عظمت و برتری کو تسلیم کرتے اور آپ ﷺ کو صادق و امین کہتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی صداقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) ساحر، شاعر مجنون جیسے نازیبا الفاظ سے پکارتے مگر آپ ﷺ کو کاذب کہنے کی جرات نہیں کر سکتے اور کرتے بھی کیسے؟ انہوں نے کبھی آپ ﷺ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، ابو جہل کی عداوت سے کون واقف نہیں۔ مگر وہ بھی ایک روز حضور اقدس ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ ہم آپ کو کاذب نہیں کہتے۔ البتہ آپ کے دین کو سچا نہیں سمجھتے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ وہ آپ کو جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ بدر کے مقام پر اخنس بن شریک نے ابو جہل سے پوچھا، اے ابا الحکم! سچ بتا کہ محمد ﷺ صادق ہیں یا کاذب؟ ابو جہل نے آپ ﷺ کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا، خدا کی قسم محمد ﷺ امین اور صادق ہیں۔ آپ ﷺ نے جھوٹ کی تاریکی میں سچائی کے چراغ روشن کئے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ صداقت کا علم بلند رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا سچ بولنا نیکی کے راستے پر چلنا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے آدمی سچ بولتا جاتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کا راستہ بتاتا ہے اور بدکاری دوزخ میں لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ جھوٹ بولتے بولتے وہ خدا کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

جب تک مسلمان سچ کے علم بردار رہے دنیا کی امامت و قیادت ان کے پاس رہی اور جب سے اجتماعی طور پر سچ کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی ہے۔ اگر ہم آج اپنے اسلاف و اکابر کی طرح اجتماعی طور پر سچائی کو زندگی کا نصب العین بنالیں تو عظمت رفتہ پھر بحال ہو سکتی ہے اور امامت اور قیادت پھر مل سکتی ہے۔

حضور ﷺ کے عفو و کرم کا یہ مقام کہ کانٹے بچھانے والوں، پتھر برسانے والوں، گالیاں دینے

Marfat.com

والوں، خون کے پیاسوں اور ہر طرح کی اذیت پہنچانے والوں کو انتقام کی پوری قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود معاف فرمادیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر عفو وکرم کی کوئی اور مثال کیا پیش کی جاسکتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ تمام اعداء اور مجرمین ایک ایک کر کے فاتح مکہ ﷺ کے حضور حاضر ہیں۔ پوری طرح گرفت میں ہیں اور آپ سرکار ﷺ پورے وقار اور کامل جذبات تشکر کے ساتھ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ تمام مخالفین اپنے اپنے جرم وظلم کو یاد کر کے لرزہ براندام اور سر جھکائے انجام کے منتظر ہیں کہ اب انجام سے دوچار ہونے کے لیے آپ ﷺ کے اشارہ ءابرو کی دیر ہے لیکن ایسے عالم میں رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہوں؟ سب نے بیک زبان کہا، ہم آپ ﷺ سے کرم کی امید رکھتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی بات کہتا ہوں کہ جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پوری طرح گرفت میں پاکر کہی تھی کہ تم پر آج کے دن کوئی سرزنش اور مواخذہ نہیں، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے وہ سب سے بڑھ کر رحم وکرم کرنے والا ہے۔ ان کلمات طیبہ کے بعد پیکر عفو وکرم ﷺ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ عفو ودرگزر کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اجسام کو فتح کرنے والا قلوب واذہان کو بھی اپنے خلق عظیم سے مسخر اور فتح کر لیتا ہے سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ امن وآشتی کے پیغمبر ﷺ فتح مکہ کے موقع پر اعلان کرتے ہیں کہ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے امن ہے جو ہتھیار ڈال دے اس کے لیے امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے۔ آپ ﷺ نے اس وقت کے سب سے بڑے جانی دشمن کے گھر کو بھی جائے امان قرار دیا۔ اس عورت کو جس نے آپ ﷺ کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے کلیجے کو چبایا تھا، اسے بھی معاف فرمادیا اور اس وحشی جس نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسے بھی چھوڑ دیا وہ ہبار بن اسود جس نے آپ ﷺ کی صاحب زادی کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرادیا تھا جس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہوا تھا اور اس سانحہ کے باعث ان کا وصال بھی ہوا، اسے بھی رسول کونین ﷺ نے اپنے دامن

Marfat.com

رحمت میں پناہ دی اور وہ یہودی عورت جس نے خیبر کے موقع پر زہر آلود کھانا پیش کیا تھا، اسے بھی آپ ﷺ نے معاف فرما دیا۔ حضور ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں قدم قدم پر نہ صرف عفوودرگزر کا مظاہرہ فرمایا بلکہ اپنے ماننے والوں کو بار بار اس کی تلقین فرمائی۔ ایک موقع پر بطور خاص اس کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا اے لوگو ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو، اس سے تمہارا باہمی کینہ اور کدورت دور ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرے میں ایک دوسرے کو خلوص سے معاف کرنے کا عمل جاری ہو تو اس سے نہ صرف دلوں کی زمین سے نفرت کے خاردار جنگل کا خاتمہ ہوگا، بلکہ اس سے باہمی اخوت ومحبت کا گلشن مہکے گا۔

کاش ہم نے سرکار ﷺ کی مقدس تعلیمات کو خضر راہ بنایا ہوتا اور عفوودرگزر کو شعار بنایا ہوتا تو آج ہمارا معاشرہ جہنم زار نہ ہوتا بلکہ جنت کا گہوارہ ہوتا۔ اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ پیکر عدل وانصاف بھی تھے آپ ﷺ کا عدل ایسا تھا کہ تاریخ انسانی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے عدل کو اس کی روح اور اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ جاری فرمایا۔ آپ ﷺ نے طرز عمل سے عدل کا ایک ایسا معیار قائم کیا جو پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے آپ ﷺ کے عدالتی فیصلوں پر کوئی فرد اور کوئی قبیلہ اثر انداز نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ عدل سے عبارت ہے آج ہمارا معاشرہ جو انتہائی ٹوٹ پھوٹ اور فساد و بگاڑ کا شکار ہے اس کی بنیادی وجہ بلا امتیاز قیام عدل سے فرار ہے۔ یہاں طاقت ور اور دولت مند ہزار جرائم کے باوجود چھوٹ جاتا ہے اور کمزور معمولی لغزش پر سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسی حکومت کو دوام ملا ہے جس نے اپنی حکومت کو عدل وانصاف پر استوار کیا۔ عدل سے عاری حکومت کو کبھی بھی استحکام نصیب نہیں ہوا۔ معلم مساوات ﷺ کے دربار کا یہ عالم ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں، کسی گورے کو کالے پر کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں، وہاں کوئی طبقاتی نظام نہیں، ہم مسلمان انفرادی واجتماعی طور پر اخلاق مصطفی ﷺ کو اپنا لیں تو ہر شعبہ زندگی میں ایک مثالی انقلاب رونما ہو جائے۔

Marfat.com

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

قائدِ انقلاب

حضورؐ حقیقی قائد انقلاب تھے۔ انہوں نے دنیا کی تشکیل کا پرانا ڈھانچہ یکسر بدل دیا اور دنیا کو سب کچھ نیا دیا۔ حضورؐ نے دنیا کو ایک نیا نظام، نیا معاشرہ، نیا ضابطہ اور نیا انسان دیا۔ ایسا نیا انسان جو اللہ کی خوشنودی کا مظہر اور اس کی بندگی اور عبادت کی علامت ہے، جسے مسلمان کہتے ہیں اور جس کا نام ہی اطاعت الٰہی کا نشان ہے۔ ظلمتوں، تاریکیوں اور گمراہیوں سے بھری ہوئی دنیا میں سرور کائنات کا وجود ایک روشنی کا مینار ہے۔ انسانیت کا قافلہ مجبور ہے کہ راہ راست کی تلاش میں اس مینار سے روشنی کی بھیک طلب کرے۔ ہر چشم بصیرت کو غیر متمدن دنیا اپنی تمام کمزور خیالیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں گم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور نئی دنیا اور نیا نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پرانی دنیا کو حضورؐ نے اپنے تیئس سالہ جہاد زندگانی میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ علم و عقل کی روشنی میں دمادم مہذب اور متمدن ہونے والی دنیا کا افتتاح آپؐ نے فرمایا اور اسے ایک ایسا نظام عطا کیا جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ہر زمانے کی انسانی ضرورتوں کا کفیل ہے۔

دنیا میں کچھ لوگوں نے ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ ان کی یاد ذہن انسانی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے اور تاریخ نے ان کے کارناموں کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا ہے۔ بڑے بڑے سالاروں کی یلغاریں، بڑے بڑے فاتحین کی فتوحات، بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور دانائیاں، بڑے بڑے فلسفیوں کے فلسفے، بڑے بڑے عالموں کے علم و ادب کے ذخیرے اور بڑے بڑے سائنسدانوں کی ایجادات، وطن پرستوں کی جانفشانیاں اور قوم پرستوں کی

Marfat.com

قربانیاں تاریخ دامن میں سے نکل کر نسل انسانی کے سامنے آتی ہیں اور اپنے لیے تحسین وآفرین کے تحفے طلب کرتی ہیں لیکن اگر ان کے مجموعی کارناموں کو فلاح انسانیت کے عالمگیر ترازو میں رکھ کر تولا جائے تو ان کی بے وزنی اور بے وقعتی بہت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ بڑے بڑے آمروں، فاتحوں اور سالاروں نے زیادہ سے زیادہ بس یہی کیا کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو غلام بنایا۔ بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور داناؤں کی دانائیوں نے دنیا کے معاملات کی گتھیوں کو اور الجھا دیا لیکن سلجھا نہ سکے۔ بڑے بڑے فلاسفروں نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا کہ پہلودار الفاظ کے انبار لگائے اور انسانوں کے گروہوں کو شک وتذبذب میں گرفتار کر کے انہیں جھگڑنے کے لیے چھوڑ دیا۔ بڑے بڑے ضیاع کاریگر اور سائنسدانوں نے جس قدر انسانیت کو سہولتیں مہیا کیں ان سے زیادہ ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بن گئے جن لوگوں کو دنیا پر انکشافات جدید کے ذریعے احسان کرنے کا دعویٰ ہے ان کے جبڑوں سے بھی زخمی انسانیت کا خون ٹپک رہا ہے۔ مغرب کی جو تہذیب بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ وجود میں آئی اس نے انسان کو تباہ کرنے کے لیے اپنی تجربہ گاہوں کی ہر تجرباتی نلکی کو وقف کر دیا اور اسے موت کے انجکشن دینے کی فکر میں دن رات ایک کر دیے۔ علم ودانش کے یہ سارے مدعی انسانیت کی آہوں اور فریادوں کے سوا اور کچھ حاصل نہ کر سکے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی نے بھی فلاح انسانیت کا کوئی عالمگیر پروگرام پیش نہیں کیا۔ اپنی صفات کے لحاظ سے وہ سب ایک طرفہ اور جانبدار نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی معاشیات میں الجھ گیا ہے تو انسانی زندگی کے دوسرے تمام شعبوں کو نظر انداز کر گیا ہے۔ کسی نے سیاست کو لیا ہے تو معاشرت اس کی نظروں سے اوجھل ہے کوئی اجتماعیات کا ماہر ہے تو انسانی انفرادیت سے قطعی بے بہرہ ہے۔ غرض ان سب کو حالات زمانہ اور تقاضائے وقت نے پیدا کیا۔ انہوں نے خود حالات کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں ڈھالا بلکہ جب مخصوص حالات پیدا ہو گئے تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان حالات سے فائدہ اٹھایا۔ انہیں ہم تاریخ کی پیداوار (Creatures of History) کہہ سکتے ہیں لیکن حضورؐ تشریف لائے تو حالات کا تقاضا وہ نہ تھا جو آپؐ نے پورا کیا۔ آپؐ نے حالات کو خود پیدا کیا، خود اپنے کام کے آدمی تیار کیے۔ خود ان آدمیوں سے مخصوص اصولوں کی علمبرداری کا

Marfat.com

کام لیا اور خود ہی تاریکی کے پردوں کو پھاڑ کر ان میں سے صبح انسانیت کو طلوع کیا۔ انہوں نے خود تاریخ کو بنا دیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا۔

مشرق بعید کے تمام مذاہب کے قدیم بانیوں نے انسان کے لیے ترک دنیا کو مکتی کا ذریعہ بنایا۔ یہ زندگی کے مسائل کا حل نہ تھا بلکہ ان سے فرار تھا۔ انبیاء کرام جو دنیا میں وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے انکا پیغام ہدایت بھی انہیں مخصوص قوموں کے لیے رہا جن کی طرف وہ مبعوث ہو کر آئے۔ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ ہر ایک نے اپنے انداز میں گم کردہ لوگوں کو مخاطب کیا۔ **یقوم اعبدو الله**

''اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو''

ہر نبی، ہر داعی حق نے ہر زمانے میں اسی طرح خطاب کیا اور ان ہی لوگوں کو مخاطب کیا جوان کے گرد ان کی قوم یا قبیلے کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے لیکن سرور کائنات ﷺ نے دنیا کے تمام انسانوں کو بیک وقت مخاطب کیا جوان کے گرد ان کی قوم یا قبیلے کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے لیکن سرور کائنات دنیا کے تمام انسانوں کو بیک وقت مخاطب کیا۔ ان کو بھی جن تک آواز پہنچی، ان کو بھی جو ان سے براہ راست مخاطب ہوئے اور ان کو بھی جو اس دنیا میں قیامت تک آدم کی نسل سے پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ ان کے خطاب اور ان کے پیغام کے تمام انسان مساوی طور پر مخاطب ہیں۔ **یا ایھا الناس** ''اے لوگو''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کا پیغام نسل انسانی کے ہر فرد کے لیے ہے چاہیے وہ زمین کے مغربی گوشے میں پیدا ہو یا مشرقی گوشے میں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب نبی کو دنیا میں بھیجتے ہوئے یہی پیغام دیا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو خدا سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

''ہم نے تم کو دنیا کے آگے حق کی گواہی دینے والا سعادت انسانیت کی خوشخبری دینے والا اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو بلانے والا اور دنیا کی تاریکیوں کے لیے ایک چراغ نورانی بنا کر بھیجا''

دوسری جگہ فرمایا ''کیا ہی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ قوموں کو اور ملکوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کے لیے ڈرانے والا ہے

Marfat.com

''۔ چنانچہ حضور ﷺ کا پیغام زمان و مکان کی حد بندیوں سے بالا ہے اور وہ ہر زمانے اور ہر نسل کے انسانوں کو بیک وقت ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔

ساری دنیا کے لیڈر کے لیے جن صفات کا بنیادی طور پر ہونا ضروری ہے وہ چار قرار دی جا سکتی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ کسی خاص قوم، نسل، خاندان، رنگ یا طبقے کی سربلندی کے لیے نہ اٹھا ہو بلکہ مجموعی طور پر دنیا کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے اس نے کام کیا ہو۔ اس لیے کہ کسی مخصوص قوم یا ملک یا نسل کی سربلندی چاہنے والا شخص اس کے اپنے لوگوں کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے قابل تقلید نہیں ہو سکتا۔ جو شخص چین کے لیے ساری خیر خواہی کا جذبہ لے کر اٹھا ہو اس کی ذات سے ہم پاکستانیوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اسے اپنا لیڈر تسلیم کریں بلکہ اگر وہ چین کے باشندوں کی ترقی کے لیے ہمیں گرانا چاہتا ہو تو ہمیں اس سے نفرت ہو گی۔ اس لیے تمام قوموں کے انسان تو ایک شخص کو اسی صورت میں اپنا لیڈر مان سکتے ہیں کہ وہ کسی قوم کے فرد کو کسی دوسری قوم کے فرد پر کوئی ترجیح نہ دے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اس لیڈر نے ایسے اصول پیش کیے ہوں جو دنیا کے تمام انسانوں کی نسل، قوم، رنگ اور ملک کی عصبیت سے بالاتر ہو کر رہنمائی کرتے ہوں اور ان کی فلاح کا طریقہ بتاتے ہوں۔

تیسرے یہ کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ اس کا بتایا ہوا راستہ ہر زمانے کے انسانوں کے لیے مفید ترین راستہ ہو۔ اس لیے کہ جو لیڈر زمانے کی گردش کے ساتھ از کار رفتہ ہو جانے والا ہو وہ دنیا کا ہادی کہا نہیں جا سکتا۔ دنیا کا ہادی وہی ہو سکتا ہے جس کی رہنمائی رہتی دنیا تک کار آمد ہو۔

چوتھے یہ کہ اس نے جو اصول پیش کئے ہوں وہ محض کسی فلسفی کا فلسفہ نہ ہوں بلکہ ان اصولوں پر اس نے حرف بہ حرف عمل کر کے بھی دکھایا ہو۔ اس لیے کہ محض اصول پیش کر دینے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر تو ہو سکتا ہے لیکن ایک راہنما اور ہادی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ شرائط ہیں جنہیں پورا کیے بغیر کسی انسان کو ساری دنیا اپنا لیڈر تسلیم نہیں کر سکتی۔

جب ہم یہ شرائط لے کر تاریخ کا دامن کھنگالتے ہیں اور دنیا کے تمام رہنماؤں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں حضور ﷺ کے سوا اور کوئی انسان ایسا نظر نہیں آتا جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو۔

Marfat.com

حضورؐ کی زندگی پر سرسری طور پر بھی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی خاندان یا قوم یا نسل یا طبقے یا گروہ اور ملک کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر تھے۔ ان کی زندگی میں کوئی شائبہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے معلوم ہو کہ انہیں کسی خاص قوم یا خدان یا گروہ سے دلچسپی تھی انہوں نے قومی، ملی، خاندانی یا نسلی بڑائی، چھوٹائی کے تمام معیار توڑ کر تمام بنی نوع انسان کے سامنے ایک ہی معیار رکھ دیا۔ ''جو تم میں پرہیزگار ہے اللہ کے نزدیک وہ معزز ہے''

اس پیمانے پر دنیا کے ہر خطے کا انسان اپنے آپ کو جانچ سکتا ہے اور جس کا وزن اس میں زیادہ نکلے وہی معزز ہے چاہیے وہ حبش کے بلالؓ ہوں یا روم کے صہیبؓ ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے انسانوں میں بڑائی چھوٹائی کے وہ پیمانے مقرر کئے جن کا تعلق انسان کے جغرافیائی یا نسلی وجود سے نہیں بلکہ اخلاقی وجود سے ہے اور ان میں مساوات انسانی درجہ اول کا اصول ہے۔

فرمایا ''اللہ کی ناراضگی سے بچو جو خدا کے غضب سے ڈرتا ہے اور پورا پورا کامیاب ہوا''۔ ''پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے''۔ پھر فرمایا ''جاہلیت کے تمام مفاخر بند کیے جاتے ہیں''، نسل کی حد بندیاں ختم کرتے ہوئے فرمایا ''پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بناء پر ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت نہیں سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے''

پھر فرمایا ''اے لوگو نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے''

قرآن پاک میں فرمایا گیا ''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تا کہ تم آپس میں پہچانے جاؤ مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو پرہیزگار ہے''

حضور ﷺ نے فرمایا ''جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں''

اس طرح مکان و زبان اور قوم و وطن کی تمام حد بندیاں توڑ کر دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا اور عالمی برادری بنانے کی دعوت دی گئی۔ پھر حضورؐ نے اپنی ساری قوت ان اصولوں کو نافذ کرنے میں صرف کر دی جو انسان کی فلاح کے بنیادی پتھر ہیں۔ کائنات کا نظام جس کا

Marfat.com

اصول پر قائم ہے اسی اصول پر انسانی زندگی کا سارا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی جدوجہد میں حضورؐ نے زمانے بھر کی مصیبتیں سہیں۔ طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے، جلاوطنی قبول کی۔ قوم نے جینا مشکل کر دیا، لالچ دیئے دھمکیاں دیں، نظر بند کیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دو تو بھی میں اسلام سے باز نہ آؤں گا۔ آپؐ کے قتل کی سازشیں ہوئیں لیکن آپؐ نے جس اصولوں کی حقانیت کا نعرہ لگایا تھا اور جس راہ کی طرف دنیا کو بلایا تھا اس پر قائم رہے یہاں تک کہ فلاح انسانیت کے ان عالمگیر اصولوں کی جڑیں قیامت تک کے لیے زمین میں گہری جما دیں۔ پھر آپ ﷺ نے 23 سال کی مختصر سی جدوجہد میں وہ سوسائٹی قائم کر کے دکھا دی جس کا خواب انہوں نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ جس خواب کو پریشان کرنے کے لیے مشرکین اور دشمن اپنے سارے ہتھیار لے کر نکل آئے تھے۔ وہ ایک واقعہ کی صورت میں عالم وجود میں آگیا اور عالمگیر بین الانسانی بنیادوں پر جس معاشرے کی تاسیس حضور ﷺ کے پیش نظر تھی وہ جاہلیت کے پردوں کو پھاڑ کر دنیا کے مطلع پر پہلی بار طلوع ہوا۔ اس میں حبش کے بلالؓ، ایران کے سلمانؓ، فارس کے باذانؓ اور روم کے صہیبؓ بھی شامل تھے۔ اس معاشرے میں غلام آقا بن گئے، جو ہمیشہ سے پست چلے آتے تھے وہ بلند ہو گئے، جن کا کام صرف اطاعت کرنا تھا وہ فوجوں کے سالار ہو گئے اور جو حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ان کے اعزاز پر بڑے بڑے معززین کو بھی رشک آنے لگا۔

یہ معاشرہ خالص خدا کی بندگی کے اصولوں پر تعمیر ہوا جس میں داخلے کی فیس صرف لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تھی اس طرح دنیا کے ہادی نے ایک نئی دنیا تعمیر کی اور اسے ایک نیا نظام اخلاق دیا، نیا نظام تعلیم، نیا نظام تمدن، نیا نظام معاشرت اور معیشت اور نیا نظام حکومت دیا اور ساری دنیا کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا کہ پاکیزہ اصولوں پر ایک صالح نظام کس طرح تعمیر ہو سکتا ہے اور وہ دنیا کی کتنی رحمت و برکت سے بھر سکتا ہے۔ درحقیقت حضورؐ نے دنیا کو ایک نیا انسان دیا۔ انسان کو بدل دینا ہی حقیقی انقلاب ہے۔

پھر جو گروہ حضورؐ نے ان نئے انسانوں پر مشتمل تیار کیا وہ صرف ان عالمگیر اصولوں کی بنیادوں پر ہی تیار کیا گیا۔ اس کا تعلق نسل انسانی کے کسی خاص طبقے سے نہ تھا یا جغرافیائی حدود کی کسی

Marfat.com

خاص حد بندی سے نہ تھا بلکہ وہ پوری دنیا کے انسانوں میں سے ایک اصول کے ترازو میں تول اور چھانٹ کر نکالے گئے اور ساری دنیا کی فلاح کے لیے انہیں مامور کیا گیا تھا۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

اس طرح جو جماعت حضورؐ نے تیار کی وہ تمام نوع انسان میں سے چھانٹی گئی جس کے چھانٹنے اور برپا کرنے کا مقصد وہی تھا جو حضور اکرمؐ نے متعین کیا کہ وہ بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ پر ایمان لائیں۔ چنانچہ ہر اس گروہ کو جو ان اصولوں پر منظم ہو بھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو حضورؐ نے اختیار کر کے دکھایا، ہر غیر الٰہی حکم سے بغاوت ہر غیر الٰہی اطاعت سے انکار، خدا کے ہر باغی اقتدار کی نفی اور خدا کے مکمل اقتدار اور قانون کے نفاذ کے لیے مسلسل جدوجہد، چاہے اس جدوجہد میں کتنے ہی اُحد اور کتنے ہی حنین سامنے آئیں۔ چاہیے اس کی راہ روکنے کے لیے اپنے ہی بھائی بیٹے اور عزیز نہ آجائیں۔ اس راہ کی ہر رکاوٹ کو حضرت عمرؓ کی تلوار سے ہٹانا ہوگا۔

اس دور میں اس ''اخرجت للناس'' کے مخاطب آج کے مسلمان ہیں۔ ہم ہی تک حضورؐ نے اپنا پیغام پہنچا دینے کا حکم دیا تھا اور پہنچانے والوں نے پہنچا دیا۔ آج ہمیں ہی دنیا کو معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے لیکن اگر ہمارے ہاتھوں سے معروف دبے اور مکر پھلے پھولے تو پھر ہمیں اپنے آپ کو ہادی برحق کے پیرو کہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آج حضور ﷺ کا اسوہ اور آپ ﷺ کا پیغام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر ہم انہیں دنیا کا آخری ہادی مانتے ہیں اور آپؐ کے لائے ہوئے قانون کو ہر زمانے میں دکھی انسانیت کا واحد علاج سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں اس قانون کے نفاذ کے لیے اپنی زندگی کی ہر قوت صرف کر دینی چاہیے۔ چاہیے اس کے لیے ہمیں قید و بند کے مصائب اور دار و رسن کی سختیاں بھی کیوں نہ سہنی پڑیں۔ جو لوگ رسول ﷺ کی پیروی کا یہ حق ادا کریں حقیقت میں انہی کو مسلمان ہونا زیب دیتا ہے اور حضور ﷺ کی پوری پوری پیروی کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت سربراہِ ملت

سرور دو عالم فخر موجودات سرور کونین ختم الرسل حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات پاک ہر مسلمان کے لیے نمونہ عمل ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ہر قدم پر ہر شعبہ زندگی میں سرکار کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضورؐ دنیا میں آخری پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی و عملی کمالات کے جامع اور انسان کامل کا ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ نے امت کو عقائد و عبادات ہی کی ہدایت نہیں فرمائی، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں وہ حکمت آفریں ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس کے بعد ہمیں رہنمائی کے لیے کسی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ اگر دنیا اس حکیمانہ نمونہ فکر و عقل کو اپنا لے تو جس اضطراب اور انتشار میں وہ آج پھنسی ہوئی ہے اس میں مبتلا نہ ہو۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ جس طرح ایک مشفق باپ اور ایک محبت کرنے والے شوہر ہیں اسی طرح ایک امت کے حاکم اور سربراہ ہیں۔ جس طرح آپؐ نے مخلوق کو خالق کا بندہ بنانے میں ایک منفرد مثال قائم فرمائی ہے، اسی طرح خدا کے بندوں کو باہم جوڑنے، ان کے آپس کے معاملات منصفانہ بنیاد پر استوار کرنے اور ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے ایک مستحکم نظام دنیا کو بخشنے میں جو کردار ادا کیا ہے، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ایک امیر یا ایک سربراہ ملت کی حیثیت سے بھی حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے روشنی کا ایک مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے۔ حضورؐ نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے۔ قسم ہے اللہ کی اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو

Marfat.com

اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں'' غور فرمایا آپ نے، حضورﷺ نے کس خوبی سے نکتہ بیان فرما دیا کہ جرم اور غلطی ہر حال میں قابل سزا ہیں اور اس معاملے میں کسی امتیاز اور کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ جرم کرنے والا کوئی ہو کسی طبقے کا فرد ہو، کسی خاندان کا رکن ہو، کیسا ہی بااثر ہو، کیسا ہی دولت مند ہو اگر قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو قانون اور انصاف کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اس طرح حضورﷺ نے معاشرے کو انصاف اور عدل و مساوات کی وہ بنیاد عطا کر دی جو ایک مستحکم اور پر امن معاشرے کی ضامن ہے۔

تاریخ شاہد ہے اور حال بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں کہ بادشاہ اور مطلق العنان آمر اپنی حکومت و جبروت کا سکہ جمانے اور اپنی ہیبت دلوں میں بٹھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے سامنے آ کر اچھے اچھے سرغنے کانپنے لگتے ہیں۔ اپنا رعب جمانے کے لیے یہ بادشاہ اور حکمران اپنے اردگرد وہ اسباب اور وہ ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جن سے دیکھنے والا لرزہ براندام ہو جائے لیکن ہمارے سرکارؐ ان تمام ظاہری لوازم اور اسباب سے بے نیاز تھے۔ سارے عرب کی حکومت آپؐ کے قدموں میں تھی، لیکن پھٹا بوریا آپؐ کا ''اسباب راحت تھا'' عظیم المرتبت حکمران اور بادشاہ آپ کی ملت کے زیر نگیں تھے ،لیکن سرکار کی بے سروسامانی ہی آپ کی ہیبت اور عظمت و جلال کا ذریعہ تھی۔ ایک آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپؐ کے رعب سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ آپؐ اس کیفیت سے خوش ہونا تو کجا الٹا اسے دلاسہ دیتے ہیں اور اس کے دل سے ہیبت دور کرنے کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں وہ انسانی عظمت کا عدیم النظیر چارٹر ہے اور حریت پسندوں اور مساوات کے بڑے بڑے دعوے داروں کے لیے سبق آموز۔ آپؐ فرماتے ہیں ''ڈرو نہیں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی '' آپؐ نے ان چند لفظوں میں وہ معیار شرف و مجد بیان کر دیا جو تاریخ انسانی کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اور کسی قوم کا بڑے سے بڑا سربراہ نہ کر سکا۔ انسانی عظمت کردار میں پوشیدہ ہے، اخلاق میں مظہر ہے، علم پر منحصر ہے، خدمت میں خفیہ ہے، عہدہ اور دولت عزت و شرف کا معیار نہیں ہے۔

ایک سربراہ کے لیے دلنواز سخن ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے محبت سے کام لے، ان کو

Marfat.com

کمتر نہ سمجھے اور ان کی عزت بڑھائے۔ حضورؐ اپنے معمولی سے معمولی ماتحتوں کے ساتھ برابر سے کام کرتے۔ ایک بار حضورؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے اور سفر کے دوران ساتھیوں کو بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صاحب نے کہا یارسول اللہؐ میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اس کا گوشت تیار کروں گا۔ تیسرے صاحب نے اس کو پکانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ سربراہ امت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اور جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا''۔

اصحاب رسولؐ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم جو حاضر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''ٹھیک ہے، مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں امتیاز کے ساتھ الگ بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا ہے کہ کوئی شخص اپنے رفیقوں میں ممتاز بننے کی کوشش کرے'' سردار ملت کی ایک ضروری خاصیت اس کی دل سوزی اور ہمدردی بھی ہے۔ حضورؐ اس خلوص میں بھی بے مثال تھے۔ لوگوں کے دکھ درد کا بے حد خیال رکھتے تھے آپؐ نے اللہ کے عذاب سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے کام آنے کا بتایا ہے۔ مشورہ ایک سربراہ ملت کے لیے مفید ہی نہیں لازمی ہے۔ حضورؐ نے نہ صرف مشورے کا حکم دیا ہے، بلکہ اس عمل بھی فرماتے تھے، خصوصاً اجتماعی معاملات مشورے کے بغیر کبھی طے نہ فرماتے۔

خطیب بغدادی حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے متعلق قرآن حکیم میں کچھ اترا ہوا ور نہ آپؐ سے کوئی بات سنی گئی ہو تو ہم کیا کریں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملے کو مشورے کے لیے سامنے رکھ دو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو''۔ خود حضور ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ ''**شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ**'' (آل عمران 159) کی پوری طرح تعمیل فرماتے اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے امور ملت وحکومت کے فیصلے فرماتے۔

حضورؐ اس امر کا بھی لحاظ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات اور انتظام کی باگ ڈور سونپی جائے وہ اپنے اخلاق اور اہلیت کے علاوہ عوام الناس کے اعتماد کے بھی اہل ہوں اور لوگ ان کو پسند کرتے ہوں، دوسرے الفاظ میں عوام مقبولیت بھی پیش نظر رہتی تھی۔

Marfat.com

حضورؐ کا ارشاد ہے ''تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو''۔ غرض مختصر! یہی کہا جاسکتا ہے کہ تدبر، مشاورت، عدل، دل نوازی، دل سوزی، سادگی، خدمت، ہمدردی اور ہر مقبولیت و نامقبولیت کا دارومدار ہے۔ اعمال ہی انسان کو بام وعروج پر لے جاتے ہیں اور اعمال ہی اس کو ذلت وتباہی کے گڑھے میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کی اکثریت حسن عمل کی سرمایہ دار ہوتی تو وہ قوم ترقی وعروج کی بلندیوں کو چھولے گی اور جس قوم کے افراد حسن عمل سے محروم ہوں گے وہ قوم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جائے گی۔ یہ وہ بات ہے جس کو علوم عمرانی کے ماہر بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی گواہی میں تاریخ کے اوراق بھی صف باندھے کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستور حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظام اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا اور مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یقین ہے ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلامی نظام عمل میں جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل ومفصل ہدایات موجود ہیں اور ایک نمونہ کامل محفوظ ہے وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی گوشوں کو بھی ہدایات کی روشنی سے منور کردیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کو خوش گوار اور کامیاب بنانے کے لیے بڑی کارآمد اور کارگر ہیں۔ ہادی حق کا فرمان ہے کہ ''مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی''۔ (مسلم وترمذی)

اخلاق کا تعلق پوری زندگی اور زندگی کی تمام سرگرمیوں سے ہے، لیکن ہم اس وقت اخلاق کے صرف اس پہلو کو پیش کررہے ہیں جس کو عرف عام میں خوش اخلاقی یا خوش خلقی کہتے ہیں اور اس کا تعلق دوسروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ہوتا ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرے تو خوش اسلوبی سے کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو بکری کو گرا کر اس کے چہرے پر اپنا

Marfat.com

پیر رکھے ہوئے چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اس کے اس عمل کو دیکھ رہی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا ''کیا یہ بکری ذبح کرنے سے پہلے نہ مرجائے گی؟ کیا تم اس کو دوہری موت دینا چاہتے ہو؟'' یہ حضورؐ کی تلقین تھی حسن سلوک کے لیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن سلوک کی اہمیت زندگی میں کس قدر ہے اور حضورؐ نے جو طرز زندگی اپنی امت کو سکھایا ہے اس میں اچھے برتاؤ اور خوش خلقی کو کتنا اہم مقام حاصل ہے۔ حسن سلوک ایسی چیز ہے جس کا اظہار ہر وقت، ہر موقع، ہر شخص سے ہوسکتا ہے۔ روزانہ صبح سے شام تک سینکڑوں آدمیوں سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے، کسی سے سرسری ملاقات ہوتی ہے اور کسی سے تفصیلی گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا ہے، کسی سے صرف سلام دعا ہی تک بات پہنچتی ہے لیکن اب سب میں آپ کا طرز عمل اور برتاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ اچھا برتاؤ ہوگا تو وہ بھی نمایاں ہوگا اور اپنے اثرات چھوڑے گا، برا سلوک ہوگا تو اس کا اظہار بھی ہو کر رہے گا اور اس کے نتائج بھی نمایاں ہوں گے۔ چلتے چلتے محض اسلام کرنے اور مزاج پوچھنے کے انداز ہی سے مخاطب کے ساتھ آپ کے رویئے اور سلوک کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ مسکراتا ہوا چہرہ حسن اخلاق کا بہترین مظہر ہے۔ کسی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر بشاشت کا آجانا اس سے آپ کی توجہ اور اس سے آپ کے تعلق خاطر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور یہ حسن سلوک ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کے ملنے سے آپ کو خوشی ہوئی۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''اپنے بھائی کے لیے مسکرادینا بھی صدقہ ہے'' بتایئے انسانیت کا اس سے زیادہ پاس کس کو ہوگا اور انسانی نفسیات کا لحاظ اس سے زیادہ کس مصلح، کس رہنما نے رکھا ہوگا۔ باہم اخوت ومحبت اور یگانگت کے ایسے نکتے آپ کو کہاں ملیں گے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور اکثر دوررس نتائج پیدا کرتی ہیں۔ تعلقات بنانے اور بگاڑنے، رشتوں کو توڑنے اور جوڑنے میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بڑا دخل ہوتا ہے، بلکہ اکثر اہم باتوں کے مقابلے میں چھوٹی باتیں ہی انسانی تعلقات پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ حسن سلوک انسان کو وہ طاقت اور وہ کشش عطا کرتا ہے جس سے وہ دلوں کو مسخر کرلیتا ہے اور انسان کی سچی خدمت انجام دیتا ہے۔ ایک میٹھا بول بعض وقت مایوس ودل شکستہ انسان کو ولولہ تازہ عطا کرتا ہے۔ ہمت افزائی کا ایک جملہ حوصلوں کو بلند اور عزائم کو جوان کردیتا ہے۔ یہ سب حسن سلوک کے کرشمے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی اگر اس نعمت

Marfat.com

سے محروم ہے تو سمجھئے کہ وہ انسانیت کے حقیقی جوہر سے محروم ہے اور سچی خوشی اس کے پاس کبھی نہیں پھٹکے گی۔

انسان جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا طرز عمل اور برتاؤ شائستہ اور شریفانہ ہوگا۔ بڑائی کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ حسن سلوک کی دولت سے مالا مال ہوں۔ انسانی تمدن کی یہ خصوصیت ہے کہ بڑے اور چھوٹے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں کا تعاون درکار ہے اور چھوٹوں کو بڑوں کی مدد مطلوب ہوتی ہے۔ تمدن کی گاڑی دونوں پہیوں سے چلتی ہے۔ اس طرح انسان کو اپنے معاشرے کے مختلف افراد سے ملنا جلنا اور ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ پڑوسی کی مثال لیجئے۔ آپ کتنے ہی امیر ہوں اور آپ کا پڑوسی کتنا ہی غریب اور بے سہارا ہو، بہر حال وہ آپ کے قریب ہے، آپ کو اس کی خوشی اور اس کو آپ کی تکلیف کا سب سے پہلے علم ہوگا اور آپ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں سب سے پہلے شریک ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ اچھے پڑوسی نہیں ہیں اور اچھے پڑوسی نہیں تو اچھے انسان بھی نہیں ہو سکتے۔ آپ کے حسن سلوک کا سب سے پہلا مستحق آپ کا پڑوسی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس نکتے کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

''اگر تیرے ہمسائے تجھے اچھا کہتے ہیں تو تو واقعی اچھا ہے۔ اگر تیرے بارے میں تیرے ہمسائے کی رائے خراب ہے تو تو ایک برا آدمی ہے'' (بخاری)

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا ہر کام اس طرح ہو کہ اس سے معلوم ہو کہ یہ مومن کا کام ہے اور مومن و غیر مومن کا فرق ظاہر ہو۔ حتیٰ کہ اگر ایک مومن کسی کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹائے تو اس عمل سے بھی اندازہ ہو جائے کہ یہ ایک ایسا فرد ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اپنے ہر عمل میں اس کے احکام کا خیال رکھتا ہے۔ ایک مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کا مظہر اور عکس ہوتا ہے اور ایک کافر کا عمل اس کے کفر کا آئینہ۔ دین کا فرق اور طرز زندگی کا فرق انسانوں کے کردار، برتاؤ اور اخلاق میں منعکس ہوتا ہے۔ حسینیت اور یزیدیت زندگی کے ہر شعبے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کی شہادت دیتا ہے۔ طرز حیات اور طریق عمل سے انسانوں اور انسانوں کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی فکر اپنانے کی ضرورت

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد کفر وشرک میں مبتلا بنی نوع انسان کو توحید ورسالت کا علمبردار بنانا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب معاشرہ مختلف النوع ضلالتوں میں مبتلا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہیئت ترکیبی تبدیل کرنے کی خاطر بتدریج فکری انقلاب پیدا کیا۔ یہ انقلاب اس معاشرے کے نادار اور پسے ہوئے طبقات کو استحصالی قوتوں کے خلاف صف آراء کرنے لگا تو صدیوں سے پنجے گاڑے باطل نظام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدومد سے مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی معاشرے میں ظلم واستحصال حد سے گزر جاتا ہے تو وہاں کے کمزور اور بے اختیار لوگوں کو طاقت اور اختیار بخش دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ القصص کی مندرجہ ذیل آیات اسی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

''اور ہم نے چاہا کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں زمین میں کمزور کر کے رکھ دیا گیا تھا اور بنادیں انہیں پیشوا اور انہیں زمین میں اقتدار بخشیں اور ان کی جانب سے فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھادیں جس کا انہیں اندیشہ لگا رہتا تھا۔'' (آیات نمبر 6-5)

اگر چہ ان آیات میں مصر میں فرعون کی سلطنت کا ذکر ہے تاہم ان سے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار، رب ذوالجلال کی طرف سے ان پر رحم کیا جانا اور انہیں آزاد مملکت عطا کئے جانے سے بھی استنباط کیا جاسکتا ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیضان قرار دیا تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے بھی تحریک

Marfat.com

قیام پاکستان کے دوران ''پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔لا الہ الا اللہ'' قرار دے کر خدائے بزرگ و برتر سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر انہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات مل گئی تو وہ اپنے آزاد ملک میں قرآن وسنت پر مبنی سیاست، معیشت اور معاشرت کو روبہ عمل لائیں گے۔ پاکستانی قوم پر بحیثیت مجموعی اس عہد کی پاسداری فرض تھی۔ بلاشبہ پاکستان دنیا میں ریاست مدینہ کے بعد دین اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی دوسری ریاست ہے۔لہذا اس ملک کو حضور پاکؐ کی تعلیمات کی روشنی میں تعمیر کیا جانا چاہیے تھا تاکہ دنیا پر یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ دین اسلام کے سنہری اصول عہد حاضر میں بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور خلافت راشدہ کے ادوار میں تھے۔ بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ ریاست مدینہ کا نمونہ بنانے کے بجائے اس ملک کا نظام لادین ممالک کے طریق پر چلایا جائے گا۔اقتدار کی غلام گردشوں پر ایسے عناصر قابض ہوتے چلے گئے جو ملک کے اسلامی تشخص پر سرے سے ایمان ہی نہ رکھتے تھے۔ بالفاظ دیگر پاکستان کے مقتدر طبقات اور عوام الناس ہر دو نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔اس حوالے سے دونوں ہی مجرمانہ غفلت کے مرتکب ٹھہرے۔ ہمارے موجودہ ناگفتہ بہ حالات اسی بدعہدی کی سزا ہیں۔

وطن عزیز میں الحمدللہ وعظ وتبلیغ کی کوئی کمی نہیں ہے۔عالیشان مساجد ومدارس کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ دین اسلام کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کے نتیجے میں بڑی بڑی عالمانہ کتابیں بھی باقاعدگی کے ساتھ منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ بے شک! یہ تمام کاوشیں لائق تحسین ہیں مگر کیا سبب ہے کہ ان تمام عوامل کے باوجود پاکستانی معاشرے میں اس فکری انقلاب کی جھلک دکھائی نہیں دے رہی جو پیغمبر اعظم وآخر ﷺ نے محض 23 سال کی قلیل مدت میں برپا فرمادیا تھا۔ مذکورہ بالا تمام مظاہر اسلام کے باوجود ہم کیوں مختلف عوارض مثلاً غربت، جہالت، پسماندگی، بدعنوانی، بدامنی، بے انصافی، ظلم واستحصال اور ارتکاز دولت کا

Marfat.com

شکار ہو چکے ہیں؟ دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود ہم قعر مذلت میں کیوں دھنستے چلے جا رہے ہیں؟ درحقیقت ہمارے زعماء اور علماء اس استحصالی طبقاتی نظام کی مزاحمت پر توجہ نہیں فرما رہے جسے پیغمبر اعظم و آخر ﷺ نے اپنے انقلابی فکر و عمل کی بنیاد پر نیست و نابود کر دیا تھا۔ کیا ہمارے موجودہ پیشوا یہ دنیاوی مراعات اور شان و شوکت سے کنارہ کشی اختیار کر کے ظالم و جابر طاقتوں سے متصادم ہونے کی جرات رکھتے ہیں؟ کیا یہ اس انقلابی راستے پر چلنے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں جسے اختیار کر کے تاجدار کائنات حضرت محمدؐ نے عرب معاشرے پر مسلط طبقاتی قوتوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی؟ کیا کچھ حلقوں کی طرف سے اسلامی تعلیمات کی ایسی تشریحات سامنے نہیں لائی جا رہیں جن سے اشرافیہ کے مفادات کو تحفظ ملتا ہو؟ کیا عوام کو یہ باور کرانے کی کوششیں نہیں کی جا رہیں کہ طبقاتی نظام تقدیر الٰہی ہے اور کیا انہیں رحمت اللعالمینؐ کی انقلاب آفریں تعلیمات سے بے بہرہ نہیں رکھا جا رہا؟ غور و فکر سے ان سوالات کے جوابات اثبات میں ملتے ہیں۔ اندریں حالات پاکستانی قوم کو کسی نجات دہندہ کے انتظار میں وقت ضائع کرنے کی روش ترک کر دینی چاہیے کیونکہ ہمارے سیاسی و مذہبی منظر نامے پر کوئی ایسا رہنما دکھائی نہیں دے رہا۔ بہتر راہ یہی ہے کہ ہم اجتماعی توبہ کر کے محبوب خدا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اپنے فکر و عمل کا مرکز بنا لیں۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگیوں کو اسوۂ حسنہ پر استوار کر لیں۔ پاکستان ایک مملکت خداداد ہے اور اس کے باشندے خیر الانامؐ کی راہ پر چلنے کے سوا کسی دوسرے راستے کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں لاحق تمام مسائل و مشکلات کا حل سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکت سے رجوع میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے عجز کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہماری خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرما دے، ہمیں حضرت محمد ﷺ کی انقلابی تعلیمات اپنانے کی توفیق عطا فرما دے اور اس ملک کو حقیقی معنوں میں قوتِ اسلام کا مرکز بنا دے۔ (آمین)

Marfat.com

اذان اور موذن کی فضیلت

''تم میں نیک اذان دیں اور جو تم میں سے قاری ہوں وہ امامت کریں'' فرمان رسول ﷺ

اللہ رب العزت کا کروڑ ہا شکر عظیم ہے کہ جس نے آقا ﷺ کی امت کو ''**کنتم خیرامتہ**'' کے لقب سے نواز۔ اللہ کے محبوبؐ کی امت دو طرح کی ہے ایک ''امت اجابت'' اس سے مراد وہ لوگ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ دوسری ''امت دعوت'' اس میں ہر وہ مخلوق شامل ہے جس کی طرف آقا ﷺ مبعوث ہوئے۔ ہم ''امت وسط'' ہیں۔ امت وسط سے مراد یہ ہے کہ پروردگار عالم نے ہمیں یعنی اس امت کو نیک وعادل بنایا اور علم وعمل سے مزین فرمایا۔ جہاں امت وسط کا ذکر ہے اس کے بعد فوراً ارشاد فرمایا کہ ''تم لوگوں پر گواہ ہو'' امت محمدیہؐ سب سے بہترین امت اس لیے ہے کہ ان میں سے جو مسلمان ہیں ان کی اکثریت نیکی کا حکم دیتی ہے اور اپنے درمیان ظاہر ہونے والی برائی سے منع کرتی ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر امت مسلمہ پر فرض قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب دنیا میں قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپؐ اللہ پاک کے آخری رسول اور ہم آخری امت ہیں۔ اب لوگوں کی ہدایت ورہنمائی اور اسلام کی تعلیمات کی ذمہ داری امت محمدیہؐ پر عائد ہوتی ہے۔ ہماری امت کی فضیلت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ مشروط ہے اگر ہم یہ فریضہ سرانجام دینے میں کوتاہی کریں گے تو نہ صرف ہماری فضیلت ختم ہو جائے گی بلکہ اللہ پاک کے ہاں ہمیں جوابدہی کرنا پڑے گی۔ امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی پہنچ کی حد تک لوگوں کو دعوت اسلام دینے کا پابند ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اس سے اچھی بات کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں''

Marfat.com

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہر مذہب میں اپنی اپنی عبادات مخصوصہ کی طرف بلانے کا کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر ہے۔ دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عبادت کی طرف بلانے کا طریقہ اذان سکھایا ہے جو سب طریقوں سے عمدہ اور نرالا ہے۔ دین اسلام میں پانچوں وقت کی فرض نمازیں اور ان میں جمعہ بھی شامل ہے جب جماعت اُولیٰ کے ساتھ مسجد میں وقت پر ادا کی جائیں تو ان کے لیے اذان سنت مؤکدہ ہے اور اس کا حکم مثل واجب ہے کہ اگر اذان نہ کہی گئی تو وہاں کے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔ بچہ جب پیدا ہو اس کے کان میں اذان کہی جائے۔ مرگی والے کے کان میں اذان دینے سے مرگی کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ آتشزدگی کے وقت اذان دی جائے تو آگ بجھ جائے گی۔ مسافر جنگل میں راستہ بھول جائے تو راستہ مل جائے گا۔ دفن میت کے بعد قبر پر اذان دی جائے تو جواب پر آسانی ہو جائے گی۔ بدمزاج شخص کے کان میں اذان دینے سے نیک مزاج بن جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ آیت کریمہ میں ہے کہ اس سے اچھی بات کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اذان دینے والوں کے حق میں نازل ہوئی یہی لوگ لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہیں اور اذان و اقامت کے درمیان نوافل ادا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا، بیدار ہونے کے بعد نبی اکرم نور مجسمؐ کی بارگاہ اقدس میں پہنچا اور خواب بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول ﷺ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے دو سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ناقوس اٹھائے ہوئے تھا اور تمام واقعے کے بارے میں بتایا تو نبی اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تمہارے ساتھی نے ایک خواب دیکھا ہے اے عبداللہ تم حضرت بلالؓ کے ساتھ مسجد میں جاؤ اور انہیں یہ کلمات سکھاؤ حضرت عبداللہ کہتے ہیں چنانچہ میں حضرت بلالؓ کے ساتھ مسجد میں گیا اور انہیں بتانے لگا اور وہ اذان دیتے جاتے تھے یہاں تک حضرت عمر فاروقؓ نے یہ آواز سنی وہ باہر آئے اور عرض کیا یارسولؐ اللہ! میں نے بھی عبداللہ کی طرح خواب دیکھا۔ ابو عبیدہؓ فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ ابوبکر حکمیؒ کہتے تھے کہ عبداللہ بن زید انصاریؓ نے اسی واقعہ کے بارے میں یہ اشعار کہے میں عزت اور بزرگی والے اللہ کا بہت احسان مند ہوں جس نے اپنے فرشتے کو تین رات مسلسل اذان سکھانے کے لیے بھیجا اللہ تعالیٰ اس خوشخبری سنانے والے کو عزت دے جب بھی آیا میرے عزت اور وقار میں اضافہ کر گیا۔ سالم اپنے والدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنے کے لیے مشورہ کیا بعض لوگوں نے بوق (نرسنگا) کا ذکر کیا آپؐ نے اسے یہود کی وجہ سے برا خیال کیا پھر لوگوں نے ناقوس کا ذکر کیا آپؐ نے اسے عیسائیوں کے تعلق کی وجہ سے اسے برا جانا پھر اسی رات ایک انصاری شخص کو اذان دینے کے بارے میں بتایا گیا جن کا نام عبداللہ بن زیدؓ تھا اور حضرت عمرؓ نے خواب میں دیکھا کہ انصاریؓ رات ہی کو رسول اکرمؐ کے پاس پہنچے آپؐ نے حضرت بلالؓ کو پکارا اور انہوں نے اذان دی۔

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ''قیامت کے دن موذنوں کی گردنیں سب لوگوں کی گردنوں سے لمبی ہوں گی'' حضرت عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس پرورش پاتے تھے ان سے حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا جب تم جنگل میں ہو تو اونچی آواز سے اذان دو کیونکہ میں نے رسول اکرمؐ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''اذان کو جن، انسان، درخت اور پتھر جو بھی سنیں گے وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گے''۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ''جو سات سال تک ثواب کے لیے اذان دے اس کے لیے دوزخ سے چھٹکارا لکھ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص 12 سال تک اذان دے اسکے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ ہر اذان پر 60 اور ہر تکبیر پر 30 نیکیاں لکھی جاتی ہیں'' حضرت سلمہ بن ضرارؒ شام کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ رسالتؐ میں کسی شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسولؐ اللہ! مجھے کوئی ایک ہی ایسا عمل بتا دیں جسے بجا لانے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آقاؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی قوم کا موذن بن جا تیری اذان سے لوگ اپنی نمازوں

Marfat.com

کی ادائیگی کے لیے جمع ہوا کریں گے''۔اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں موذن نہ بن سکوں تو؟ سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''پھر اپنی قوم کا امام بن جا تا کہ تیری قوم تیرے پیچھے اپنی نماز صحیح صحیح ادا کر سکے''۔ اس نے عرض کیا اے اللہ پاک کے محبوبؐ اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو آپؐ نے اس شخص کو فرمایا ''پھر پہلی صف میں شامل ہونا اپنے اوپر لازم کر دے''

جب اذان ہو تو مومن کا کام ہے کہ اذان کی اجابت کرتے ہوئے مسجد میں آجائے اللہ پاک کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ''جو کوئی مسجد میں داخل ہونے کے بعد اذان سن لے پھر بغیر کسی مقصد اور ضرورت کے مسجد سے نکل جائے اور واپس آنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے'' حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آقا نے ارشاد فرمایا ''شیطان جب اذان سنتا ہے اتنی دور بھاگتا ہے جیسے روحا اور مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے''۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ آقاؐ نے ارشاد فرمایا ''جس قوم میں صبح کو اذان ہوئی ان کے کے لیے اللہ پاک کے عذاب سے شام تک امان ہے اور جن میں شام کو اذان ہوئی ان کے لیے اللہ پاک کے عذاب سے صبح تک امان ہے'' آقاؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں جنت میں گیا اس میں موتی کے گنبد دیکھے اس کی خاک مشک ہے۔ فرمایا اے جبرائیل یہ کس کے لیے ہے عرض کی حضورؐ کی امت کے مؤذنوں اور اماموں کے لیے''۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ''تم میں نیک اذان دیں اور جو تم سے قاری ہوں اور امامت کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا ''اذان دینے والے کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اس کی بخشش مانگتی ہے اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لیے 25 نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور نماز دو نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی''۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جب اذان کہی

Marfat.com

جاتی ہے شیطان بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان کی آواز سے نہ پہنچے جب اذان پوری ہوتی ہے واپس چلا جاتا ہے پھر جب اقامت کہی جاتی ہے بھاگ جاتا ہے جب پوری ہو جاتی ہے واپس آجاتا ہے اور خطرہ ڈالتا ہے کہتا ہے فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر وہ جو پہلے یاد نہ تھی یہاں تک کہ آدمی کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتنی پڑھی۔ جب مؤذن اذان پڑھنے لگے تو دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان پڑھے جب تکبیر پڑھے تو ایسا نہ کرے'' حضرت سعدؓ جو موذن رسول علیہ السلام ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا کہ'' وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالا کریں اور فرمایا ایسا کرنے سے تمہاری آواز اونچی ہو جائے گی''۔ حضرت ابو حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرمؐ کے پاس آیا آپؐ سرخ خیمے میں تھے پھر حضرت بلالؓ باہر نکلے اور انہوں نے اذان دی تو اپنی اذان میں **حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح** کے وقت گھوم گئے اور انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال رکھی تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ پورے وقت پر اذان دیتے اذان کے وقت میں دیر نہ کرتے لیکن اقامت میں کبھی دیر کر دیتے۔ آجکل اکثر نمازیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جماعت کے وقت ہی مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر پڑھنے والے کی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اذان پڑھنے والے کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ تکبیر پر اسی کا حق ہے جو اذان پڑھے ہاں اذان پڑھنے والا اگر باخوشی اجازت دے دے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت زیاد بن حارث صدائیؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر میں تھا آپؐ نے مجھے اذان کا حکم دیا میں نے اذان دی پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا'' تیرے صدا لگانے والے بھائی نے اذان دی ہے اور جو کوئی اذان دے وہی تکبیر بھی کہے'' جو لوگ اللہ پاک اور اس کے حبیب کی رضا کی خاطر اذان پڑھتے ہیں ان کو نہ قیامت کے دن کچھ خوف ہوگا نہ کچھ غم۔ جب اذان ہونے لگ جائے تو سب کام چھوڑ کر اذان کا جواب دینا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب جن کا بظاہر کوئی

Marfat.com

بہت بڑا نیک عمل نہ تھا وہ فوت ہو گئے تو رسول اللہؐ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فرمایا ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا'' اس پر لوگ متعجب ہوئے کیونکہ بظاہر ان کا کوئی بڑا عمل نہ تھا چنانچہ ایک صحابیؓ ان کے گھر گئے اور ان کی بیوہؓ سے پوچھا کہ ان کا کوئی خاص عمل تو ہمیں بتائیے تو انہوں نے جواب دیا اور تو کوئی خاص بڑا عمل مجھے معلوم نہیں صرف اتنا جانتی ہوں کہ دن ہو یا رات جب بھی وہ اذان سنتے تو جواب ضرور دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''جب مؤذن اذان دے تو تم بھی وہی الفاظ دہرالیا کرو''

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ دن اور رات میں جب بھی ان کے پاس ہوتے اور اذان سنتے تو وہی الفاظ دہراتے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ''مؤذنوں کا حشر یوں ہوگا کہ جنت کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کے آگے حضرت بلالؓ ہوں گے سب کے سب بلند آواز سے اذان کہتے آئیں گے۔ لوگ ان کی طرف نظر کریں گے پوچھیں گے یہ لوگ کون ہیں کہا جائے گا یہ امت محمدیہؐ کے مؤذن ہیں لوگ خوف میں ہیں اور ان کو خوف نہیں لوگ غم میں ہیں ان کو غم نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ''جب مؤذن اذان دے جو شخص اس کی مثل کہے اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہے تو یہ **لاحولا ولا قوۃ الا باللہ** کہے جنت میں داخل ہوگا''۔ آقا ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا ''اے عورتو! جب تم بلالؓ کو اذان واقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو کہ اللہ عزوجل تمہارے لیے ہر کلمہ کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں لکھے گا اور ایک ہزار درجات بلند فرمائے گا اور ایک ہزار گناہ مٹائے گا'' خواتین نے یہ سن کر عرض کی یہ تو عورتوں کے لیے ہے مردوں کے لیے کیا ہے؟ فرمایا مردوں کے لیے دگنا''۔

Marfat.com

دین میں حسن سلوک کی اہمیت اور فضیلت

مسنون حمد وثناء کے بعد!

لوگو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔اس کی پکڑ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔

مسلمانان گرامی! جان رکھو کہ اسلام ایک عظیم مقصد کے حصول اور ایک نہایت اہم کام سرانجام دینے کے لیے آیا ہے وہ مقصد ہے! حقوق اللہ کا پاس اور حقوق العباد کا قیام۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، ناواقف ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہاری ملکیت میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے'' (النسائی 63)

دنیا میں ان کے علاوہ دیگر امور مثلاً قوانین کا نفاذ، تہذیب وتمدن کی آبیاری اور ازالہ ظلم وغیرہ وغیرہ، یہ ایک بڑے مقصد کے تابع اور اسی کے حصول کا ذریعہ ہیں اور وہ مقصد ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔اچھا اخلاق حقوق اللہ اور حقوق العباد کے قیام کی بنیاد ہے۔ایمان کے ساتھ حسن اخلاق، حقوق العباد اور حقوق اللہ اس کی ادائیگی کی اساس ہے۔ اسی کے ساتھ درجات کی بلندی ہوتی اور برائیاں مٹتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، مومن حسن اخلاق کے ذریعے روزہ دار اور تہجد گزار کا مقام لیتا ہے۔

حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روز قیامت بندے کی میزان

Marfat.com

میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ فضول گفتگو اور فحش گوئی کرنے والے سے دشمنی رکھتا ہے۔ حسن اخلاق میں ہر بھلائی موجود ہے۔ شروع کی نظر میں اور عقل سلیم کے اعتبار سے حسن اخلاق ہر اچھی صفت کو محیط ہے۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ خلق سے مراد بھلائی پھیلانا اور برائی کا سدباب کرنا ہے۔

یہ کہا گیا ہے کہ حسن اخلاق سے مراد خیر و بھلائی کو فروغ دینا اور تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا ہے۔ حسن اخلاق کے بارے میں جامع قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا بھی بطور فرض یا بطور استحباب حکم دیا ہے اس کا بجالانا اور ہر اس چیز کو ترک کر دینا جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ حسن اخلاق: تقویٰ، اخلاص، صبر، بردباری، وقار، حیا، پاکدامنی، غیرت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، مظلوم کی مدد، شجاعت و سخاوت، صداقت، صاف دلی، نرمی، وفا، بھلائی کا حکم، برائی سے روکنا، ہمسائے کے ساتھ اچھا برتاؤ، تواضع تحمل اور فیاضی کا نام ہے۔ اسی طرح فریب کاری، خیانت، دھوکا دہی، فواحش، منکرات، ناپسندیدہ اشیائے خورد و نوش، جھوٹ، بہتان، تنگ دلی، بخیلی، بزدلی، دکھلاوا، تکبر، خود پسندی، ظلم و عدوان، بغض، کینہ، حسد اور تہمت وغیرہ سے بچ جانے کا نام ہے۔

حسن اخلاق مومن کے لیے دنیا و آخرت ہر دو جگہ میں فائدہ مند ہے اور اس سے مومن کا درجہ اللہ کے ہاں بلند ہوتا ہے اور تو اور حسن اخلاق سے نیک و بد دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ کافر کو اس کا اخلاق دنیا ہی میں بہت جلد فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ البتہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ سے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ عبداللہ بن جدعان کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ مہمان نوازی کرتا، محتاجوں کا بوجھ بٹاتا اور آفات میں لوگوں کے ساتھ تعاون کیا کرتا تھا۔ کیا اس کو ان اعمال کا فائدہ ہوگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کو یہ کام نفع نہیں دیں گے۔ اس نے تو ایک دن بھی یہ نہیں کہا "اے رب! روز قیامت میری خطاؤں کو معاف کر دینا"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر اچھے اخلاق کو اپنانے اور ہر برے اخلاق سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح سنت میں بھی ہر خوبی اپنانے اور ہر بری خصلت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اس معنی کی بہت زیادہ آیات وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اور ہر بے حیائی سے کلی طور پر اجتناب کرو۔ خواہ وہ کھلی ہو یا چھپی بے حیائی'' (الانعام 151) ایک مقام پر فرمایا ''جو لوگ آسانی اور سختی یعنی ہر دو موقع پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی غصہ پینے والے لوگوں سے درگزر کرنے والے، اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے'' (آل عمرأن 431) مزید فرمایا: آپ درگزر اختیار کریں۔ نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں (الاعراف 199) اسی طرح فرمایا: ''آپ صبر اختیار کیجئے تاہم ذہن نشیں رہے کہ بغیر توفیق الٰہی کے آپ بھی صبر نہیں کر سکتے'' (النحل 721) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (برائی کا) ازالہ اچھی بات سے کیجیے، آپ دیکھیں گے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ شخص جو تمہارے اور اس کے درمیان گہری دشمنی، مخلص دوستی میں بدل جائے گی'' (فصلت 43) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ملاحظہ کیجیے: ''اور جو مومن تمہارے پیروکار ہو گئے ہیں ان سے تواضع اور انکساری سے پیش آؤ'' (الشعرای 512)

مزید فرمایا: ''وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے'' (القصص 38)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب) سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔ وہ جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیے کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف دہ چیز ہے۔ (اور) دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ کنجوسی بروئے کار لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں یعنی نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا (الفرقان 63-68) اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو،

Marfat.com

اپنے عہد پورے کرو" (الحشر 7) حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں حسن اخلاق سے متصف شخص کو جنت الفردوس میں گھر کی ضمانت دیتا ہوں"۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں جو آگ کے لیے حرام اور آگ اس کے لیے حرام ہے؟ دوسروں کے قریب رہنے والے، نرم خو اور نرم مزاج پر (جہنم کی) آگ حرام ہے"۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کے لیے باعث برکت ہے۔ اللہ کے ہاں ایسے شخص کا مقام و مرتبہ اور حیثیت بہت بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی اس کے لیے محبت اور قدر بڑھ جاتی ہے۔ دل کو طمانیت، شرح صدر اور بہت سارے کاموں میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں اچھے لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا انجام اچھا ہوتا ہے جبکہ برا اخلاق تو نری نحوست ہے، اس کی وجہ سے عمروں میں برکت ختم ہو جاتی ہے اور لوگوں کے مابین نفرت جنم لیتی اور دلوں پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ برا اخلاق فوری بدبختی اور نہ ختم ہونے والی برائی ہے۔ مسلمانان گرامی! سلف صالحین کی پیروی کرو، جنہوں نے اپنے آپ کو مکارم اخلاق کے ساتھ متصف کیا۔ جن کی گواہی علیم و خبیر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی:

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں (سرگرم) پاؤ گے" (الفتح 92) اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے "(مومنو!) جتنی بھی قومیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (آل عمران 11) ایسے لوگ سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مومنوں میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار میں ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا" (الاحزاب 32) صحابہ کرام کی سیرت و کردار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صحابی مکارم اخلاق سے متصف تھا اور کاموں کی درست انجام دہی میں وہ امت واحدہ تھے۔ تمام کریمانہ اخلاق اور ہر اچھی صفت کی جامع شخصیت انسانوں کے سردار، ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ

Marfat.com

علم کا اصل سر چشمہ اللہ ہے

اللہ اور علم:

علم دراصل کسی بھی مادی یا غیر مادی چیز کے تمام مثبت اور منفی پہلوؤں پر وہ فیصلہ کن دسترس ہے جس سے اللہ کی ذات اس کائنات کی ہر چیز پر مکمل اختیار حاصل کیے ہوئے ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اسی بنیاد پر اللہ نے انسان کو اپنی تخلیق میں سے نقص نکالنے کا ایک کھلا چیلنج بھی دیا ہے سورہ نمبر 67 سورہ الملک، آیات نمبر 3 اور 4 (جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے تو رحمان کی تخلیق میں کوئی نقص نہ دیکھے گا۔ دوبارہ نظر ڈال کیا کوئی شگاف ہی نظر آتا ہے۔ اوپر نظر ڈال تیری نظر ناکام واپس لوٹ آئے گی) موجودہ دور میں جدید ترین Hubble Telescope کے باوجود انسان نے اللہ کا یہ چیلنج قبول نہیں کیا ہے۔

اللہ کی ذات ہی اکیلی وہ ذات ہے جو اس کائنات کی کسی بھی چیز کے منفی اور مثبت تمام پہلوؤں پر ایک فیصلہ کن دسترس رکھتی ہے۔ لہٰذا علم کا اصل سرچشمہ اللہ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ کی ذات ہمارے لیے ایک واحد عظیم، علمی اور تکنیکی کسوٹی ہے۔

اللہ کے علم کا نتیجہ

اللہ کے علم کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علم سے اللہ کو اس پوری کائنات میں بلاشرکت غیرے حاکمیت اعلیٰ حاصل ہے۔ سورہ نمبر 39: سورہ الزمرہ آیت نمبر 38 (یہ بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے)

Marfat.com

انسان اور علم

انسان بھی اپنے طور پر کسی بھی چیز کے منفی اور مثبت تمام پہلوؤں پر فیصلہ کن دست رس حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اللہ رفتہ رفتہ جس قدر چاہتا ہے اپنی خاص حکمت عملی کے تحت مختلف چیزوں پر یہ دست رس انسان کو عطا بھی کرتا جا رہا ہے۔ سورہ نمبر 2، سورہ البقرہ آیت نمبر 255 میں اللہ فرماتا ہے (اور وہ اس کے علم میں کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے)

انسان کے علم کا نتیجہ

انسان کے علم کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ حاصل شدہ علم سے اسے اللہ کی عبادت میں پاکیزگی اور یقین حاصل ہو۔ یہاں پاکیزگی سے مراد دل کی وہ کیفیت ہے، جو اس علم کے آجانے کے بعد انسان کی آئندہ آنے والی تمام زندگی کا مقصد اپنے ہر عمل میں اللہ کی ناراضگی سے بچنا اور اس کی رضا میں خوش رہنا ہو جائے۔ سورہ نمبر 51 سورہ الذاریات کی آیت نمبر 56 میں اللہ فرماتا ہے کہ (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان اپنے علم کی بنیاد پر اللہ کی عبادت میں بہتری نہیں لائے تو پھر کسی بھی ایسے انسان کا موجودہ علم محض اس کی عمومی معلومات ہیں، کیوں کہ اس علم سے وہ اپنے اصل مقصد کے حصول میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کسی خاص وقت تک ان معلومات سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر پائے مگر جوں ہی یہ معلومات اس کے لیے اللہ تک رسائی یا معرفت کا باعث بنیں تو یہ معلومات اس کا علم بن جائیں۔

قرآن و حدیث صلی اللہ علیہ وسلم اور مادہ

علم کے وہ بنیادی مظاہر ہیں جن میں اللہ کی علمی اور تکنیکی دست رس پنہاں ہے۔ جوں جوں ہم ان پر غور کرتے ہیں ہمارے ایمان و عمل میں پختگی اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم اللہ کی

Marfat.com

حاکمیت اعلیٰ کا مظہر ہے جیسے قرآن مجید اللہ کی صفت ہے، غرور اللہ کی چادر ہے، اسی طرح علم اللہ کی کی طاقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کا کوئی بھی حکم پلک جھپکنے میں عمل آ جاتا ہے۔ سورہ نمبر 2 سورہ البقرہ، آیت نمبر 117 (اور وہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے، تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو بس وہی ہو جاتا ہے)۔

کیا علم دینی یا دنیاوی ہوتا ہے؟

انسانی حوالے سے علم نہ تو دینی ہے نہ دنیاوی، علم اپنی کلیت میں ایک اکائی ہے ہماری نیت اسے دینی یا دنیاوی جانتی ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت اور حفظ قرآن کا علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیاوی مراعات حاصل کرے گا تو اس کا یہ علم دنیاوی علم ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک دوسرا شخص فزکس کا علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے وہ دنیا کے لوگوں پر یہ واضح کرے گا کہ اللہ نے ایک چھوٹے سے ایٹم میں کیسے ایک نظام اور دنیا قائم کر رکھی ہے۔ اس صورت میں فزکس کا یہ علم، اس دوسرے شخص کا علم کہلائے گا کیونکہ اس علم کی بنیاد وہ خود اپنے آپ کو اور دوسرے انسانوں کو اللہ سے منسلک کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا یہ عمل عبادت ہے۔ لہٰذا اس کی معلومات محض معلومات کے درجے میں نہیں رکھی جا سکتیں۔

سائنس کیا ہے؟

اللہ کی بنائی ہوئی کسی بھی مادی یا غیر مادی اشیاء کے بارے میں باقاعدہ طریقے سے یہ جاننا کہ اللہ نے اپنی ان تخلیقات کو کس قدر منظم، کیسے اور کیوں بنایا ہے۔ سائنس کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کے پارہ نمبر 27 آیت نمبر 49 سورہ نمبر 54 سورہ القمر میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے اس اندازے کو ایک باقاعدہ طریقے سے جاننا سائنس ہے۔

ایک منظم طریقہ کار کے تحت جب سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ

Marfat.com

☆اس کائنات کی ہر چیز کسی نہ کسی کے بنانے سے بنی ہے۔

☆اس کائنات کی ہر چیز جیسا کہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک باقاعدہ نظم کے تحت بنی ہے۔لہذا انسان بھی ایک باقاعدہ نظم کے تحت وجود میں آیا ہے اور انسان اپنے اندر اور اس کائنات میں موجود بہت سے نظام ہائے کار کے تحت زندہ چل پھر رہا ہے۔

☆ اس کائنات کی ہر چیز فنا کی طرف گامزن ہے اور انسان بھی فنا ہوگا۔اس طرح سے سائنس کا علم ہمیں اللہ کی عبادت میں پاکیزگی اور یقین دے گا اور فی الحقیقت ہم ہر طرف سے لاتعلق ہوکر ایک اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔اس سطح پر ہمارا علم دنیاوی نہیں دینی علم ہوگا کیونکہ یہ علم ہمیں علم کے اصل سرچشمے سے منسلک کر رہا ہے۔جب ہم عملی اور نظریاتی طور پر اللہ سے منسلک ہوجائیں گے تو علم کی اصل روح سے ہم کلام ہوں گے،اور پھر حقوق العباد کی ادائیگی بھی درست ہوگی۔ظاہر ہے کہ جب انسان باطنی طور پر اللہ تعالی سے متاثر ہو چکا ہوگا تو ظاہری طور پر بھی اس کے عملی امکانات سامنے آنا شروع ہوجائیں گے۔ہم علم کے سرچشمے اللہ سے منسلک ہوکر،حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو من وعن ادا کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔اس طرح عبادت میں پاکیزگی اور یقین کی نئی جہت سامنے آئے گی۔انسانوں اور جنوں کو اللہ نے اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔یہاں عبادت سے مراد محض نماز اور تلاوت قرآن ہی نہیں۔عبادت کا لفظ اپنی پوری جامعیت کے ساتھ استعمال ہوا۔کاروبار کرنا،خدمات کی شکل میں کام سرانجام دینا وغیرہ تاکہ حقوق العباد میں سے معاشی حقوق کا ایک حصہ ادا کرسکنے کی نیت سے کسی بھی جائز فن کا علم حاصل کرنا عبادت ہے۔

امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے۔کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر عالم کے پاس مت بیٹھو۔صرف ایسے عالم کے پاس بیٹھو جو تمہیں پانچ چیزوں سے ہٹا کر پانچ چیزوں کی طرف لے جائے:

☆ شک سے یقین کی طرف ☆ ریا سے اخلاق کی طرف ☆ دنیا کی خواہش سے زہد کی طرف ☆ تکبر سے تواضع کی طرف ☆ دشمنی سے خیر خواہی کی طرف۔

Marfat.com

علم کس قدر ہو؟

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ آپ ﷺ مجھے علم کی کچھ عجیب وغریب باتیں بتائیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم نے اصل علم کے سلسلے کیا کام کیا ہے؟ اس نے کہا، اصل علم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اللہ کی معرفت رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا۔، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، پھر تم نے اس کے لیے کیا کام کیا؟ اس نے کہا، تھوڑا بہت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم موت کی معرفت رکھتے ہو؟ اس نے عرض کی، جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا، تم نے موت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کہ تھوڑی بہت تیاری کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ پہلے ان امور میں پختہ ہو کر آؤ، تب میں تمہیں علم کے غرائب (انوکھی، عجیب اور نادار چیزیں) بھی بتاؤں گا۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ علم اپنی ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے۔

☆ بقدر کفائت ☆ درجہء اعتدال ☆ درجہء کمال

انسانی ترجیحات اور خواہشات اس بات کو طے کرتی ہیں کہ اسے کوئی بھی علم کس درجے تک حاصل کرنا ہے۔ جس قدر فکری اور نظریاتی اعتبار سے آپ اللہ سے منسلک ہیں، اسی قدر آپ کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کی معرفت میں جیسا آپ کا معیار ہوگا، آپ ویسا ہی علم و عمل اور اس کا درجہ منتخب کریں گے۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ حصول علم کے چار ادوار ہیں:

☆ حصول علم ☆ تکمیل علم ☆ تدبر علم ☆ ابلاغ علم

کسی مخصوص علم کے حوالے سے آپ کس دور سے گذر رہے ہیں، بہتر طور پر اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ طالب علم دراصل حصول علم کے درجے پر ہوتے ہیں جب کہ علماء ابلاغ علم کے مقام پر متمکن ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث ﷺ ہے کہ بدترین علما وہ ہیں جو امراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین امراء وہ ہیں جو علما کے پاس جاتے۔

اللہ ہمیں عقل وشعور کی نعمت عطا فرمائے، ہمارے علم میں اضافہ فرمائے اور بنی نوع انسان کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

Marfat.com

محسنِ نسواں صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتہ العالمین، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل یہ ایک عالمگیر اعتقاد تھا کہ وجود انسانی کا کامل ظہور مردوں کی ہی جنس میں ہوا ہے۔ یہ اعتقاد تھا کہ خدائے تعالیٰ نے پیدا تو حضرت آدمؑ کو ہی کیا تھا۔ بی بی حواؑ کی پیدائش تو محض آدمؑ کے کے دل بہلانے اور دلجوئی کے لیے کی گئی تھی۔ اس اعتقاد کے مطابق عورت کی ہستی اپنی جگہ کوئی ہستی نہیں تھی۔ اس کی زندگی محض مرد کے رحم و کرم پر تھی۔ اگر مرد چاہتا تو اسے زندہ رہنے کی اجازت دے سکتا تھا ورنہ اسے پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا۔ اگر وہ زندہ رہتی تو اس کی زندگی کا مقصد محض مرد کی نفس کی آگ کو بجھانا اور اس کی چاکری و پرستاری کرنا تھا۔ نہ اس کے اپنے کوئی حقوق تھے اور نہ کوئی مقصد حیات۔۔۔ یوں تو اخلاق و کردار انسانی مکمل طور پر دگرگوں حالت میں تھے، مگر عورت تو معاشرے کی مظلوم ترین شے تھی۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو وجہ تخلیق کائنات ہیں، جب رحمت دو جہاں بن کر اس کرۂ انسانی میں تشریف لائے تو آپ ہی تاریخ عالم کے وہ پہلے مرد تھے جن کی صدا ان حتمی اعتقادات کے خلاف بلند ہوئی۔

رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر رحمت و برکت بن کر آئے۔ آپ فخر موجودات تھے۔ یوں تو آپؐ کی رحمتوں کا حد و حساب ہی نہیں۔ زندگی کے ہر شعبے نے اپنی ارتقاء کی منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی برکتوں سے دیکھی، مگر معاشرے کی یہ کمزور ہستی جسے عورت کا نام دیا جاتا ہے، یہ تو اپنے بنیادی حقوق اور باعزت زندگی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی مرہون منت ہے۔ آپؐ نے نہ صرف عورت کو جینے کا حق دیا، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مساوی حقوق بھی دیے۔ آپؐ نے زندگی کے ہر قدم پر اس مظلوم ہستی کی دادرسی کی۔ اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے معاشرے کو تلقین کرتے۔ حتیٰ کہ حجتہ الوداع کے موقع پر سوالاکھ مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بھی محسن نسواں صلی اللہ علیہ وسلم معاشرے کی اس ہستی کے حقوق و احترام کے تحفظ کو نہ بھولے، اور بار بار خدا کی طرف سے عائد کردہ مردوں پر عورتوں کے حقوق کی اہمیت کو

Marfat.com

مسلمانوں کو یاد دلایا۔

آپ ﷺ نے نہ صرف عورت کو مساوی درجہ دیا، بلکہ بعض معاملات میں عورت کو تعظیم و تکریم کے بلند ترین مرتبہ پر فائز کر دیا۔۔۔۔روایت ہے کہ جب ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ، یارسول اللہ! سب سے زیادہ واجب الاحترام وحقدار کون ہے جس کی خدمت نیکی اور حصول ثواب کی نیت سے کی جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا، تمہاری ماں۔

صحابیؓ نے پوچھا ''یارسول اللہ! ماں کے بعد''؟

آپؐ نے فرمایا، تمہاری ماں۔

تیسری دفعہ پھر صحابیؓ نے یہی سوال دہرایا تو آپؐ نے پھر فرمایا، تمہاری ماں۔

چوتھی مرتبہ جب صحابیؓ نے اپنا سوال دہرایا تو آپؐ نے فرمایا ''تمہارا باپ''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کی حیثیت بیٹے، بیٹیوں کی نظر میں باپ سے تین گنا ہے اور پھر عورت کا احترام اپنی معراج پر اس وقت پہنچا جب آپ ﷺ نے فرمایا،

''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے''۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کی آواز حق کی آواز ہے اور صدائے الٰہی قرآن پاک ہے۔ خالق اکبر نے اس مکمل ضابطہ حیات کی جامع ہدایات میں بار بار عورت کے حقوق کی حفاظت کے لیے اتنے خوبصورت پیرائے میں آیات نازل کی ہیں کہ لامحالہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم وہ عظیم ترین ضابطہ قانون ہے جو عورتوں کے حقوق کے لیے حق تعالیٰ نے بھیجا۔

سورۂ نساء میں ارشاد خداوندی ہے۔

''خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا''۔

یہ دونوں یکساں طور پر اہم ہیں اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی، اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانۂ معیشت کیلیے جس طرح ایک جنس کی ضرورت ہے اسی طرح دوسری جنس کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔ مساوی زندگی کے لیے یہ دو مساوی عنصر ہیں

Marfat.com

جواس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مکمل زندگی پیدا کریں۔ البتہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر بعض معاملات میں فضیلت دی ہے ایسی ہی فضیلت مردوں کو عورتوں پر بھی ہے چونکہ مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے ذمہ دار ہیں لہذا قدرتی طور پر سربراہی و کارفرمائی کا کام انہی کے لیے ہوگیا ہے۔ آگے چل کر اسی سورۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''عورتیں اس خیال سے دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردوں کے کام ان کے حصے نہ آئے۔ وہ یقین کریں کہ ان کے لیے بھی عمل و فضیلت کی ساری راہیں کھلی ہیں'' (ترجمہ تفسیر از مولانا ابوالکلام آزاد)

یعنی انسان کو جس چیز نے روز ازل سے اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک بنایا وہ اس کی جسمانی ساخت نہیں، بلکہ اس کا وہ علم تھا جو باری تعالیٰ نے اسے بخشا تھا اور اس علم وفضیلت کی تمام راہیں عورت کے لیے بھی اسی طرح کھلی ہیں جیسے مرد کے لیے آپؐ نے علم کا حصول مسلمان مرد و عورت کے لیے فرض قرار دے دیا۔ آپ ﷺ تعلیم نسوواں کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ آپ نے صحابہؓ کو اپنی کنیزوں تک کو تعلیم دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ آپؐ نے خود بہ نفس نفیس خواتین کے لیے علیحدہ درس و تدریس کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ چونکہ حضور ﷺ سے قبل عورت کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی لہذا عورت کی تعلیم کو بالکل کوئی اہمت نہ دی گئی تھی۔ لہذا اسلام کے ابتدائی دور میں صرف پانچ مسلمان خواتین لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت ام کلثوم بن عقبہؓ، حضرت عائشہ بنت سعدؓ، حضرت کریمہ جبت مقدادؓ اور سب سے بڑھ کر حضرت شفاء بنت عبداللہ یہ خاتون حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی استاد تھیں اور ان کے ام المومنین بننے کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ بہت عقلمند اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ حکومت کے معاملات میں بھی اکثر ان سے مشورہ کرتے ۔۔۔حضور سرور کائنات ﷺ مرد ہو یا عورت ہر ایک کے ساتھ پورا پورا عدل و انصاف فرماتے۔ اگر کوئی عورت باصلاحیت ہوتی تو اس کی معاشرے میں صلاحیتوں کو صرف اس لیے کہ وہ عورت ہے۔ نظر انداز نہ کیا جاتا بلکہ اسے اس کا جائزہ مقام دیا جاتا۔ حضورؐ نے اس

Marfat.com

جہاں کے جہالت وپستی کے اندھیروں کوعلم وایمان کی روشنی میں منور کیا۔ آپ ؐ نے قرآن حکیم کی شکل میں ایسا ضابطہ قانون عطا فرمایا۔ جو جاوداں بے مثال ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے جامع قوانین کی تدوین کی ہے جس نے عورت کو یہاں دیگر حقوق دیئے وہاں زندگی کے ہر باعزت شعبہ میں فاعل ہونے کا حق بھی دیا اور اسلامی تاریخ گواہ ہے مسلمان عورت نے اسلام کے ابتدائی سنہری دور میں اپنے اس حق کو احسن طریقہ سے استعمال کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کا بنیادی کردار گھر کے اندر بحیثیت بیوی اور ماں کے ہوتا ہے۔ باحیثیت بیوی اس کا کردار گھر، بچوں اور شوہر کی دیکھ بھال کرنا ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''دنیا میں خدا کی طرف سے اسلام کے بعد مرد کے لیے سب سے بڑی نعمت ایک نیک اور خوب سیرت بیوی ہے''۔ اگر عورت چاہیے تو اپنے گھر کو جنت نشاں بنادے اور چاہے تو جہنم کا بدترین نمونہ۔۔۔۔ عورت کا اہم ترین کردار باحیثیت ماں کے ہے۔ یہی مقام احترام کی معراج بھی ہے اور یہی وہ کردار ہے جو نسلوں اور قوموں کو بام وعروج پر بھی لے جاسکتا ہے اور پستی تذلیل کی جانب بھی دھکیل سکتا ہے۔ عورت کی گھر کے اندران ذمہ داریوں میں تو شک وشبہ کی گنجائش نہیں مگر مباحثہ طلب بات عورت کی گھر کی چاردیواری سے باہر کی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔ اسلامی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس سنہری دور میں جب مسلمان صحیح معنوں میں اسلام کی پیروی کررہے تھے اور فتح ونصرت مسلمانوں کا مقدر بن چکی تھی اس وقت مسلمان عورتیں اور مرد زندگی کی جدوجہد میں شانہ بشانہ کام کرتے تھے یعنی عورت اسلام کی تبلیغ میں درس وتدریس معاشیات میں حتیٰ کہ جنگ میں باقاعدہ حصہ لیتی تھیں۔ اس دور کی تاریخ میں مسلمان عورت دنیا کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ معاملہ فہم اور فاعل عورت نظر آتی ہے۔

سورۃ النور کی آیت نمبر 31 میں عورتوں کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی کریں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں''۔

Marfat.com

تو سورۃ النور کی ہی آیت نمبر 30 میں مردوں کے لیے یہ فرمان الٰہی ہے،

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت، یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے''۔

دراصل اس حکم کا مقصد عورت پر بے جا پابندی عائد کرنا نہیں تھا بلکہ اس وقت مدینہ میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر عورتوں کو چھیڑ چھاڑ اور دوسرے نقصانات سے بچانا تھا، ورنہ عورت کے لیے گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ ملی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی کوئی ممانعت عائد نہیں ہوتی۔ اسلام نے عورت کو بہت باعزت مقام دیا ہے وہ اسے معاشرے کا مساوی فرد بنانا چاہتا ہے۔ وہ عورت کو مرد کی ہوس اور جنسی تسکین کی محض حقیر شے بننے کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ تو عورت کا مقام اسلام سے قبل تھا۔ اسی لیے وہ ملازمتیں جن میں عورت کو اپنی انسانی صلاحیتوں کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی نسوانی ساخت کو نمائشی قوت سمجھ کر ملازم رکھا جاتا ہے، ان کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اگر آپ سمجھنے کی کوشش کریں تو فرق بہت باریک مگر واضح ہے۔ یعنی درس وتدریس کا معزز پیشہ یا ڈاکٹری ونرسنگ کا پیشہ تو عورتوں کیلیے باعزت ہے مگر چند ایک ایسے پیشے ہیں جن میں تضاد رائے کا ہونا لازمی ہے مثلاً ائیر ہوسٹس، سیلز گرل یا سیکرٹری کا پیشہ۔

اسلام میں مندرجہ ذیل ملازمتوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔

1 جب عورت کے نسوانی حسن کو جنسی کشش کے طور پر اس لیے استعمال کیا جائے کہ اس سے ادارے کو یا تجارت کو فروغ ملے گا۔

2 ایسی ملازمت جہاں عورتوں کو محض اس لیے ملازم رکھا جائے کہ وہ بحیثیت عورت افسروں کی وقتی خوشی یا تسکین کا سامان بن سکے۔

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان محسوس کریں کہ اسلامی معاشرہ اس وقت تک بام وعروج تک نہیں پہنچ سکتا اور امت بیضاء اپنے مقصد کو اس وقت تک نہیں پاسکتی جب تک عورت کو مقام نہیں دیا جاتا جو اسے مذہب اسلام نے دیا اور جسے حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ نے عملی شکل دی۔

Marfat.com

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم اخلاق

دنیا میں انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے انسانوں میں کردار کی اعلیٰ صفات کی ضرورت اور اچھے اخلاق کی تخلیق کی افادیت اور اہمیت قابل تردید حقیقت ہے چنانچہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو تباہی اور گمراہی سے بچانے کے لیے ایسی عظیم ہستیاں پیدا کیں۔ جنہوں نے اپنے گفتار اور کردار سے انسانوں کو زندگی کے اعلیٰ نظریات کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ ان اخلاقی اصولوں پر خود عمل پیرا ہو کر انسانوں کو سیدھے راستے پر چلنا سکھا دیا۔ ہر دور میں دنیا کی رہبری اور ہدایت کے لیے رسولوں اور انبیاء کی عظیم اور برگزیدہ ہستیاں خدائے بزرگ و برتر نے معبوث فرمائیں۔ رشد و ہدایت کی آخری کڑی نبی معظم حضرت محمد کی ذات والا صفات ہے جو رہتی دنیا تک کل عالم انسانیت کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت کا ایک مکمل اور ابدی سرچشمہ ہے۔

آپ کی سیرت مبارکہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپؐ نے اپنے اخلاق عالیہ کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا، جو دین آپؐ لائے تھے اس کی اساس اور بنیاد ہی اخلاق کو قرار دیا۔ آپ کی سیرت طیبہ دراصل آپؐ کے حسن خلق ہی کی تشریح و توضیح ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، دین حکمت و بصیرت ہے اور دین علم و عمل ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے کامل ترین انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر معبوث فرمایا۔ آپ کی ذات اطہر سے جدا ہو کر نہ ہم صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی منزل مقصود کو پا سکتے ہیں۔ قرآن پاک نے آپ کی شخصیت کو رسالت و بشریت کا امتزاج، آپ کی رفتار و گفتار کو خلق عظیم، آپؐ کے اقوال و افعال کو حکمت و بصیرت اور آپ کی ذات اقدس کو

Marfat.com

اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا ہے۔آپؐ کی بعثت کسی ایک قوم، کسی ایک ملک، کسی ایک نسل یا کسی ایک زمانے کے لیے مخصوص نہ تھی۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک ایسا جامع اور مکمل ضابطہ حیات دے کر بھیجا تھا جو تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے تھا۔اس پیغام کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ انسان صرف خدا کی اطاعت و بندگی کرے جو اس کا خالق و مالک ہے اور اس کے سوا کسی کی محکومیت اور غلامی قبول نہ کرے۔ نبی کریمؐ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان اس دنیا میں جس صلاحیت، دولت طاقت اور اقتدار کا مالک بنا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔نبی کریمؐ نے اپنے قول وعمل کے ذریعے نہ صرف یہ کہ انفرادی زندگی کے طور پر طریقے سکھائے بلکہ اجتماعی زندگی گزارنے کے آداب بھی بتائے۔

سرورِ کونین ﷺ کی مقدس زندگی کا ہر لمحہ تاریخ ساز فیصلوں سے عبارت ہے۔آپؐ کا ہر فیصلہ انسانیت کی بھلائی کا ضامن اور اس کے عروج کی دلیل ہے۔آپؐ کے بروقت، برمحل اور صحیح فیصلوں نے انسانی معاشرے کی تشکیل و تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی۔

قرآنی تعلیمات اور نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں۔قرآن کے قانون اور مفہوم کو سمجھنے کے لئے حیات طیبہ اور احادیث کے مطالعے کی اہمیت اور افادیت سے انکار کفر ہے۔آج ہم حقوق انسانی کے حصول کے لیے اگر آپؐ کے خطبہ حجتہ الوداع کے ارشادات پر غور کریں تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امن وسلامتی، صلح و آشتی کے قیام کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور منشور انسانیت نہیں ہے۔آج بھی تمام عالم انسانیت کے لیے حضور نبی کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ، دنیا میں انسانی محبت، عالمگیر برادری، امن عالم کے استحکام اور انسانی اقدار کی نشاۃ ثانیہ اور انسانیت کی بقاء اور تمدنی ارتقاء کے لیے ابدی سرچشمہ ہے۔

آپؐ دنیا کی وہ واحد عظیم ترین شخصیت ہیں جس کا برملا اعتراف کئے بغیر دشمن اور بیگانہ بھی نہیں رہ سکتے۔زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔

اخلاق نبوی ﷺ سے متعلق احادیث مبارکہ:

Marfat.com

1۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ سے عرض کیا گیا کہ آپ کافروں کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا "میں لعنت کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں" (صحیح مسلم)۔

2۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ بہترین اور پسندیدہ اخلاق کو پورا کروں (سنن بیہقی)

3۔حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا کہ پیغمبرؐ کے اخلاق سے مجھے مطلع کرنا۔ انہوں نے واپس آکر یہ الفاظ ادا کیے "میں نے انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں" (صحیح مسلم)

4۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرمؐ کے اخلاق کیسے تھے، تو آپؓ نے جواباً فرمایا "سارا قرآن پاک آپ کا خلق مبارک ہے"۔

5۔اہل مکہ کی ایذاء رسانیوں کی جب انتہا ہوگئی تو حضور اکرمؐ نے یہ خیال فرما کر کہ طائف کا خطہ بہت سرسبز وشاداب ہے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں ابھی ایسی ہی تازگی ہوگی اور وہ اس پیغام ہدایت کو جو میں انسانیت کی بہتری کے لیے لایا ہوں بخوشی قبول کریں گے۔آپؐ طائف روانہ ہوگئے۔وہاں پہنچ کر خلاف امید اہل طائف کو سخت اذیت کوش پایا۔ایک غریب الوطن کے ساتھ یہ برتاؤ کہ قدم مبارک پتھروں کے ضرب سے لہولہان ہوگئے راہ چلنا دشوار ہوگیا۔اس وقت حضرت جبرائیل حاضر خدمت ہوکر عرض کرتے ہیں کہ "حکم ہوتو اہل طائف پر یہ پہاڑ جس کے دامن میں یہ بسے ہیں الٹ دیا جائے" ارشاد ہوتا ہے۔"نہیں شاید ان کی نسل میں کوئی اللہ کا ماننے والا پیدا ہوجائے"۔(سیرت ابن ہشام)

6۔حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اکرمؐ کی خدمت کی اور اس دوران آپؐ نے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔رسول خدا تمام لوگوں میں بہترین خلق کے مالک تھے (بخاری ومسلم)

7۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہؐ کسی کو برا بھلا نہیں کہا کرتے تھے۔

Marfat.com

برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگزر سے کام لیتے'' (بخاری و مسلم، ترمذی)

8۔مکہ فتح ہونے کے بعد آپؐ نے تمام قصورداروں کو معاف فرمایا، حالانکہ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔آپؐ نے فرمایا ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو'' (طبقات ابن سعد)

9۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ایک یہودی عالم تھا۔رسول خداؐ نے اس سے کچھ درہم قرض لے رکھے تھے۔یہودی نے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا، آپؐ نے فرمایا ''اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں کہ میں تیرا قرض چکا سکوں'' یہودی نے کہا کہ ''میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کردیں'' آپؐ نے وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔آپؐ کے چند ساتھی جو وہاں جمع ہو گئے تھے انہوں نے یہودی کو ڈرانے کی کوشش کی۔جب حضورؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے سختی سے منع فرمایا اور اشاد فرمایا کہ ''اللہ نے مجھے منع کر رکھا ہے کہ میں عہد والے شخص پر یا کسی اور پر ظلم کروں''۔چنانچہ آپؐ رات بھر وہیں بیٹھے رہے۔صبح ہوئی تو یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔یارسول اللہ میں نے آپؐ کے ساتھ اس لیے سختی کی تاکہ یہ دیکھوں کہ تورات میں آپؐ کی جو تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے آپؐ اس پر پورا اترتے ہیں یا نہیں اور وہ صفت کہ اللہ کا آخری رسولؐ بن عبداللہ ہے۔وہ بدزبان ہے نہ سخت دل۔بازاروں میں چلا چلا کر بولنے والا ہے اور نہ بے ہودہ گو۔اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔یہ مال حاضر ہے آپؐ اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر دیں۔(سنن بیہقی)

10۔عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔اس کی منافقت نے بارہا نازک مواقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور حضورؐ کو دلی ایذائیں دیں۔اس کے باوجود جب وہ فوت ہوا تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی کیونکہ بظاہر وہ مسلمانوں کے زمرے میں تھا۔اس واقعہ کے بعد وحی نازل ہوئی کہ اللہ منافقین کی بخشش نہیں کرے گا۔(صحیح بخاری)

Marfat.com

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ حسن اخلاق سے عالم کو نوازا جا سکے اور صرف عرب ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں انسانیت کی روح کو پھونکا جا سکے اور یہ محاسن اخلاق کا وہ عملی مظاہرہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضور اکرم ﷺ کی پوری حیات مقدسہ ہی اس حقیقت کا مظہر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فطری طور پر حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔ آپ ﷺ میں حسن اخلاق کی برکتیں اس طرح جھلکتی تھیں جیسے ''آفتاب کی شعاعوں میں تجلیات'' یہ ایک ایسی معجزانہ قوت و طاقت تھی جو ہر شخص کو آپ ﷺ کے سامنے جھکا دیتی تھی اور آپ ﷺ کی دعوت اسلام کی تاثیر کے جوہر کو بے پناہ طور پر نمایاں کر دیتی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ اس کو دیکھ کر انصاف پسند مخالفیں بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اہل طائف سے بظاہر درگزر کیا مگر باطنی طور پر حسن اخلاق کا اعلیٰ ترین اور بے مثل مظاہرہ کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''طائف میں''۔ اس لیے کہ طائف کے کفار نے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچائیں کہ آپ ﷺ خون سے تر ہو گئے اور آپ ﷺ کا تمام جسم اطہر زخموں سے چور تھا۔

کوئی بھی زمانہ ہو، تاریخ کا کوئی بھی باب ہو اور تہذیب و تمدن کا کوئی بھی سبق ہو وہ انسان کامل کے خلق عظیم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ تعمیر کیا

مزدوری میں محبوب خدا مانگ لیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو بتوں

سے پاک کر کے پرچم لہرایا

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب ومقرب بندوں کو خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، انہیں اپنا قرب خاص عطا فرماتا ہے اور نمایاں مقام پر فائز فرماتا ہے۔ وہ اپنے محبوب بندوں کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے اور انہیں آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔ان کی قوت ایمانی کا امتحان بھی لیتا ہے اور انہیں ارفع واعلیٰ مقامات پر فائز بھی کرتا ہے۔ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح کائنات میں سب سے بلند مراتب پر فائز فرمایا اور اپنے قرب ووصال کی نعمتوں سے نوازا اسی طرح انہیں بڑی کٹھن منزلوں سے بھی گزرنا پڑا۔ انہیں بڑی سے بڑی قربانی کا حکم ہوا لیکن ان کے مقام بندگی کا یہ اعجاز تھا کہ سرالموحکم ربی سے انحراف یا تساہل نہیں برتا، ان کی اطاعت، خشیت اور محبت کا یہی معیار تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اور اس میں موجود جملہ نعمتوں کو اپنے مولا کی رضا کے لیے وقف کیے رکھا، حتیٰ کہ اولاد جیسی عزیز ترین متاع کے قربان کرنے کا حکم بھی ملا تو ثابت کر دیا کہ یہ بھی اس کی راہ پر قربان کی جاسکتی ہے۔ جملہ انبیائے کرام اپنی شان بندگی میں یکتا اور بے مثال تھے لیکن سلسلہ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی داستان عزیمت بہت دلچسپ اور قابل رشک ہے۔ ان کے لیے اللہ کی راہ میں بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک بہت بڑی آزمائش میں بھی پورا اترے۔ قرآن کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

”اے میرے پروردگار مجھ کو نیک بیٹا عطا فرما۔ پس ہم نے ان کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت

Marfat.com

دی۔ پھر جب وہ (اسماعیلؑ) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے فرمایا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی غور کر لو کہ تمہارا کیا خیال ہے (اسماعیلؑ نے بلا تردد) عرض کیا اے ابا جان (پھر دیر کیا ہے) جو کچھ آپ کو حکم ہوا کر ڈالیے (جہاں تک میرا تعلق ہے) آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے (اللہ کا) حکم مان لیا اور (ابراہیمؑ نے) ان کو ماتھے کے بل الٹیا اور ہم نے ان کو ندا دی کہ اے ابراہیم (کیا خوب) تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (بے شک باپ کا بیٹے کے ذبح کے لیے تیار ہو جانا) یہ ایک بڑی صریح آزمائش تھی (حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش میں پورا اترے) اور ہم نے ایک عظیم قربانی کو ان کا فدیہ بنا دیا'' غور کیا جائے تو یہ مقام حیرت واستعجاب ہے۔ اللہ کا پیغمبر یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ آج تک کسی انسان کی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا اور اس پر لیت ولعل سے بھی کام لے سکتے تھے اور اس کا قرینہ بھی تھا کیونکہ یہ حکم آپ کو خواب میں دیا گیا تھا لیکن یہ پیغمبر کے ایمان وعمل کی رفعتیں ہیں کہ انہوں نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر سارا ماجرا اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو سنایا اور انہیں حکم نہیں دیا بلکہ ان سے رائے پوچھی۔ قربان جائیں اس پیغمبر زادے کی ایمان عظمتوں پر بھی جنہوں نے باپ کے خواب کو اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے سر تسلیم خم کر کے تاریخ انسانیت میں ذبح اللہ کا منفرد اعزاز حاصل کیا۔ حیات اسماعیل علیہ السلام کو تحفظ کیوں دیا گیا؟ اب ذہن انسانی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچانا ہی مقصود تھا تو پھر ان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم کیوں ہوا؟ اور اگر حکم ہوا تھا تو ان کی زندگی کو تحفظ کیوں دیا گیا اور اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ حکم اس لیے ہوا تا کہ سراپائے ایثار وقربانی حضرت ابراہیم کے لخت جگر سے ذبح کی تاریخ کی ابتداء ہو جائے کہ راہ حق میں قربانیاں دینے کا آغاز انبیاء کی سنت ہے اور حضرت اسماعیل کو بچایا اس لیے گیا کہ اس عظیم پیغمبر کی نسل پاک میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہونا تھی۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں تاجدار کائنات کو تشریف لانا تھا اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذبح کو جنت سے لائے گئے مینڈے

Marfat.com

کی قربانی کی صورت میں "عظیم ذبح" کے ساتھ بدل دیا گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام محفوظ و مامون رہے۔

تعمیر کعبہ سے کائنات کی امامت تک

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سن بلوغت کو پہنچے تو مکہ معظمہ کی وادی میں اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشریف لائے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے انہیں کعبۃ اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو سرورِ کائنات حضور رحمت عالم ﷺ کے جد امجد کے حصہ میں آیا۔ انہی کی نسل پاک میں مبعوث ہونے والے پیغمبر اعظم و آخر حضور نبی کریم ﷺ کے حصے میں یہ سعادت بھی آئی کہ کعبۃ اللہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے پاک کر کے اس پر پرچم توحید لہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مقدسہ پر ایک نظر ڈالیں تو کار نبوت کی انجام دہی میں انہیں ان گنت مصائب کا سامنا رہا اور آزمائش کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ اللہ کے اس عظیم پیغمبر نے راہ حق میں آنے والی ان مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور ہر آزمائش پر پورا اترے۔ کامیابی نے قدم قدم پر ان کے قدموں کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی داستان عزیمت کو شاندار الفاظ میں دہرایا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ پوری کردیں، (اس پر) اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، انہوں نے عرض کیا (کیا) میری اولاد میں سے بھی؟ ارشاد ہوا (ہاں) مگر میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا" آزمائش کا مرحلہ گزر گیا۔ کامیابی کا نور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس پیشانی پر چمکنے لگا، اس وقت پیغام حق آیا کہ اے ابراہیم! ہم نے تیری عبدیت کو پرکھ لیا، ہم نے تیری شان خلیل کا امتحان لے لیا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ تیرے دل میں ہماری محبت کے کتنے سمندر موجزن ہیں، ہم نے تیری قربانیوں کا بھی

Marfat.com

مشاہدہ کیا، قدم قدم پر تیرے صبر و استقامت کو بھی دیکھا، ہم نے تیرے توکل اور کلمہ شکر کی ادائیگی کا حسن بھی دیکھا، ان تمام آزمائشوں پر پورا اترنے کے بعد اے ابراہیم! اب ایک خوشخبری بھی سن لے، ایک مژدہ جانفزا بھی سماعت کر، وہ یہ کہ میں تجھے نسل بنی آدم کی امامت عطا کرتا ہوں یعنی پوری انسانیت کی امامت، تمام امتوں کی امامت، اقوام عالم کی امامت، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا، باری تعالیٰ یہ امامت صرف میرے لیے یا میری ذریت اور نسل کے لیے بھی؟ ارشاد ہوا ہم نے تجھے بھی امامت دی اور یہ امامت تیری ذریت اور نسل کو بھی عطا کی، مگر شرط یہ ہے کہ یہ امامت اس کا مقدر بنے گی جو تیرے نقش قدم پر چلے اور صراط مستقیم کو اپنائے گا، لیکن جو تیری راہ سے منحرف ہوگا، امامت کا حق دار نہ ہوگا اس کے بعد تعمیر کعبہ کا حکم ہوا۔ عظیم باپ اور عظیم بیٹا تعمیر کعبہ میں مصروف ہو گئے، ایک ایک پتھر لاتے اور کعبہ کی دیواریں تعمیر کرتے، دیوارایں بلند ہوگئیں، ایک پتھر عطا ہوا جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ جوں جوں دیواریں اونچی ہو رہی تھیں توں توں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ میں اپنے والد گرامی کی معاونت فرماتے اور پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ۔ دونوں جلیل القدر پیغمبر بارگاہ خداوندی میں ساتھ ساتھ دعا بھی کر رہے ہیں کہ مولا! ہم تیرے گھر کی تعمیر کر رہے ہیں ہماری یہ مشقت قبول فرما۔ یا باری تعالیٰ ہماری جبینیں تیرے حضور جھکی رہیں، ہمارے سجدوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ ہماری آل اور ذریت میں اسے امت مسلمہ پیدا کر۔ پھر عرض کیا، باری تعالیٰ ہم نے تیرے گھر کی دیواریں بلند کی ہیں ہم نے اپنی ذریت میں سے امت مسلمہ مانگ لی ہے۔ اسے خدائے رحیم و کریم، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک ہر زمانے میں نبی آخرالزماں کے ظہور کا اعلان کرتا رہا ہے، یہ سلسلہ نبوت و رسالت اس مقدس ہستی پر جا کر ختم ہو جائے گا وہ رسول معظم کی خاطر تو نے یہ بزم کائنات سجائی۔ کرہ ارض پر ہزار ہا انبیاء کو مبعوث فرمایا وہ رسول آخر جس کے لیے تو نے متوں کو پیدا کیا۔ دنیائے رنگ و بو کو آراستہ کیا، آبشاروں کو نکال کر زمین کو سرسبز کیا ہواؤں کو چلنے کی خو عطا فرمائی، وہ رسول برحق جس کی خاطر تو نے اپنا جلوہ بے

Marfat.com

نقاب کیا، جس کی خاطر تو نے اپنی مخلوقات کو پردہ عدم سے وجود بخشا، جس کی خاطر تو نے انسانوں کے لیے ہدایت آسمانی کے سلسلے کا آغاز کیا۔ اس رسول معلم اور اس نبی آخر الزمان کا اس کائنات رنگ و بو میں ظہور ہونے والا ہے، باری تعالیٰ نے فرمایا ہاں ابراہیم ہمارا وہ محبوب رسول آنے والا، بتا تو کیا چاہتا ہے۔ فرمایا رب کائنات! اگر تو میرے کعبہ کی ہمیں مزدوری دینا چاہتا ہے، اگر تعمیل حکم میں ہمیں تو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اے پروردگار اپنے اس آخری رسول کو میری اولاد میں مبعوث ہونے کا شرف عطا فرما۔ میری ذریت کو نور محمدی کے جلووں سے ہمکنار کر دے، میری اولاد کو حضور ﷺ کی قدم بوسی کی سعادت بخش دے، مولا! مجھے اپنا محبوب دے دے۔ ارشاد ہوا ابراہیم تو نے تین چیزیں 1۔ بنوت رسالت 2۔ ختم نبوت 3۔ امت مسلمہ اپنی ذریت کے لیے مانگ لی ہیں۔ ابراہم تو نے میری محبت اور رضا کے لیے میرا گھر تعمیر کیا ہے اور دعا بھی وہ مانگی ہے جسے میں رد نہیں کر سکتا اس لیے ابراہیم! جا ہم نے تجھے تیری مزدوری کے صلے میں یہ تینوں چیزیں عطا کر دیں۔

پتھر کی عظمت

روایات میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر اپنی نسل میں تاجدار کائنات کی ولادت باسعادت کی دعا مانگی تھی یہ وہی پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ نے تعمیر کعبہ کا کام سرانجام دیا تھا۔ اس مقدس پتھر کی عظمت پر جان و دل نثار جس پر کھڑے ہو کر اپنی اولاد میں نبی آخر الزماں سے مبعوث ہونے کی دعا مانگی جارہی ہے۔ رب نے کہا۔ اے بے جان پتھر تجھے خبر ہے تجھ پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے ہم سے کیا مانگ لیا ہے اس لمحے کو اپنے سینے میں محفوظ کر لے کہ یہ لمحہ قبولیت کا لمحہ ہے۔ اس لمحے ہمارے محبوب کی آمد کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت رسول کائنات کے تذکرہ کا رجلیلہ سے روح کائنات معطر ہے، قدرت خداوندی سے پتھر موم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان قیامت تک کے لیے اس میں پیوست ہو گئے۔ اس پتھر کا اعزاز یہ تھا کہ اس پر کھڑے ہو کر اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر نے اس کے محبوب کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔ اللہ کے نبی کی نسبت

Marfat.com

سے وہ پتھر بھی محترم ہو گیا۔ بے شمار پتھروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان لگے ہوں گے۔ ان گنت پتھروں نے کف پائے ابراہیم علیہ السلام کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا ہوگا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ وہ نقوش مٹتے گئے۔ ماہ و سال کی گرد انہیں اپنے دامن میں چھپاتی رہی مگر جس پتھر پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے طلوع صبح میلاد کی دعا مانگی تھی، اللہ سے اس کے محبوب کو مانگا تھا کونین کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی آرزو کی تھی وہ پتھر حرم اقدس میں مقام ابراہیم پر قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ فرمایا اس پتھر کو کعبے کے سامنے گاڑ دو، اس وقت تک میرے گھر کا طواف مکمل نہیں ہوگا جب تک طواف کرنے والے اس پتھر کے سامنے میرے حضور سجدہ ریز نہ ہوں گے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمام انعامات و اکرامات صدقہ ہے اس پتھر کا۔

دعائے خلیل کی قبولیت

دعائے خلیل خلعت قبولیت عطا ہوئی کونین کی دولت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دامن طلب میں ڈال دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حیات مقدسہ میں حضرت اسماعیل کی قربانی کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی وجہ سے انہیں بارگاہ خداوندی سے شرف امامت بھی عطا کیا گیا ہے۔ باپ بیٹے نے تسلیم جاں کا یہ اظہار زبانی کلامی نہیں کیا بلکہ عملاً حکم کی بجا آوری کے لیے بیٹے کی قربانی کی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں چھری بھی لے لی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی محفوظ رہی کہ ان کی نسل پاک سے نبی آخر الزماں کی ولادت باسعادت ہونا تھی، خدائے بزرگ و برتر نے وفدیناہ بذبح عظیم کہہ کر اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کو ذبح عظیم کا فدیہ قرار دیا۔ فرزند پیغمبر کی قربانی ہونا بعثت مصطفےٰ کی خاطر موقوف ہوئی۔

Marfat.com

انسانِ کامل، محسنِ انسانیت

حضرت محمد ﷺ مثالی شوہر

سرابرہ خانہ کی حیثیت سے آپ ﷺ نے جو اسوۂ حسنہ امت کے سامنے پیش فرمایا وہ اسلامی تاریخ کا گراں بہا سرمایہ اور سیرت طیبہ کا ایک روشن باب ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ختمی مرتبت، پیغمبر رحمت، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ آپ ﷺ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لیے سرچشمہ ہدایت بھی ہے اور مرکز عشق و محبت بھی۔ مسلمانوں کا دینی، تہذیبی سیاسی معاشرتی نظام اور ضابطہ حیات آپ ﷺ ہی کے اسوہ حسنہ پر قائم ہے اور عمل کی دنیا بھی آپ ﷺ ہی کے احکام پر استوار ہے۔ معراج خیال بھی آپ ﷺ ہی کی تعلیم اور آپ ﷺ ہی کا پیغام ہے اور میزان عمل بھی آپ ﷺ ہی کی سنت و شریعت ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب، فخر دو عالم، سرور کائنات محسن انسانیت ﷺ کو آخری رسول ﷺ فائنل رول ماڈل اور کامل اسوہ حسنہ بنا کر معبوث فرمایا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کیا خوب کہتے ہیں ”ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر لائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ اور صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ زندگی کے لیے نمونہ اور سیرت کی دوستی و اصلاح کے لیے سامان ظلمت خانہ کے لیے ہدایات کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمدم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے“ (خطبات مدراس)

معلم انسانیت، پیغمبر رحمت، سرور کائنات حضرت محمد ﷺ انسان کامل اور ہادی عظیم تھے،

Marfat.com

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور آپ ﷺ کی سیرت و کردار کا ہر رخ امت مسلمہ کے لیے روشن اور کامل و مکمل نمونہ اور اسوہ حسنہ ہے آپ ﷺ امت کے ہادی، رہبر اور انسانیت کے معلم ہیں۔ آپ عام زندگی اور معاشرت میں انسان کامل تھے۔ آپ ﷺ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی، شوہر بھی تھے اور بھائی بھی عمر میں چھوٹے بھی تھے اور باپ بھی شوہر بھی، سیاسی معاشی سماجی، معاشرتی اور عائلی زندگی میں ہر حیثیت سے شاہراہ حیات پر ایسے نقوش چھوڑ گئے جو ابد تک امت مسلمہ کے لیے ایک روشن نمونہ اور معیار عمل بنے رہیں گے۔

آپ ﷺ کی مثالی تعلیمات اور اسوہ حسنہ ہر عہد اور ہر دور میں مسلمانوں کی وقت و رفعت کا سرچشمہ اور ان کی قومی و ملی سیرت کی تشکیل، تعبیر کا بنیادی عنصر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل راہنمائی کی ہے۔ آپ ﷺ کا عطا کردہ نظام کامل مکمل اور مینار نور ہے۔

''بحیثیت شوہر'' اور سربراہ خاندان آپ ﷺ نے جو اسوہ حسنہ امت کے لیے پیش فرمایا، وہ اسلامی تاریخ کا گراں بہا سرمایہ اور سیرت طیبہ کا ایک روشن باب ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں سب سے زیادہ اہمتی خاندانی نظام، عائلی زندگی اور گھریلو تعلقات کو حاصل ہے، تاریخ انسانی ایسے افراد اور مشاہیر کے ذکر سے معمور ہے۔ جنہوں نے زندگی کے مختلف میدانوں میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی بناء پر انہیں شہرت حاصل ہوئی لیکن ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے خاندانی تعلقات، گھریلو ماحول اور خانگی زندگی سے متعلق زندگی کی ایسی تفصیلات ہمارے پاس موجود ہوں جو دوسروں کے لیے قابل تقلید اور لائق اتباع ہوسکیں۔ یہ شرف یہ امتیاز اور یہ فضیلت رب العالمین نے حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کو ہی عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ، سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کا ہر گوشہ اور ہر پہلو امت کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور مینارہ نور ہے۔ آپ ﷺ کی خانگی زندگی اور بحیثیت شوہر اور سربراہ خاندان آپ ﷺ کی سیرت و کردار امت کے لیے ایک روشن نمونہ ہے۔ چنانچہ ایک شوہر اور فریق حیات کی

Marfat.com

حیثیت سے رہبر کامل حضرت محمد ﷺ کی سیرت و کردار اور شوہر اور سربراہ خانہ کے لیے ایک لائق تقلید نمونہ ہے۔ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم میں سب سے بھلے اور بہتر وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے اہل خانہ اور اپنی بیویوں کے لیے بھلے ہوں'' (ترمذی)

محسن انسانیت و پیغمبر رحمت حضرت محمد ﷺ نے بحیثیت شوہر اور سربراہ خاندان خواتین سے حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تعلیم دی۔قرآن کریم میں اس حوالے سے جو اسلوب اختیار کیا گیا وہ نہایت منفرد، جامع اور نصیحت آموز ہے۔ارشاد ہوا ''ان کے ساتھ معاشرت ، معاملات ،طرز زندگی اور برتاؤ معروف طریقے سے کرو، ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ'' ''معروف'' کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کرنے کے الفاظ بہت جامع اور عام ہیں۔قرآن کریم کی اگر اسی ایک آیت کو سامنے رکھا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے تو خواتین پر ظلم وستم کا خاتمہ ہو جائے اور ان سے حسن سلوک کی روش عام ہو جائے ۔قرآن کریم میں ایک مقام پر خاندانی نظام کی اساس اور خانگی زندگی کی بنیاد ''میاں بیوی کے باہمی تعلق اور ان کے مابین حسن معاشرت و رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اہم نشانی کے طور پر بیان فرمایا ہے، چنانچہ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے ''یہ اس (اللہ) کی رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے تا کہ اس کی وجہ سے تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے درمیان مودات (باہمی تعلق دوستی) اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا،غور وفکر کرنے والوں کے لیے ان میں نشانیاں ہیں'' (سورۃ الروم 30-31)

اس آیت کے ذیل میں معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ''اسلام کا صراط مستقیم افراط تفریط کے ربط سے نکلا ہے وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے اور نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے۔اس نے عورت (بیوی، رفیقہ حیات) کی تعریف یہ کی کہ وہ مرد کے لیے اس کش مکش گاہ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے''۔

رسول ﷺ امت کے معلم و مربی ہیں۔آپ ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نکاح کے بندھن میں بندھنے والے ''میاں بیوی'' باہمی خیر خواہی و خیر سگالی کے

Marfat.com

جذبات سے سرشار ہوں۔ ایک دوسرے کے لیے فرحت وسکونیت کا ذریعہ ہوں۔ قرآن کریم نے اس رشتے کی لطافتوں اور نزاکتوں کو نہایت بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ''وہ عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو'' (سورۃ البقرہ)۔

سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں ''ہم اسلام کی آمد سے قبل عورتوں (بیویوں) کو کسی شمار وقطار میں نہیں لاتے تھے، اسلام آیا تو اس نے ان کے متعلق احکام صادر فرمائے اور ان کے حقوق مقرر کیے (صحیح بخاری)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کا نگہبان اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نسبت باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے بیوی بچوں کا رکھوالا (سربراہ خاندان) ہے، اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے اس سے اس کی پوچھ ہوگی'' (صحیح بخاری)

مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ایمان والوں میں کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں، جو اپنی خواتین کے لیے بہتر ہیں (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''دنیا تمام سامان زندگی ہے اور دنیا کا بہترین سامان زندگی نیک صالح عورت'' محسن انسانیت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب تم (نیا) لباس خود بناؤ تو اس کا لباس بھی بنواؤ (سنن ابوداؤد) محسن انسانیت ﷺ نے احترام انسانیت اور حقوق انسانی کے عالمی منشور ''خطبہ حجتہ الوداع'' کے تاریخ ساز موقع پر امت اور پوری انسانیت کے نام اپنے پیغام میں فرمایا ''اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمے حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے۔ بلاشبہ عورتیں (تمہاری بیویاں) تمہارے پاس مقید (زیر کفالت) ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے اور انہیں اپنے اوپر اللہ کے

Marfat.com

کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے لہذا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی (حسن معاشرت اور حسن سلوک) کرنے کی میری وسنت قبول کرو"

ایک مثالی شوہر کی حیثیت سے محسن انسانیت ﷺ کا اسوۂ حسنہ حسن معاشرت اور خانگی زندگی کا وہ کامل ترین نمونہ ہے جو سرکار دو جہاں، محسن نسواں حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کے سوا کسی دوسری زندگی میں نظر نہیں آتا۔ آج سے چودہ سو سال قبل کی معاشرتی زندگی اور عالمی تہذیب وتمدن کی جانب نگاہ ڈالیے، تاریخ کے اس تاریک دور میں عورت کا کیا مقام ومرتبہ تھا، بحیثیت بیوی عورت کو کیا حقوق حاصل تھے، روما کی تہذیب "عورت" کو بدی کا سرچشمہ اور لعنت کہہ رہی تھی۔ عالمی تہذیب وتمدن کے مراکز یونان اور فارس میں عورت کو مرد کے دامن پر ایک بدنما داغ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں عورت مرد کی داسی اور غلام تھی، مغربی دنیا کے فلاسفر اور مفکرین اس بحث میں مصروف تھے کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ مشرق ومغرب کی مذہبی دنیا کا یہ خیال تھا کہ مرد وعورت کا ازدواجی رشتہ مرد کی روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عورت کی مظلومی کے اس تاریک دور میں قرآن کریم نے عورت کی عزت وعظمت کا اعلان کیا اور حسن معاشرت کے اس فرمان اور انسانی اصلاح کے ابدی قانون کو محسن انسانیت ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ سے ایک زندہ حقیقت بنا کر دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ اس کا اعتراف کیے بغیر چارہ کار نہیں کہ اسلام معاشرتی اصلاح کے مکمل دستور کیساتھ اگر سرور کائنات، معلم انسانیت ہادی اعظم حضرت محمد ﷺ کی گھریلو زندگی کا حسن معاشرت پر مبنی عملی نقشہ عالم انسانیت کے سامنے نہ ہوتا تو صدیوں کی بگڑی ہوئی سوسائٹی اور عالمی تہذیب "عورت" کو باعزت مقام ومرتبہ دینے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتی۔

سرکار دو جہاں ﷺ نے بحیثیت شوہر اور سربراہ خاندان اپنی گھریلو زندگی کو محبت وفا اور ایثار وتعاون سے مثالی طرز معاشرت کا حسین نمونہ بنایا "دنیا کو تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام نے حسن معاشرت اور خانگی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ برحق اور انسانی فطرت کی آواز ہے۔

Marfat.com

ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہیں اور میں اپنی بیویوں (ازواج مطہراتؓ) کے لیے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی ابن ماجہ)

کاشانہ نبوی ﷺ میں بیتے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تاریخی لمحات امت کے لیے اسوہ حسنہ اور ایک روشن نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، امام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا، رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی کیسی تھی؟ آپ ﷺ کے گھریلو معمولات کیا تھے؟ یہ سن کر ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا'' آپ ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے، اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی فرمالیتے، بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتے نیز اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیتے، اپنے جوتے مرمت کر لیتے اور یہ کہ پانی کے ڈول کو ٹانکے لگاتے، بوجھ اٹھا لیتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر کام کرتے، مثلاً اسے آٹا پسوا دیتے اور کبھی اکیلے ہی محنت مشقت کے کام کر لیتے، بازار جانے میں بھی عار نہ تھا، خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے'' لوگوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ رسول خدا ﷺ جب گھر میں ہوتے تو کیا رنگ رہتا؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'' سب سے زیادہ نرم دل، نرم خو، ہمیشہ مسکرانے والے، خندہ جبیں، اور اس نرم خوئی کی شان یہ تھی کہ کبھی کسی خادم کو جھڑکا نہیں۔ حق یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل وعیال کے لیے شفیق نہ تھا'' (صحیح مسلم)۔ بحیثیت مثالی شوہر خانگی زندگی کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے روشن اور درخشاں پہلوؤں اور دل کش نقوش سیرت میں ایک نقش یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ امہات المومنینؓ کی دل بستگی، تفریح طبع، اور راحت ومسرت کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔ ام المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا (میرے والد) حضرت ابو بکرؓ (ہمارے گھر) تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے حوالے سے انصار کی بہادری کے گیت گا رہی تھیں۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ یہ گانے والی نہ تھیں، (یہ دیکھ کر)

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطانی باجا؟ یہ عید کے تہوار کی بات ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکرؓ (رہنے دو) ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ بخدا، میں وہ منظر آج بھی دیکھ رہی ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے تھے اور حبشی اپنے ہتھیاروں سے آپ ﷺ کی مسجد کے صحن میں جنگی مشقیں کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے تاکہ میں ان کی مشقیں دیکھتی رہوں۔ آپ ﷺ میری وجہ سے قیام فرما رہے تھے، یہاں تک کہ میرا دل بھر گیا اور میں خود وہاں سے چلی گئی، اب تم خود ہی اندازہ کرلو کہ ایک کم سن اور کھیل کی شائق لڑکی کتنی دیر کھیل کو دیکھتی ہے (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں، فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی، کچھ عرصہ بعد جب میرا وزن بڑھ گیا تو میں نے پھر آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ لگائی، اس دفعہ آپ ﷺ مجھ پر سبقت لے گئے اور فرمایا (عائشہ) یہ اس جیت کا بدلہ ہو گیا''۔

حضرت اسودؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ گھر والوں کے کاموں میں مشغول رہتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو (تمام کاموں کو ترک کر کے) نماز کے لیے تشریف لے جاتے''۔ (ترمذی)

آپ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کے مکانات چھوٹے چھوٹے حجروں پر مشتمل تھے۔ جن میں سے ہر زوجہ محترمہ کو ایک حجرہ حاصل تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی خوش نصیب ازواج مطہراتؓ آپ ﷺ کے ساتھ گزری ہوئی ایک گھڑی کے عوض پوری دنیا کو بھی لینا گوارا نہ کرتی تھیں۔ وہ سب اسی حال پر مطمئن اور خوش تھیں اور اسی میں لطف محسوس کرتی تھیں۔

Marfat.com

تعلیمات نبوی ﷺ

کی روشنی میں بچوں کے ساتھ سلوک

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص ہمارے بچوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں''

عالم انسانیت کے ہجوم میں رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور حیات طیبہ ایک مکمل اور مستقل سرچشمہ ہدایت ہیں۔ رحمت عالم کی روش حیات، آپ ﷺ کے اقوال، آپ ﷺ کے اعمال، آپ ﷺ کے پیغامات اور آپ ﷺ کا انداز رہنمائی یعنی آپ ﷺ کی شخصیت کا ہر پہلو تمام انسانیت کے لیے مشعل راہ اور نشانِ منزل ہیں۔

آپ ﷺ نے عالم انسانیت کے قائد سالار افواج، حکام، مدبر، مشیر معاہدات اور معیاری معلم اخلاق اور ایک ایسے مصلح انسانیت کی حیثیت سے جو ہمیشہ مفاد انسانی کے بلند نقطۂ نظر سے سوچتا ہو۔ اسلامی معاشرہ کے ہر عملی پہلو میں اپنے لازوال نقوش ونشانات چھوڑے ہیں۔ سیرت نبی ﷺ میں ہمیں وہ محاسن نظر آتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو تمام عالم انسانیت کا رہبر ثابت کیا۔ صداقت شعاری، دیانت، معاملہ، اعتماد، رحم، استقلال، اللہ پر توکل، طمانیت قلب، حق کے لیے سعی وثابت قدمی، عالمگیر محبت، حسن عمل اور شرافت کردار پر اصرار، انسانیت کے یہ بنیادی اصول رسول کریم ﷺ کی روزمرہ زندگی کے معمولات تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ کشمکش حیات کے ہر پہلو

Marfat.com

میں یہ صفات جمیلہ ہر انسان کے لیے قابل عمل ہیں، یہی آپ ﷺ کی لافانی عظمت اور نسل انسانی پر آپ ﷺ کی فوقیت و برتری کا ثبوت ہے۔

رحمتہ اللعالمین ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ اس لیے بچوں پر بھی آپ ﷺ کی خاص عنایت اور چشم التفات تھی۔ سرور کونین ﷺ در یتیم تھے اور آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی انتہائی محنت اور جانفشانی میں گزری تھی۔ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل ہی آپ ﷺ کے والد ماجد کا سایہ آپ ﷺ سر سے اٹھ گیا اور کمسنی میں آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ابتدائی دوران بچوں سے بالکل مختلف تھا جو نہ صرف کھیل کود تفنن طبع اور سیر و تفریح میں اپنا وقت گزار دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ عہد طفلی میں دن کا بیشتر حصہ بکریاں چرانے اور گھر کے کام کاج میں گزار دیتے۔ آپ ﷺ کے شب و روز بچپن سے ہی بے حد مصروف تھے چونکہ آپ ﷺ نے ابتدائی عرصہ حیات سے والدین کی شفقت نہ دیکھی تھی۔ اس لیے آپ کے دل میں کمسن اور معصوم بچوں کے لیے خاص سوز و گداز تھا۔ آپ ﷺ بچوں کی زندگی میں کسی قسم کی تشنگی اور محرومی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

حضور ﷺ کی آمد سے پہلے بچوں کے ساتھ انتہائی سرد مہری برتی جاتی تھی اور نہایت سنگدلانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ننھی ننھی معصوم بچیوں کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کر دیا جاتا یا انہیں قتل کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے ان تمام بیہمانہ رسوم و رواجات کو ختم کیا اور بچوں سے شفقت اور محبت کرنے کا درس دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہمارے بچوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

ایک روز آپ ﷺ حضرت حسن کو چوم رہے تھے آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس ؓ تمیمی بیٹھے تھے دیکھ کر کہنے لگے کہ: میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (یعنی اللہ اس پر رحم نہیں

Marfat.com

کرتا)۔ایک بار ایک بندہ آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ ﷺ بچوں کو چومتے ہیں لیکن ہم نہیں چومتے"۔آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تمہارے دل سے رحم نکال دے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

آپؐ نے خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی گھریلو زندگی میں جو اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے، اس میں نہایت لطیف اور نرم و نازک احساسات اور انسانی جذبات کی کارفرمائی کا عکس ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسا اخلاقی اور روحانی نظم و ضبط بھی نظر آتا ہے جو ان احساسات اور جذبات میں موزونیت اور تناسب پیدا کرتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کو اپنی اولاد سے بے پناہ محبت تھی، ایک شفیق والد کی حیثیت سے آپ نے مختلف مواقع پر شفقت پدری کا اظہار فرمایا۔ کمسنی میں انتقال کرنے والے بیٹے، شادی شدہ بیٹیاں، نواسیاں اور نواسے سب ہی آپؐ کی محبت سے فیض یاب ہوئے۔

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ہمیں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ہاں یہ فطری جذبہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔آپ کی ذات اعلیٰ صفات کیونکہ کامل اور مکمل تھی اس لیے آپ کی حیات کے اس پہلو میں بھی آپ کی شخصیت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔آپؐ نے اپنے صاحبزادے ابراہیمؓ کی ولادت اور وفات پر جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، وہ آپ کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔آپؐ نے حضرت ابراہیم کی پیدائش کی خوشخبری سنانے والے ابورافع کو ایک غلام عنایت کیا، ان کا عقیقہ کیا اور ان کے سر کے بالوں کے برابر چاندی بطور صدقہ دی۔آپ ﷺ حضرت جبرائیلؑ کا دیا ہوا لقب یعنی "اے ابراہیم کے والد" لوگوں کو مسرت سے سناتے تھے۔جب ننھے ابراہیم کا انتقال ہوا تو سرورِ کونین ﷺ کے پدری شفقت و محبت کے جذبات کی فراوانی اور شدید غم کا اظہار ہمیں احادیث اور سیرت کی کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابوسیف کے گھر پہنچے۔وہ ابراہیم کی رضاعی ماں کے شوہر تھے۔ابراہیم کو رسول اللہ ﷺ نے اٹھایا اور ان کے منہ پر اپنا

Marfat.com

منہ رکھ کر بوسہ دیا۔

ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے۔رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ رو رہے ہیں؟

فرمایا: اے ابن عوف یہ شفقت ورحمت ہے۔

آپؐ پھر رودیئے اور فرمایا: آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی بات جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہم! ہم تمہارے فراق کے باعث غمگین ہیں۔

آنحضورؐ کو اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ بھی بے حد محبت تھی۔حضورؐ کی بڑی بیٹی حضرت زینبؓ کے شوہر گرفتار ہو گئے تو فدیہ کے لیے حضرت زینبؓ نے ہار بھیجا۔اس موقع پر آنحضورؐ کے ذاتی تاثر میں بیٹی سے شفقت اور محبت کے جذبات نے اپنا اثر دکھایا اور آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد ہار واپس کر دیا۔ایک بار پھر ابوالعاص دوبارہ مسلمانوں کی زد میں آ گئے اور ان کا مال ضبط ہو گیا۔اس پر انہوں نے حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر لی۔رسول اکرمؐ نے اپنے مشیروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا تمام سامان واپس کر دو، اس پر آپؐ کے تمام رفقاء نے اتفاق رائے سے ابوالعاص کا تمام سامان واپس کر دیا۔رسول کریم ﷺ کی کریم النفسی سے ابوالعاص اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔رسول کریم ﷺ ابوالعاصؓ کے متعلق ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار کرتے تھے کیونکہ حضرت زینبؓ کو ان سے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر ہجرت کی''۔حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد آنحضور ﷺ نے اپنی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔حضورؐ کے اس فیصلے سے بیٹی کے لیے ایک مناسب اور موزوں شوہر کی آرزو کی تسکین کا اظہار ہوتا ہے۔حضرت عثمانؓ نے آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں سے جو حسن سلوک کیا اس کی آپؐ نے ہمیشہ تعریف کی۔

Marfat.com

نبی ﷺ کو اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرہؓ سے بے حد پیار تھا۔ اس سلسلے میں آپؐ نے بیشتر مواقع پر اپنی پدارانہ شفقت کا اظہار فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: فاطمہ خواتین جنت کی سردار ہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو اپنے نواسوں اور نواسیوں سے بے پناہ محبت تھی۔ محبت کے اس فطری جذبے کے اظہار سے آپؐ نے کبھی گریز نہیں کیا اور نہ ہی اس کو پیغمبرانہ شان کے خلاف سمجھا۔ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہو گیا تو آپؐ بہت غمزدہ ہوئے۔

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپؐ کو کہلا بھیجا کہ میرا لڑکا قریب الوفات ہے، اس لیے آپ تشریف لائیں۔ آپؐ کی جانب سے جواب دیا گیا کہ سلام کہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کی جو چیز تھی وہ اس نے لے لی اور اس کی ہے وہ چیز جو اس نے دی اور ہر شخص کی ایک مدت مقرر ہے اس لیے صبر سے کام لو، آپ کھڑے ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور کچھ دیگر حضرات تھے۔ وہ لڑکا رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ بچہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ پس آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ سعدؓ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا، یہ اللہ کی رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرنے والوں پر ہی رحم کرتا ہے۔

حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ سے آپ بڑی شفقت فرماتے تھے، حتیٰ کہ نماز میں بھی وہ آپؐ کے کندھے پر کبھی کبھی سوار ہوتیں۔

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ امامہ بنت ابوالعاصؓ آپؐ کے کندھے پر تھیں۔ آپؐ نے اسی حالت میں نماز پڑھی، جب رکوع کرتے تو اسے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے تھے۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے پاس تحائف آئے۔ اس میں سیاہ وسفید عقیق کا ایک ہار بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا، میں اسے اپنے محبوب ترین فرد کو دوں گا، ازواج مطہرات نے کہا کہ عائشہؓ لے جائیں گی۔ مگر آپؐ نے امامہ بنت زینبؓ کو بلایا اور اس کے گلے میں ڈال دیا۔

اسی طرح آپؐ حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ سے پیار کرتے تھے۔ آپؐ ان کو اٹھا لیتے، ان کے لیے دعائیں کرتے اور ان کی تعریفیں کرتے اور صحابہ کرامؓ کو ان سے محبت کی تلقین فرماتے۔

اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک ضرورت سے رات کو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ ایک چیز کو لپیٹے ہوئے تھے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کیا ہے۔ جب میں آپؐ سے اپنی ضرورت عرض کر چکا اور اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا تو میں نے عرض کیا حضورؐ آپ یہ کیا چیز اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے اس چیز کو کھولا تو وہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے جو آپ کی دونوں بغلوں میں تھے اور آپؐ ان پر اپنی چادر ڈالے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''یہ دونوں میرے نواسے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں'' تو بھی ان سے محبت کر اور جو شخص ان سے محبت کرے اس سے محبت کر''۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حسنؓ اور حسینؓ میرے دنیا کے دو پھول ہیں''۔ عبداللہ بن بریدہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے، اچانک حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آگئے وہ چلتے تھے اور گر پڑتے۔ آپؐ ممبر سے اترے۔ ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا دیا۔ پھر فرمایا کہ ''اللہ نے سچ کہا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش کی چیزیں ہیں، میں نے دونوں بچوں کو دیکھا کہ یہ چلتے ہیں اور گر پڑتے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کو قطع کر دیا۔

Marfat.com

ابن مسعود اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ ہمارے پاس آئے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے۔ ایک اس کندھے پر اور دوسرے اس کندھے اور دوسرے اس کندھے پر، کبھی اسے بوسہ دیتے کبھی اسے، حتیٰ کہ ہم تک پہنچ گئے فرمایا: ''جوان سے محبت کرے گا، اس نے مجھ سے محبت کی اور جوان سے بغض رکھے گا، اس نے مجھ سے بغض کیا۔''

اس سلسلے میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ سجدہ کرتے حسنؓ اور حسینؓ آپ کی پشت پر چڑھ جاتے۔ جو لوگ انہیں روکنے کی کوشش کرتے تو آپؐ اشارہ فرماتے کہ انہیں چھوڑ دو، جب نماز ختم ہوگئی تو آپؐ نے انہیں گود میں لیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے ان دونوں سے محبت کرنی چاہیے۔

اپنے خاندان کے بچوں کے علاوہ آنحضورﷺ عام بچوں سے بھی بے حد شفقت فرماتے تھے، آپ کو بچوں کی تربیت اور ان کے آرام کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ آنحضورﷺ نے بچوں کی تعلیم کے بارے میں ہدایت اور تلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں آپؐ کے بہت سے ارشادات ملتے ہیں۔ مثلاً کسی والد کا اچھی تعلیم و تربیت سے افضل اولاد کے لیے کوئی عطیہ نہیں اور تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

جابر بن سمرہؓ ایک صحابی تھے وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرتﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف چلے تو میں بھی آپؐ کے ساتھ ہولیا۔ ادھر سے چند لڑکے نکلے۔ آپؐ نے ان سب کو پیار کیا۔ آپ ہمیشہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے بھی ملتے ان میں سے کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ سواری کرواتے اور پیچھے بٹھا لیتے۔ راستے میں جو بچے ملتے آپ انہیں سلام کرتے۔

حضرت ابو رافع بن عمرو غفاریؓ کے چچا بیان کرتے ہیں کہ میں بچپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا اور درختوں پر ڈھیلے مارتا۔ ایک بار مجھے پکڑ کر حضورﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے پوچھا لڑکے تو درختوں پر ڈھیلے کیوں پھینکتا ہے تو میں نے کہا کہ کھجوریں کھانے کے لیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ڈھیلے نہ مارا کرو اور جو کھجوریں نیچے گری ہوں وہ کھا لیا

Marfat.com

کرو۔ پھر آپؐ نے میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور یوں دعا فرمائی، خدایا اس کا پیٹ بھر دے۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہﷺ، ہم لوگ جاہلیت والے تھے، بتوں کو پوجتے تھے اور اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میری ایک لڑکی تھی، ایک دن میں نے اسکو بلایا تو وہ دوڑ کر میرے پاس آئی۔ میں آگے بڑھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی، میں آگے بڑھتا چلا گیا اور ایک کنویں کے پاس قریب پہنچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔۔۔۔ رحمت کونینؐ اس درد افسانہ کو سن کر آنسو ضبط نہ کر سکے۔ ایک صحابی نے ان کو ملامت کی کہ تم نے حضورﷺ کو غمگین کر دیا۔ فرمایا، اس کو چھوڑ دو، جو مصیبت اس پر پڑی ہے وہ اس کا علاج پوچھنے آیا ہے۔

پھر اس صاحب سے کہا:

ہاں میاں تم پھر اپنا قصہ سناؤ۔

انہوں نے دوبارہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ کی یہ حالت ہوئی کہ روتے روتے ریش مبارک تر ہوگئی۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاؤں:

''وہ تیری بیٹی ہے جو تیرے پاس لوٹا دی گئی ہے اور اس کو تیرے سوا کما کر کھلانے والا نہیں ہے''۔ یعنی ایسی لڑکی جس کی بدصورتی یا جسمانی نقص کی وجہ سے شادی نہیں ہوتی یا شادی کے بعد طلاق ہوگئی ہے اور تمہارے سوا اس کا کوئی کھلانے پلانے والا نہیں ہے، تو اس پر جو تم خرچ کرو گے وہ اللہ کی نگاہ میں بہترین صدقہ ہوگا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ''میں اور مرجھائے ہوئے چہرے والی عورت قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے''۔ وہ عورت جس کا شوہر مر گیا اور خاندانی شرافت اور ذاتی حسن و جمال رکھتی ہے لیکن اس نے بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھا، یہاں تک کہ اس کے بچے یا تو مر گئے یا پھر جوان ہو کر اس سے جدا ہو گئے''۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے اور اس کے چھوٹے بچے ہوں اور

Marfat.com

لوگ اس سے شادی کی طرف مائل بھی ہوں، لیکن اپنے ان یتیم بچوں کی خاطر شادی نہیں کرتی اور عزت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی گزارتی ہے تو ایسی عورت کو قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ کا قرب حاصل ہوگا۔

حضورؐ کی پاکیزہ سیرت اور کریم النفسی سے دوست اور دشمن سب ہی واقف تھے۔ ایک یہودی لڑکا جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ بیمار ہوگیا، تو حضور اقدسؐ اس کی عیادت کے لیے خود اس کے گھر تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے حسن اخلاق کی بناء پر تمام یہودی آپؐ کے دشمن نہ تھے، اس یہودی لڑکے کے باپ کو حضورؐ سے قلبی وابستگی تھی اس لیے اس نے اپنے بیٹے کی خدمت میں بھیج رکھا تھا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کن وجوہ سے اس یتیم کو مار سکتا ہوں جو میری سرپرستی میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا، جن وجوہ سے تم اپنی حقیقی اولاد کو مار سکتے ہو۔ خبردار اپنے مال کو بچانے کی خاطر یتیم کا مال برباد نہ کرنا اور نہ اس کے مال سے اپنی جائیداد بنانا، اپنی اولاد کو تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مارا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یتیم کو بھی دین تہذیب اور شائستگی سکھانے کے سلسلے میں مارا جاسکتا ہے۔ بلاوجہ بچوں کی پٹائی کرنا حضور اکرم کی طرز تنبیہ کے خلاف ہے اور یتیم کو مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں دس سال کا عرصہ گزارا اور اس طویل مدت میں انہیں کوئی ایسا لمحہ یا واقعہ پیش نہیں آیا جب حضورؐ نے ان کی سرزنش یا دل آزاری کی ہو۔ ان کی تربیت اور اصلاح کے لیے ان کی روک ٹوک اس طریقہ سے کی جاتی کہ اس میں قطعاً دل شکنی کا کوئی پہلو نظر نہ آتا۔

موجودہ معاشرے کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ بچے والدین کی شفقت سے محروم رہتے ہیں، ان سے بے اعتنائی اور بے رخی برتی جاتی ہے۔ بسا اوقات ان کی بنیادی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا اور اگر ان کی بنیادی ضروریات پوری بھی ہوجائیں تو ان کی معصوم زندگیوں میں ناسازگار ماحول کی وجہ سے اس قسم کی نفسیاتی اور جذباتی الجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے بے شمار بچے ذہنی اور نفسیاتی طور پر مجروح و مفلوج ہوکر رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

یہ بات عام مشاہدے میں آئی ہے کہ کم سن بچے چائے کے ہوٹلوں، سائیکلوں کی دکانوں اور دوسری ناموزوں جگہوں پر رات گے تک کام کرتے رہتے ہیں، نہ ان کی خوراک کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور نہ ان کے لباس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس یہ معصوم بچے مشقت اور محرومی کی زندگی گزارتے ہوئے بے راہ روی اختیار کر جاتے ہیں۔ جس سے بچے منشیات کی تباہ کن عادات کا شکار ہو جاتے ہیں اور کچھ بچے جرائم پیشہ افراد بن جاتے ہیں۔ آج کل سنگین ترین جرائم میں بردہ فروشی کا جرم آئے دن سرزد ہوتا ہے۔ ننھے منھے معصوم بچوں کو اغوا کیا جاتا ہے اور انہیں ہولناک اذیتیں دی جاتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے بچوں کو جسمانی اور ذہنی تحفظ دینے کے لیے ہر طرح تلقین فرمائی ہے۔ معاشرے کے ناپسندیدہ افراد بچوں کو ان کے بچپن اور بھول پن کی وجہ سے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور دوسرے شہروں میں انہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ اس طرح بے چارے بچے تمام عمر کے لیے اپنی آزادی اور خودداری سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا ظلم ہے حضور اکرمؐ نے اس کے انسداد کے لیے ارشاد فرمایا ''جو کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود اس کے خلاف مدعی ہوگا''۔

موجودہ دور کی مادہ پرستی نے لوگوں کو تحصیل دولت کی تمنا میں بدحواس اور بے گانہ بنا دیا ہے۔ اہل مشرق کی گھریلو زندگیوں اور اجتماعی حیثیت سے مشرقی معاشرے پر مغربی طرز حیات کا مسموم اثر اس حد تک حاوی ہے کہ ہماری آنے والی نسلوں کو ان سے محفوظ رکھنے کے لیے انتہائی احتیاط اور توجہ کی ضرورت ہے۔ بچوں کی نگہداشت اور صحیح تربیت کے لیے ہمیں اسلامی تربیتی اصولوں کی روشنی میں نئی نسلوں کو پروان چڑھانا چاہیے تاکہ ہمارے بچوں کو رسول اکرمؐ کی تعلیمات کی روزنی میں انسانیت کی صحیح قدریں حاصل ہو جائیں اور زندگی کی وہ شاہراہ مل جائے جس کی منزل اخلاقی اعتدال، معاشرتی نظم وضبط اور حسن کردار ہو۔

خداوند عزوجل ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چل کر حسن وخوبی کے ساتھ قوم کی امانت جو آج کے معصوم اور کم سن بچے ہیں، قوم کو دے سکیں اور ایسے ہونہار افراد کو قوم کا رکن بنائیں جو شریف النفس شہری، معزز، اہل تمدن اور معاشرے کے مفید ترین افراد ثابت ہوں۔

Marfat.com

اسوۂ حسنہ ﷺ کی روشنی میں

بچوں کی نگہداشت

بچوں سے پیار کرنا ایک فطری امر ہے، خونخوار درندے بھی اپنے بچوں پر مہربان ہوتے ہیں اور اپنی ساری قوت بچوں کی پرورش وحفاظت پر صرف کر دیتے ہیں ۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اسے عام جانوروں سے زیادہ سے زیادہ عقلمند اور دیگر صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ پھر انسانی بچہ جانوروں کے بچوں کی نسبت زیادہ ناتوں ہوتا ہے جو اپنی پرورش ونگہداشت کے لیے زیادہ توجہ کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اسلیے انسان میں بچوں کے لیے محبت وشفقت کا مادہ بھی زیادہ دیر پا رکھا گیا ہے۔ حتی کہ یہ محبت ساری عمر باقی رہتی ہے۔ مگر انسان نے جب بھی راہ ہدایت سے منہ موڑا ہے تو ضلالت ودرندگی میں جانوروں سے بھی گویا سبقت لے گیا۔ اس کے ظلم وجور سے اس کی اپنی اولاد تک محفوظ نہ رہی۔ پوری دنیا تقریباً ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھی کہ اسلام نے آ کر انسان کو از سر نو جادہ شدہ ہدایت پر گامزن کیا۔ اسے بچوں کی حفاظت وکفالت کی ذمہ داری کا احساس دلایا اور ان کے ساتھ شفقت ونری کا درس دیا۔

بچوں پر شفقت

اسلام نے یوں تو ہر ظلم سے انسان کو منع فرمایا ہے، حتی کہ کسی کافر کو بھی بلاوجہ ستانے کی اجازت نہیں دی بالخصوص بچوں سے متعلق تو ہر جاہلانہ طرز عمل کی سختی سے تردید فرمائی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

’’اور اپنی اولاد کو ناداری کے خوف سے قتل مت کرو کیونکہ ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو

Marfat.com

بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بھاری گناہ ہے"۔

دوسری جگہ قتل اولاد کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار کی جہالت و بیوقوفی قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض برائے حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا" ایسے بچوں کے متعلق مزید تاکید کی گئی ہے جن کے سروں سے ان کے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو اور وہ لوگوں کے رحم و کرم پر رہ گئے ہوں۔ چنانچہ ارشاد عزوجل ہے۔

"اور لوگ آپ ﷺ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"اور کمزور بچوں کے بارے میں (لوگ پوچھتے ہیں) اور اس باب میں (حکم ہے) کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو"۔

قرآن مجید میں بچوں کی حفاظت و بہبود سے متعلق اس قسم کے کئی احکامات مختلف پیراؤں کے ساتھ آئے ہیں اور حضور اقدسؐ نے بھی بھرپور قول و عمل سے بچوں کے لیے شفقت و رحمت کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے "فرمایا رسول اللہؐ نے ہم میں سے نہیں جو رحم نہ کرے ہمارے چھوٹوں پر اور توقیر نہ کرے ہمارے بڑے کی۔"

آپؐ خود بچوں سے پیار کرتے تھے، انہیں گود میں لیتے، حتیٰ کہ بعض اوقات بچوں نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب بھی کر دیا تو آپؐ نے برا نہیں منایا، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ دیکھا افرح بن حابس نے حضور اکرمؐ کو حضرت حسنؓ کا بوسہ لیتے ہوئے سو کہا افرع نے، میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا بھی بوسہ نہیں لیا، سو فرمایا آنحضرت نے "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا" ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسولؐ کو دیکھا کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور امامہ بن ابوالعاص آپ کی گردن پر تھی، آپؐ جب سجدہ کرتے تو ان کو بٹھا دیتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک بچہ (عبداللہ بن زبیر) کو (اپنی گود) میں بٹھایا، کھجور چبا کر اس کے منہ میں دی انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا۔ آپؐ نے پانی منگا کر

Marfat.com

اس پر بہا دیا۔

حضورؐ نے بچوں کی وجہ سے ان کی ماؤں کی رعایت و توصیف فرمائی مثلاً حضرت انسؓ بن مالک سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "اللہ کی قسم میں جب سنتا ہوں کسی لڑکے (بچے) کا رونا نماز میں تو ہلکی کرتا ہوں نماز اس خیال سے کہ گھبرا نہ جائے اس کی ماں"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "جتنی عورتیں اونٹ کی سواری کرتی ہیں ان میں (یعنی عرب کی عورتوں میں) قریش کی عورتیں بہت عمدہ ہیں، یہ بچپن میں اپنی اولاد پر مہربان اور خاوند کے مال و اسباب پر بخوبی نگہبان ہوتی ہیں"۔

جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ اپنے گھر جانے کو نکلے میں بھی آپؐ کے ساتھ نکلا۔ سامنے کچھ بچے آئے۔ آپؐ نے ہر بچے کے رخسار پر ہاتھ پھیرا اور میرے بھی رخسار پر ہاتھ پھرا میں نے آپؐ کے ہاتھ میں وہ ٹھنڈک اور خوشبو پائی جیسے آپؐ نے عطار کے ڈبے میں سے ہاتھ نکالا ہو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ لڑکوں پر سے گزرے جو کھیل رہے تھے آپؐ نے ان پر سلام کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسولؐ اللہ سفر سے تشریف لاتے تو ہم لوگوں سے ملتے ایک بار مجھ سے ملے اور حسنؓ یا حسینؓ سے تو آپؐ نے ہم میں سے ایک کو سامنے بٹھایا اور ایک کو پیچھے یہاں تک کہ مدینہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو رسول اللہؐ کے پاس لاتے پھر آپؐ لے کر فرماتے "یا اللہ برکت دے ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں اور برکت دے ہمارے شہر میں اور برکت دے ہمارے صاع میں اور مد میں یا اللہ ابراہیم علیہ السلام جو تیرا، بندہ اور دوست اور نبی تھا، اس نے دعا کی مکہ کے لیے اور میں تیرا بندہ اور نبی ہوں، تجھ سے عا کرتا ہوں مدینہ کے لیے مثل اس لیے کہ دعا کی انہوں نے مکہ کے لیے اور برابر اس کے اور بھی اس کے ساتھ۔ پھر بلاتے جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اور وہ پھل اسے عنایت فرماتے۔ حضورؐ نے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی نماز کا عادی بنانے کی تاکید فرمائی ہے اور اس بارے میں حسب ضرورت سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک صحابیؓ روایت کرتے

Marfat.com

ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ نماز سکھلاؤ بچے کو جب وہ سات برس کا ہو اور مارو اسے نماز (نہ پڑھنے) پر جب دس برس کا ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے ''اے ایمان والو، تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں''۔

اس کی تفسیر حضرت علیؓ فرماتے ہیں ''اپنے گھر والوں کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ''۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ''اللہ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو، ان پر اللہ کا حکم قائم رکھو اور انہیں احکام بجالانے کی تاکید کرتے رہو۔ نیک کاموں میں ان کی مدد کرو برے کاموں پر انہیں ڈانٹو''۔

''ابوبکر حصاصؒ نے لکھا ہے، یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہمارے اوپر اپنی اولاد اور اپنے گھر ولواں کو دین اور بھلائی اور ان آداب کی تعلیم دینا واجب ہے جن کے بغیر چارہ نہیں''

بچوں کی تربیت کے متعلق حضورﷺ نے نہایت تاکید فرمائی، اس بارے میں آپؐ کے کئی ارشادات ہیں جن میں چند یہ ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ''اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرو اور انہیں اچھا ادب سکھاؤ''۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''اگر ادب دے آدمی اپنے لڑکے بہتر ہے ایک صاع صدقہ دینے سے'' ایوب بن موسیٰ اپنے دادا سے روایات کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''نہ انعام دیا کسی باپ نے کسی بیٹے کو بہتر حسن ادب سے''۔

عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے (بچپن میں) حضور کو دیکھا۔ ان کی ماں زینب بن حمید انہیں حضورؐ کے پاس لے گئی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ اسے بیعت کر لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا وہ ابھی کم سن ہے'' آپؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی'' یعنی آپؐ کم عمر لڑکوں پر بیعت کی ذمہ داری نہیں ڈالا کرتے تھے۔

حضور انورؐ کی رحمت و شفقت سے تو کفار کے بچے تک بھی محروم نہ تھے، حضرت ابوایوبؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک لشکر میں تھے۔ تو وہاں (جنگی قیدی) بچوں اور ان کی ماؤں کو الگ کیا گیا۔ آپؐ نے انہیں دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو آپؐ نے بچے کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا

Marfat.com

اور کہنے لگے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ''جس نے والدہ اور اس کے بچے میں جدائی ڈالی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس میں اور اس کے پیاروں میں جدائی ڈالے گا''۔

تربیت اولاد

بچوں پر شفقت و مہربانی سے مقصود ان کی فلاح و بہبود ہوتی ہے تاکہ وہ بڑے ہو کر نہ صرف اس زندگی میں صالح اور کامیاب انسان بن سکیں بلکہ آخرت میں بھی دائمی کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں اور یہ بات تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے''۔

عبادات میں سے نماز چونکہ سب سے اہم عبادت ہے، اس کے اہتمام سے انسان میں بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے احتراز کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں تنبیہہ و تخویف بھی ضروری امر ہے تاکہ صرف لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بے قابو نہ ہو جائیں۔ اس بارے میں معاذ بن جبلؓ سے حضورؐ کا ارشاد منقول ہے کہ ''اپنے گھر والوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرو اور انہیں ادب سکھانے کی غرض سے ان پر سے کوڑا نہ ہٹاؤ اور انہیں اللہ تعالیٰ (کی نافرمانی) سے ڈراتے رہو''۔

اسی سے متعلق حضرت لقمان حکیم کا قول ہے ''باپ کی مار اولاد کے لیے ایسی ہے جیسے کھیتی کے لیے پانی''۔

عرب کے جاہل معاشرے میں بیٹیوں کو ناپسند کیا جاتا تھا اور ان کی پرورش و تربیت پر کوئی توجہ نہ دی جاتی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے ان کے متعلق خصوصی طور پر ترغیب دی اور اس کے فضائل بتائے۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''جو شخص تین بیٹیوں کی پرورش کرے پھر ان کو تعلیم دے اور ان کا نکاح کر دے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اس کے لیے جنت ہے''۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور ﷺ نے عملی اہتمام کر کے اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا۔ عمرو بن ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں (ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد) بچہ تھا۔ حضورؐ کی پرورش میں کھانے کے وقت میرا ہاتھ رکابی کے چاروں طراف گھومتا (کبھی ادھر سے کھاتا، کبھی ادھر

Marfat.com

سے کھاتا) حضور ﷺ نے فرمایا ''اے بچے بسم اللہ کہہ اور داہنے ہاتھ سے اور اپنے نزدیک سے کھا''۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا'' اسی طرح جب اسران بدر گرفتار ہو کر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے تو حضورؐ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے (اور قیدیوں میں شامل تھے) آپؐ نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یتیموں کی تعلیم و تربیت تک کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ قرآن پاک میں ان کی مالی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو''۔

اس کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے ''بلوغ سے پہلے بچوں کے اولیاء کو یہ حکم ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی کوشش کریں (مثلاً) معاملات میں ان کو ہوشیار کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے معاملات خرید و فروخت ان کے ہاتھ سے کرائیں۔''

خلاصہ بحث

دور جاہلیت میں جس طرح لوگ اپنے ہی بچوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے تھے۔ بچوں کو ایک بوجھ سمجھتے تھے اور ان کی حفاظت و کفالت اور تعلیم و تربیت میں مجرمانہ کوتاہی برتتے تھے۔ اسلام نے آکر ان کی بھرپور اصلاح کی، انہیں درندگی سے نکال کر کریمانہ صفات کا حامل کر دیا تو وہ دونوں جہانوں کی سعادت لے گا اور اس ثواب میں والدین اور اساتذہ شریک رہیں گے اور اگر برائی کا عادی ہوگا اور جانوروں کی طرح بے غور چھوڑا جائے گا تو تباہ ہو جائے گا اور اس کا وبال اس کے مربی پر بھی ہوگا۔

Marfat.com

اہم مگر کٹھن ذمہ داری

بچوں کی تربیت اور پرورش

ایک نومولود بچہ معصوم کلی کی مانند ہوتا ہے جو والدین کی توجہ اور پیار ومحبت سے کھل کر ایک خوبصورت خوشبودار پھول میں تبدیل ہو جاتا ہے بصورت دیگر وہ مرجھا کر رہ جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد والدین کی ذمہ داریوں میں گوناگوں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی تمام ضروریات (لباس، خوراک، صحت) کا خیال رکھنا اور ان کو ہر وقت پورا کرنا والدین کی اولین خواہش ہوتی ہے یہی وجہ ہوتی ہے کہ ہم میں سے اکثر والدین اس خواہش کو پورا کرنے میں اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ وہ بچے کی شخصیت کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جبکہ یہی وقت ہوتا ہے کہ وہ ہماری توجہ کا متلاشی ہوتا ہے۔ 3 ماہ کا بچہ منہ سے مختلف آوازیں (غوں غاں) نکال کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور اگر ہم اس کی طرف توجہ دیں تو وہ مسکراتا ہے، اٹھکیلیاں کرتا ہے، بالکل یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہماری باتیں سمجھ رہا ہے اور جواب دے رہا ہے۔ اس طرح والدین کی معمولی سی توجہ سے بچہ کھلکھلانے لگتا ہے۔

بچوں کی تربیت اور پرورش کرنا بہت اہم اور کٹھن ذمہ داری ہے جو والدین کے سپرد کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بچوں کے لیے لازمی قرار دیتا ہے۔ آج اگر ہم معاشرے پر نظر ڈالیں تو اکثر والدین اپنے بچوں کے رویے کی وجہ سے بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ کسی کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ اس کا بچہ بہت شرارتی ہے، پڑھائی میں بالکل دل نہیں لگاتا کوئی یہ کہتا ہے کہ اس کے بچے اس کی بات بالکل نہیں مانتے۔ دن

Marfat.com

بدن بدتمیز اور نافرمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی والدین اپنے بچوں کو ڈھیٹ اور ضدی ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں تو کبھی ان کو خودسر اور نافرمان قرار دیا جاتا ہے۔ اکثر مائیں ہر وقت پریشان نظر آتی ہیں کہ ایسا کیا کریں کہ اولاد سدھر جائے۔ کس طرح ان کو کنٹرول کیا جائے۔ کیسے ان کے اندر مثبت عادت و اطوار اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پروان چڑھایا جائے ان تمام سوالات کے جواب تلاش کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بچے سرکش اور نافرمان ہو جاتے ہیں؟

عدم توجہی

بچوں کے بگاڑ میں ''عدم توجہی'' سب سے کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ جب والدین مستقلاً بچوں کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں تو ابتدا ہی سے وہ اپنی مرضی چلانے کا عادی ہو جاتا ہے اور جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی یہ عادت پختہ ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ خود سر ہو جاتا ہے پھر والدین کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ بچہ ان کی بات نہیں مان رہا۔ دراصل جب بچے کو ہماری ضرورت ہوتی ہے تو ہم اس پر توجہ نہیں دیتے اور جب ہمیں اس کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہماری ضرورت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انہیں صحیح اور غلط، اچھے اور برے کا فرق سمجھائیں۔ اگر وہ اس ذمہ داری سے پہلوتہی کرتے ہیں تو اس کے بہت خطرناک نتائج سامنے آ سکتے ہیں

بچوں کی نفسیات سے عدم واقفیت

بچوں کے بگاڑ کی دوسری اہم وجہ یہ ہوتی ہے کہ عموماً والدین بچوں کے مزاج اور نفسیات سے آشنا نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ان کے اور بچوں کے درمیان فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں بعض

Marfat.com

اوقات والدین اپنے بچوں سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور جب بچے ان کو پورا نہیں کرتے تو پریشان ہوتے ہیں اس کی وجہ بھی یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے بچوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے نہیں سوچتے، مثال کے طور پر صبح سکول جانے سے پہلے عموماً بچے روتے ہیں ضد کرتے ہیں، ناشتہ نہیں کرتے تو ایسے میں والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ خاموشی سے اٹھے اور سکون سے ناشتہ کر کے سکول روانہ ہو جائے ان کو اپنے بچوں سے اس قسم کی توقعات ہوتی ہیں اور جب بچہ ان کی توقعات پر پورا نہیں اترتا تو وہ غصہ کرتے ہیں اور اس کو ڈانٹتے ہیں بعض دفعہ ایک دو تھپڑ بھی لگا دیتے ہیں جبکہ اگر والدین صبر و تحمل کے ساتھ بچے کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اسے پیار سے سمجھاتے رہیں تو کچھ عرصے بعد بچہ خود بخود بخوشی سکول جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

کم عمری میں بچوں کو سکول داخل کرانا

● مادیت پرستی اور عیش کوشی نے والدین کو اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ دو، اڑھائی سال کے معصوم بچوں کو سکول میں داخل کروا کے مطمئین ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کو بہت اچھی تربیت اور کردار سازی ہو جائے یہ وہ فاش غلطی ہے جس کا خمیازہ والدین کو ساری عمر بھگتنا پڑتا ہے، کیونکہ تربیت کا بنیادی ادارہ گھر اور والدین ہیں جب وہ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں تو بچہ بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اہل مغرب کی ایک تعلیمی رپورٹ میں اس بات پر سخت تاسف کیا اظہار کیا گیا ہے کہ ”سکولوں پر بچوں کی اخلاقی تربیت کا بار بھی ڈال دیا گیا ہے یہ ان کی استعداد اور دائرہ کار سے باہر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم متاثر ہو رہی ہے سکول یہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو صرف گھر ہی میں ممکن ہو سکتا ہے۔ ٹیچر صرف ٹیچر ہے وہ والدین کی جگہ نہیں لے سکتا۔

Marfat.com

اس لیے یہ والدین اور گھر کے دیگر بزرگ افراد (دادی، داد، نانی، نانا) کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے روشناس کرائیں کیونکہ بچے کھیل ہی کھیل میں بہت کچھ سکھ جاتے ہیں پھر انہیں سونے سے قبل کہانی ضروری سنانی چاہیے اس کے دو فوائد ہوتے ہیں ایک تو والدین کا بچے سے پیار و محبت کا تعلق مضبوط ہوتا ہے دوسرے کہانی کے ذریعے بچوں کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور اخلاقی تربیت بھی، اگر یہ تمام کام ہم احسن طریقے سے کریں تو بچے کے بگڑنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔

قول اور فعل میں تضاد

عموماً والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں درست کر رہے ہیں اور ان کا رویہ غلط ہو ہی نہیں سکتا لیکن جب ان کے بچے وہ غلط کام کرنا شروع کر دیں تو ان کو بہت غصہ آتا ہے فوراً ہی بچے کو ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں ''پتہ نہیں کہاں سے اتنی غلط حرکتیں سکھ آئے ہو'' ایک بچہ یہ غلط حرکتیں کہیں اور سے نہیں اپنے گھر سے ہی سیکھتا ہے۔ مثال کے طور پر والدین اکثر بچوں کو ڈانٹتے ہوئے الفاظ کے استعمال پر کوئی توجہ نہیں دیتے اور غصے میں جو کچھ منہ میں آتا ہے بولتے جاتے ہیں (مثلاً پاگل، گدھا، منحوس، بے وقوف وغیرہ) اور بعد میں یہی الفاظ جب بچہ استعمال کرنے لگتا ہے تو والدین شکوہ کناں ہوتے ہیں کہ ان کا بچہ کتنا بدتمیز ہوتا چلا جا رہا ہے؟ کسی کا ادب اور لحاظ ہی نہیں کرتا، حالانکہ اس میں بچے سے زیادہ والدین کا قصور ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر والدین جھوٹ بولنے کے عادی ہوں یا وعدہ خلافی کرتے ہوں تو بچہ یہ عادتیں خود بخود اپنا لیتا ہے۔ بعض دفعہ تو یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ بچے کو سمجھا ہی رہے ہوتے ہیں کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولتے، بری بات ہوتی ہے، پھر کوئی آپ سے دوستی نہیں کرے گا، تو بچہ فوراً جواب دیتا ہے کہ امی جان فلاں وقت آپ نے بھی تو جھوٹ بولا تھا۔

Marfat.com

اب ایسے میں امی جان اس کو ایک تھپڑ لگا کر چپ کرا دیتی ہیں جبکہ واقعتاً یہ سوچنے کی بات ہے کہ جو کام خود نہیں کرتے وہ ہمارے بچے کیسے کریں گے؟

بے جا روک ٹوک اور پابندیاں عائد کرنا

ہر وقت کی روک ٹوک سے بچوں میں عدم اعتماد پیدا ہوتا ہے اور پھر ان کے اندر قوت فیصلہ کی بھی کمی ہو جاتی ہے گو کہ یہ والدین کا فرض ہے کہ بچے کو کھرے اور کھوٹے سے آشنا کر دیا جائے لیکن ان کو مناسب حد تک آزادی دینا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے دماغ سے سوچیں اور ان میں خود اعتمادی پروان چڑھے، کیونکہ ہر وقت کی روک ٹوک بچے میں ضد، خوف، نفرت اور ردعمل کے طور پر منفی جذبات پیدا کرتی ہے۔ یوں اس کی تعمیری صلاحتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ اس لیے بچوں کو کامیاب اور بااعتماد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں مناسب حد تک آزادی اور خودمختاری دی جائے اور اس پر والدین نظر رکھیں کہ بچہ آزادی کا غلط استعمال تو نہیں کر رہا۔ اس طرح پیار و محبت کے ساتھ بچوں کو منظم اور بامقصد زندگی گزارنے کے طریقے سکھائے جا سکتے ہیں۔ یہ کچھ امور تھے جن کو اگر مدنظر رکھا جائے تو ہم اپنے بچوں کی بہتر انداز میں تربیت کر کے انہیں ایک مفید اور مہذب شہری بنا سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین اپنی ذمہ داری کو سہل اور آسان نہ سمجھیں بلکہ اس کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے اس کو اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کریں اور مستقبل کے معماروں کی بہترین انداز میں کردار سازی کر کے انہیں ایک کامیاب اور بااعتماد انسان بنانے میں مدد دیں۔ تربیت کے عمل کو سکولوں کے سپرد کرنے کے بجائے گھروں میں اس پر بھرپور توجہ دی جائے کیونکہ گھر تربیت کا اصل مرکز اور میدان ہے جتنے اچھے اور مکمل انداز میں گھر پر تربیت ہو سکتی ہے وہ کہیں اور ہرگز نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

حضور ﷺ کا اُسوہ حسنہ

مظہر خلقِ عظیم !

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین بہادر اور فیاض تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف اور افضل تھے۔ نبی کریم ﷺ کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوں اس کا ہر فعل بہترین افعال کا نمونہ ہوگا وہ تمام لوگوں میں حسین ترین صورت والا ہوگا۔ اس کا خلق اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں کمالات اور اعلیٰ صفات حضور اقدس ﷺ کی ذات میں جمع فرما دی تھیں۔

حضرت شیخ عبدالحق، محدث دہلوی فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات عالی صفات تمام اخلاق و خصائل، صفات و جمال میں اعلیٰ و اشرف ہیں۔ تمام انبیاء مرسلین آپ کے آفتابِ کمال اور انوارِ جمال کے مظہر ہیں۔ اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے تمام سابقہ انبیاء میں ممتاز ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مظہر خلق عظیم بنا دیا۔

اس کا پہلا شاہد قرآن مجید ہے بلاشبہ آپ ﷺ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں۔ خود حضور ﷺ فرماتے ہیں میں محاسن اخلاق کی تکمیل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ حضرت سعد بن ہشامؓ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا حضرت عائشہؓ کی علمی و دینی بصیرت پر قربان جائیں صرف ایک جملے میں حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ کی تفصیل بیان فرما دی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن نہیں

Marfat.com

پڑھا حضرت سعد بن ہشامؓ نے عرض کیا کہ ہاں پڑھا ہے یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن مجید میں جس قدر محاسن اخلاق ہیں وہ سب حضور اکرم ﷺ کے ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں۔ جو کچھ قرآن مجید کا حکم ہے خدا تعالیٰ کی مرضی وہی حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں۔ جو کچھ قرآن کا حکم ہے خدا تعالیٰ کی مرضی ہے وہی حضور ﷺ کی عادات واطور خصائل وشمائل اور اخلاق وصفات ہیں یعنی دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں آپ ﷺ کا مرتبہ سب انبیاء کرام سے بلند ہے ۔مصیبت اور تکلیف میں اپنے آپ کو روکنا اور متاثر ہونا صبر کہلاتا ہے جبکہ غصہ وملال کا بردباری سے برداشت اور صبر سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے۔ اللہ تعالیٰ، انبیاء کو منصب دعوت وتبلیغ کے مشن میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرنے کے لیے صبر، حلم اور عفو ودرگزر کی دولت سے نوازتے ہیں یہ تمام چیزیں حضور ﷺ کو عطا کی گئیں۔

عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ انہیں سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی سامنے آتا اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے جب تک کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا اور نہ اپنے چہرے کا رخ اس کے چہرے سے ہٹاتے جب تک وہ خود نہ ہٹالیتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی حرمت پامال کی جاتی تو اس وقت آپ کا دریائے غضب جوش میں آجاتا۔ رسول کریم ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا نہ بیوی کو نہ خادم کو ہاں وہ اللہ کی راہ میں جہاد ضرور کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا آپ ایک موٹی چادر اوڑھے ہوئے تھے ایک اعرابی نے آپ کی چادر زور سے کھینچی یہاں تک رسول ﷺ کے کندھے مبارک کا

Marfat.com

کنارا مجھے نظر آ گیا اور چادر کا کنارا اتنی زور سے کھینچنے کی وجہ سے کچھ متاثر ہو گیا پھر اس نے کہا اے محمد ﷺ جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ میرا حصہ دلا دو۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنس پڑے اور اسے عطیہ دینے کا حکم دیا (بخاری) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم دل کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ خود نرم دل ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے جس چیز میں نرمی ہو گی اسے خوبصورت بنا دے گی اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے گی وہ بدصورت ہو جائے گی۔ حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرم دلی کے ساتھ جو ثواب دیتا ہے وہ حماقت کے بدلے نہیں دیتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اسے نرمی عطا کرتا ہے جو گھرانے نرمی سے محروم رہتے ہیں وہ ہر خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ گھر میں کیا کرتے تھے آپؓ نے جواب دیا کہ وہ گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ عبداللہ بن حارثؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے زیادہ مسکراتے ہوئے اور کسی کو نہ دیکھا (ترمذی) رسول کریم ﷺ کے شمائل وعادات میں یہ بات بڑی مشہور ہے کہ آپؐ بڑے سخی تھے کسی چیز میں بخل نہ کرتے تھے۔ بڑے جری اور شجاع تھے اپنی پوری زندگی میں صداقت کا مظہر تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد تین سال تک پوشیدہ دعوت دی چوتھے سال حکم ہوا کہ اب کھل کر نبوت اور رسالت کا اعلان کریں لہٰذا حضور ﷺ نے اعلانیہ رسالت کا پرچار شروع کر دیا لوگوں کو مخاطب ہو کر کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس اعلان کے بعد اپنے بیگانے سب ظالم بن گئے۔ حضور ﷺ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا حضور ﷺ کے ارشاد کا مذاق اڑاتا، آوازے کستا، اس طرح نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی دکھوں تکلیفوں، آزمائشوں اور امتحانوں کی زندگی تھی لیکن آپ نے صبر، حلم اور عفو و درگزر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

جہالت کی تاریکیوں میں نور اسلام کی مشعلیں حضور ﷺ نے روشن کیں وہ نبی اکرمؐ کے خلق

Marfat.com

حسنِ سلوک حلم اور عفوودرگزر کی مرہون منت ہیں۔ ایک دن حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ کافروں نے موقع کو غنیمت جانا غوث بن حارث کو انعام کا لالچ دے کر حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضور اکرمؐ تنہا تھے اور سو رہے تھے جب غوث تلوار کا وار کرنے کے لیے تیار ہوا تو نبی اکرمؐ کی آنکھ کھل گئی۔ دشمن کو تلوار اٹھائے دیکھا تو آپؐ مسکرائے۔ غوث نے کہا کہ اب میرے ہاتھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ حضور ﷺ نے فوراً کہا کہ مجھے میرا اللہ تمہارے ہاتھ سے بچائے گا۔ یہ لفظ سنتے ہی تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ حضور ﷺ نے فوراً تلوار اٹھائی اور کہا اب بتا میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ اس نے فوراً کہا کہ آپ کا حسن اخلاق اور حسن سلوک مجھے بچائے گا یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ گرے ہوئے مجبور پر وار کرنا میرا شیوہ نہیں۔ حضور ﷺ کے جذبۂ عفوودرگزر سے متاثر ہو کر غوث نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

حضرت محمد ﷺ نے بے حد صبر اور برداشت کا مظاہرہ کیا یہ جذبہ طائف شہر میں بھی نظر آتا ہے۔ جب مکہ والوں سے مایوس ہو کر آپؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف کا سفر کیا۔ حضورؐ کا غلام بھی آپؐ کے ساتھ تھا۔ جوں ہی آپ نے دین کی تبلیغ شروع کی لوگ آپؐ کے خلاف ہو گئے۔ نوجوان لڑکوں کو ان کے پیچھے لگا دیا وہ گالیاں دیتے اور پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ آپؐ سر سے لے کر پاؤں تک لہولہان ہو گئے۔ اسی طرح غزوہ احد میں کافروں نے آپ کو ایک گہرے گڑھے میں گرا دیا جس سے آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہو گئے یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ اللہ کے آگے ان کے لیے بددعا فرمائیں کہ یہ لوگ تباہ و برباد ہو جائیں۔ آپؐ نے صرف یہ الفاظ بولے کہ یہ لوگ مجھے نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے کافی لوگ اسلام قبول کر کے دائرہ اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔ اس طرح صبر و برداشت اور عفوودرگزر کی ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔

Marfat.com

معجزہ شق القمر

کا تاریخی پس منظر

اہل مکہ نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ حضرت انسؓ نے بتایا وہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ (بخاری 722:2)

شق القمر کا مطلب ہے "چاند کا پھٹنا" یہاں اس سے مراد آسمان پر دمکتے چمکتے چاند کا دو حصوں میں تقسیم ہونا ہے، یہ حضور ﷺ کے معجزات و تصرفات میں سے ایک شاہکار معجزہ ہے، جو اہل مکہ کے مطالبہ پر پیش کیا گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی کفر آلود فضاؤں اور شرک وضلالت سے معمور خلاؤں میں نعرہ توحید بلند کیا اور عوام کو ایک نئے آسمانی دین کی طرف دعوت دی، جو حقیقی معنوں میں انسانیت کا نجات دہندہ تھا، تو وہ لوگ بپھر گئے اور جان کے دشمن بن گئے، کیونکہ یہ دین اپنی انقلابی تعلیمات کے ساتھ ان کے لئے بالکل اجنبی تھا اور وہ ان کے افکار و نظریات سے قطعی ناآشنا تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اس دین کا راستہ روکنے کے لیے انتقامی کاروائی پر اتر آئے اور سفاک دہشت گرد بن گئے۔

حضرت بلالؓ حبشی، صہیبؓ رومی، عمار بن یاسرؓ اور اسی درجے کے اور حق پرستوں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ فضائیں چیخوں سے معمور ہو گئیں اور انصاف پسند دل سینوں میں لرز کر رہ گئے مگر اہل مکہ بہت زیادہ حیران و پریشان اس وقت ہوئے جب ان کی دہشت گردی اور ظلم و ستم سے خائف ہو کر کوئی مسلمان بھی اپنے دین سے منحرف اور ایمان سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ ہوا۔ سب ستم کے کوڑے سہتے رہے اور اللہ اللہ پکارتے رہے۔

مسلمانوں کی ثابت قدمی اور استقامت دیکھ کر صنادید قریش کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو گیا، وہ

Marfat.com

یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر یہ دین اسی طرح پھیلتا رہا تو ان کی شاہی اور سرداری کا چراغ گل ہو جائے گا۔ اس لیے ایسی تدابیر کرنی چاہیے جس سے لوگوں کا رجحان اس دین کی طرف نہ رہے اور جو اس دین کو اختیار کر چکے ہیں وہ واپس آ جائیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے جو ترکیب لڑائی اور مساوی تدابیر اختیار کی اس کی تفصیل یہ ہے، جو شق قمر کا پس منظر بھی ہے۔

معجزہ شق قمر کا پس منظر

حبیب بن مالک بہت ہی سلجھا ہوا، بڑا ہی معاملہ فہم اور ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک انسان تھا، اس کے فہم و تدبر کے سبھی قائل اور دل سے اس کا احترام کرتے تھے، یہ شخص یمن کا حکمران اور اپنے قبیلے کا ہردل عزیز سردار تھا، اس کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے اہل مکہ بھی اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے اور جو مشورہ دیتا یا فیصلہ کرتا، اس پر عمل کرنا اپنی عزت سمجھتے تھے۔

حبیب کا کمال یہ تھا کہ اس نے عرب کے پراگندہ اور ابتر ماحول میں بھی اپنی تنظیمی صلاحیت کے بل بوتے پر چار ہزار نوجوانوں کا ایک جتھا تشکیل دیا ہوا تھا، جو اس کے ایک اشارہ پر ہر کام کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس وجہ سے بھی عرب کے دیگر قبائل اس سے خائف تھے اور ان کے دلوں پر اس کے اقتدار کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

ابو جہل کے مشورہ پر تمام سرداروں نے یہ تجویز منظور کی کہ حبیب کو اس کے جتھے سمیت یہاں مکہ بلایا جائے تا کہ وہ یہاں آ کر لوگوں کو سمجھائے کہ وہ آبائی دین کو ترک نہ کریں اور نئے دین میں نہ آئیں بہتری اسی میں ہے، امید ہے مکہ کے لوگ اس کی شان و شوکت، فہم و فراست اور باتوں سے متاثر ہو کر نئے دین کو ترک کر کے پرانے دین میں آ جائیں گے۔

حبیب بن مالک اپنے لڑاکا اور جنگجو جتھے کے ساتھ، کسی تاخیر کے بغیر مکہ مکرمہ پہنچ گیا، ابو جہل نے اس کا شاندار استقبال کیا اور شیشے میں اتارنے کے لیے اس کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی بہت تعریف کی تا کہ وہ شیخی میں آ کر مسلمانوں کے خلاف سخت کاروائی پر آمادہ ہو جائے،

Marfat.com

مگر وہ انصاف پسند طبیعت کا مالک تھا، اس کے مزاج میں جلد بازی اور تیزی نہیں تھی، وہ بولا: میری عادت ہے کہ فریقین کی بات سن کر کوئی فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ کی بات سن لی ہے، اب میں محمد ﷺ سے بھی ملاقات کروں گا، ان کی بات سن کر کسی نتیجے پر پہنچوں گا۔

ابو جہل کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، دوسرے سرداروں کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے مگر بادل ناخواستہ انہیں یہ تجویز قبول کرنا ہی پڑی۔

حضور نبی کریم ﷺ کو عودت دی گئی، جب آپ ﷺ تشریف لائے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ہمراہ تھے، سب پر ایک ہیبت طاری ہوگئی، حبیب، جناب رسول اکرم کی پر وقار شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ اپنا سارا جاہ و جلال بھول گیا اور آگے بڑھ کر شاندار استقبال کیا۔

حضور نبی اکرمؐ نے پوچھا: حبیب کیا چاہتے ہو؟

اس نے ادب سے عرض کی: مجھے پتہ چلا ہے، آپ نیا دین لے کر آئے ہیں، الگ تھلگ افکار و نظریات پیش کرتے ہیں جو یہاں کے لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہیں اور ایسی تعلیمات دیتے ہیں جن سے یہ لوگ آشنا نہیں۔

سرکار نبی اکرم ﷺ نے واضح انداز میں اس کو بتا دیا کہ میں دین اسلام لے کر معبوث ہوا ہوں۔ اس نے کہا، اگر ایسی بات ہے تو میں پسند کروں گا کوئی ایسا نشان دیکھوں جس سے مجھے آپ کی صداقت کا یقین آجائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تم کیسا نشان دیکھنا چاہتے ہو؟

وہ بولا: یہ لوگ کہتے ہیں، آپ شاعر و ساحر ہیں، آپ کی زبان میں جادو ہے، میں جانتا ہوں جادوگر کا جادو روئے زمین پر چلتا ہے، بالائی کائنات پر نہیں چلتا، آپ مجھے بالائی نشان دکھائیں۔ اس وقت آسمان پر چاند چمک رہا ہے، آپ ابھی اسے دو ٹکڑے کر دیں۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کیا وہ چاند جو صحن آسمان پر بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا اور مہ کامل کے روپ میں ہر طرف نور بکھیر رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، کھلی آنکھوں نے یہ ایمان افروز اور حسین و جمیل

Marfat.com

منظر دیکھا، کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ وہ دو ٹکڑے ہوگیا ہے۔

حضور ﷺ کی دلنواز آواز فضاؤں میں گونجی، گواہ ہو جاؤ یعنی دیکھ لو کہ تمہارا مطالبہ پورا ہو گیا ہے۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرو اور ایمان لے آؤ۔ کچھ دیر بعد چاند پھر جڑ گیا اور چاندنی بکھیرنے لگا۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا، سب لوگوں نے بقائمی ہوش وحواس چاند کو ''دو کھن'' دیکھا تھا، شک وشبہ کی، حرف گیری کی اور اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے سب خاموش تھے۔ آخر وہ شخص جس نے کوئی معقول بات نہ کہنے اور سچائی تسلیم نہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی اور اس کے دل پر بدبختی کی مہر لگ چکی تھی، بڑی ڈھٹائی سے بولا:

حیرت کی بات ہے، ان کا جادو زمین پر تو چلتا ہی تھا اب آسمان پر بھی چلنے لگا ہے۔

ابوجہل نے گھسی پٹی بات کہی اور فضا میں زہر گھول دیا۔ حبیب سلیم فطرت کا مالک تھا، وہ ابو جہل کی بات میں نہ آیا، اس عالیشان نشان نے اس کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے، اس کا دل عظمت نبوت کے آگے جھک گیا، ادب سے بولا: میں جو کچھ چاہتا تھا، وہ آپ نے دکھا دیا، چونکہ آپ نبی، دوسری بات آپ خود بتائیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ ایمان لے آؤں گا۔

حضور ﷺ نے اعجاز نبوت اور علم خداداد کا مظاہرہ کرتے ہوئے، بڑے وثوق اور وقار سے فرمایا: ''اے حبیب! غور سے سن! یمن میں تیری ایک بیٹی ہے، جو ہاتھ پاؤں سے معذور اور اپاہج ہے، چل پھر نہیں سکتی، تو چاہتا ہے کہ وہ تندرست ہو جائے، جا! تیری یہ خواہش بھی پوری کی جاتی ہے، وہ تندرست ہو جائے، جا! تیری یہ خواہش بھی پوری کی جاتی ہے، وہ تندرست وتوانا ہوگئی ہے، حبیب کی آنکھیں عقیدت سے جھک گئیں۔ اس نے کسی تاخیر اور ہچکچاہٹ کے بغیر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا اور اجازت لے کر کیف وسرور کے عالم میں یمن پہنچا۔ رات کا وقت تھا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھٹکٹایا، دروازہ کھلا تو اس نے اپنی کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ اس کی اپاہج ولاغر بیٹی تندرست حالت میں اس کے

Marfat.com

سامنے کھڑی ہے اور اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہے۔ حبیب اپنی معذور بیٹی کو تندرست وتوانا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ حیرت سے پوچھا: بیٹی! تم تندرست کیسے ہوئی؟ اور یہ کلمہ تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟

وہ بولی: جنہوں نے آپ کو کلمہ پڑھایا ہے۔ انہوں نے خواب میں آکر مجھے بھی یہ کلمہ پڑھا دیا اور نگاہ کرم سے تندرست بھی کر دیا ہے۔

معجزہ شق القمر پر عقلی وتاریخی شواہد

معجزہ شق القمر ایک مسلمان کے نزدیک بالکل ممکن ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور اجرام سماوی اور سیارگان فلک میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، اللہ کا نبی، زمین پر اسی کا بھیجا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسے بھی کائنات میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے، چونکہ یہ اقتدار اختیار اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اور اس معجزہ سے انکاری کی کوئی وجہ نہیں، البتہ جو غیر مسلم ہیں انہوں نے اس کے بارے میں ذہنی ناآسودگی بے اطمینانی اور الجھن کا اظہار کیا ہے، وہ الجھن یہ ہے کہ تاریخ عالم میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، اگر یہ وقوع پذیر ہوا ہوتا تو اقوام عالم کی تاریخ میں کہیں نہ کہیں ضرور اس کا ذکر ملتا۔

جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کی حیثیت ایک مفروضہ سے بڑھ کر نہیں، تاریخ کی کتابوں میں نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں، کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جو تاریخ کے صفحات میں مدرج نہیں، مگر ان کا واقعہ ہونا سب کو مسلم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ معجزات رات کو وقوع پذیر ہوا جبکہ زمین کے نصف کرے پر دن چڑھا ہوا تھا، دن چڑھا ہوا ہو تو دھوپ کی روشنی میں چاند ویسے ہی نظر نہیں آتا، اس کا پہلا پہر تھا، کہیں آخری اور درمیان رات کے درمیانی اور آخری حصوں میں لوگ ویسے ہی سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور ابتدائی پہر میں اگر جاگ بھی رہے ہوں تو ضروری نہیں وہ آسمان کی طرف ہی

Marfat.com

دیکھ رہے ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور کام میں مصروف ہوں۔

یہ دیکھنے کا عمل اسی وقت متحقق ہوسکتا ہے جب اس حیرت انگیز واقعہ کا پہلے سے علم ہو کہ چاند دو ٹکڑے ہونے والا ہے، وہاں یہ صورت تو تھی نہیں۔ کوئی منتظر نہیں بیٹھا ہوا تھا اور یہ واقعہ وقوع میں آ کر چند لمحوں میں ختم ہوگیا، ان حالات میں اگر کسی نے نہیں دیکھا، یا بہت کم لوگوں نے دیکھا تو اس سے انکار کا جواز نہیں نکلتا، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ چاند کو گرہن لگتا ہے مگر لوگ اسے بالکل نہیں دیکھتے، کیونکہ لوگ اپنے کام میں مصروف اور اس تبدیلی سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ دیکھنے والے سبھی مورخ اور مصنف بھی نہیں ہوتے، وہ صرف زبانی کلامی تذکرہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی محافل میں یہ تذکرہ کیا، کچھ لوگوں نے سنا، پھر آہستہ آہستہ ذہنوں سے اوجھل ہوگیا، اس لیے تاریخ میں ذکر نہ آنا کوئی دلیل نہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ سابقہ کتب میں اس واقعہ کا ذکر نہ آنے کا دعویٰ ہی غلط ہے، اسلام کی مستند کتب احادیث اس واقعہ سے بھری پڑی ہیں، بلکہ محدثین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایسی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جن میں اس معجزے کا ذکر ہے۔

قصہ شکروتی میں معجزہ شق القمر کا ذکر

قدیم دور میں جس قسم کی تاریخ مرتب ہوتی تھی اس کے مطابق ایک قدیم کتاب میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے، جو قصہ شکروتی کا نام سے مشہور ہے اس کا ایک نادر نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے، جس کا نمبر 1044ء چہارم ہے۔ یہ کتاب کسی ہندی مصنف کی مرتب کردہ ہے۔ جس میں اس نے مالابار کے راجہ کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

راجہ رانی رات میں محل کی چھت پر بیٹھے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اچانک اس نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا، نور میں نہایا ہوا اور چاندنی بکھیرتا چاند اچانک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر جڑ گیا۔

یہ انوکھا واقعہ اتنا واضح اور صاف شفاف تھا کہ اسے فریب نظر یا وہم کا کرشمہ قرار نہیں دیا

Marfat.com

جا سکتا تھا۔ سب کچھ بڑے روشن اور نکھرے ستھرے ماحول میں اور بڑی خوبصورتی سے پیش آیا۔ اس لیے اسے یقین آ گیا کہ ایسا ہوا ہے مگر کیوں ہوا ہے؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بااختیار حکمران تھا، اس نے اپنے دانش وروں کو طلب کیا مگر کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ محدود علم نے انہیں گونگا کر دیا راجہ کا تجسس بڑھ گیا، راتوں کو نیند اڑ گئی۔ آخر اس کی آرزو پوری ہوئی۔ عرب کے کچھ لوگ سری لنکا کی طرف جاتے ہوئے ادھر سے گزرے استفسار پر انہوں نے بتایا، آپ کا مشاہدہ صحیح ہے، اہل مکہ کے مطالبہ پر عربی نبی ﷺ نے یہ معجزہ دکھایا ہے۔

حقیقت سے آگاہ ہو کر راجہ کے دل میں عربی نبی ﷺ کے لیے بے حد وحساب عقیدت پیدا ہوگئی، سوچنے لگا وہ کس عظمت اور نرالی شان کے مالک ہوں گے، جنہوں نے ایک اشارے سے چاند دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر اس کی یہ عقیدت، چاہت اور محبت میں بدل گئی اور وہ ملاقات کی تدبیر کرنے لگا۔

وہ جو اہل محبت کے دلوں کی کیفیات جانتے ہیں اور ہمیشہ کرم فرماتے ہیں۔ انہوں نے کرم فرمایا اور دیدار کے لیے ترستے دل کو خواب میں دیدار عطا کر کے قرار وسکون عطا کیا اور کلمہ پڑھا کر نہاں خانہ دل کو بقعہ نور بنا دیا۔

راجہ بیدار ہوا تو اس کے انگ انگ سے سرور و مسرت کی لہریں پھوٹ رہی تھیں وہ نشہ عشق سے سرشار تھا۔ نیند میں اس پیکر حسن و جمال اور محبوب بے مثال کو دیکھا تو آتش شوق اور بڑھک اٹھی اور یہ آرزو وانگڑائی لے کر بیدار ہوگئی کہ اب بیداری کے عالم میں اس کی زیارت ہونی چاہیے طلب صادق اور پرخلوص چاہت نے یہ موقعہ بھی فراہم کر دیا، وہی قافلہ جو سری لنکا گیا ہوا تھا، واپسی پر ادھر ہی سے گزرا تو راجہ بھی بھیس بدل کر اس میں شریک ہو گیا اور منزلیں طے کرتا ہوا اپنے محبوب کے قدموں میں جا پہنچا۔

کریم آقا ﷺ نے خصوصی شفقتوں سے نوازا اور وہ کچھ عطا کیا جس کا وہ مستحق تھا اور سلطان تاج الدین نام رکھا۔ حبیب بن مالک کو جب راجہ کا پتہ چلا تو وہ بھی اس ملاقات کے لیے آیا اور دونوں میں دوستی ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد جب راجہ نے واپسی کا سفر اختیار کیا تو راستہ میں ہی فوت ہو گیا اور اپنے وطن مالا بار تک نہ پہنچ سکا۔

Marfat.com

مدینہ منورہ سے متصل وادی جنّ کا معما

جنّات کی کارستانی، مقناطیسی پہاڑ کا کرشمہ
یا فریب نظر۔۔۔!

وادی بیضاء المعروف وادی جن مدینہ منورہ سے شمال مشرق کی جانب 35 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ نیم دائرے کی شکل میں ہے اور اس کے اطراف میں سیاہی مائل پہاڑی سلسلہ ہے جس کے بیچوں بیچ یہ وادی ایک سفید پیالے جیسی معلوم ہوتی ہے، شاید اسی وجہ سے ''وادی بیضاء سفید وادی'' کہلاتی ہے۔

مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے تقریباً سات یا آٹھ کلومیٹر پہلے وہ مخصوص حدود شروع ہو جاتی ہے یہاں کے لوگوں کا تصور ہے کہ یہاں آباد جنات لوگوں کو جلد سے جلد باہر دھکیلنا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وادی کی مخصوص حدود میں داخل ہونے والی کسی بھی گاڑی کو اگر بند کر دیا جائے تو وہ گاڑی خود بخود وادی سے باہر کی جانب چلنا شروع کر دیتی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جس سمت کو گاڑی خود بخود چلنے لگتی ہے وہ راستہ ڈھلوان کی بجائے چڑھائی والا ہے اور اسی طرف سے مدینہ منورہ شہر بھی ہے۔ مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے تقریباً سات یا آٹھ کلومیٹر پہلے وہ مخصوص حدود شروع ہو جاتی ہے جس کے اندر داخل ہونے والی گاڑی خود بخود چل کر اس حدود سے باہر نکل آتی ہے۔ گزشتہ دنوں میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو سڑک پر بہت کم گاڑیاں رواں دواں تھیں، جیسے ہی ہماری گاڑی اس

Marfat.com

مخصوص حدود میں داخل ہوئی گاڑی کا انجن زور لگانے لگا جیسے گاڑی انتہائی بلندی کی طرف جا رہی ہو اور جیسے جیسے ہم اس وادی کے اندر داخل ہوتے گئے گاڑی کے انجن پر پریشر بتدریج بڑھتا گیا اور آخر کار ہم وادی کے اندر مقام پر پہنچ گئے جہاں سڑک ختم ہو جاتی ہے اور سڑک کے اختتام پر ایک راؤنڈ ہاؤٹ بنا ہوا ہے۔ ہم نے گاڑی روک دی اور اسے نیوٹرل گیئر میں ڈال دیا۔۔؟ جیسے ہی بریک سے اپنا پیر ہٹایا گاڑی نے اچانک آہستگی سے واپس مدینے کی جانب چلنا شروع کر دیا، سڑک بتدریج بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار بتدریج بڑھتی جا رہی تھی، سڑک پر ہمارے علاوہ اکا دکا گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ میں نے مسلسل اس بات پر نظر رکھی کہ گاڑی نیوٹرل گیئر میں ہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں اسپیڈ ومیٹر پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ گاڑی کی اسپیڈ بڑھتی گئی یہاں تک کہ اسپیڈ 110 کلومیٹر فی گھنٹے تک جا پہنچی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یاالہٰی یہ کیا ماجرہ ہے کہ گاڑی خود بخود کیسے اتنی رفتار سے چل رہی ہے۔۔۔؟ یہاں تک کہ میں نے ایک ایسی جگہ پر گاڑی رکوائی جہاں سے سامنے تقریباً 6 فٹ چڑھائی تھی جب ہم نے بریک سے پیر ہٹایا تو حیرت انگیز طور پر گاڑی نیوٹرل گیئر میں آہستہ آہستہ چڑھائی چڑھنے لگی یہاں تک کہ گاڑی دوبارہ اسی اسپیڈ 110 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگی اور جیسے ہی ہم نے وہ مخصوص حد پار کی گاڑی کی رفتار ٹوٹ گئی اور کم ہوتے ہوئے بالآخر ایک مقام پر جا کر رک گئی۔ اب یہاں قابل ذکر بات ہے کہ جہاں سے اس وادی کی وہ مخصوص حدود شروع ہوتی ہے وہاں سے جب ہم نے سطح سمندر سے زمین کی بلندی ناپنے والے مخصوص (GPS) سے زمین کی ایلیویشن چیک کی تو یہاں زمین کی سطح سمندر سے بلندی 6 سو 36 فٹ ریکارڈ ہوئی جبکہ وادی کے اندر تقریباً 7 کلومیٹر کے فاصلے پر یہاں سڑک ختم ہوتی ہے جب دوبارہ زمین کی سطح سے سمندر کی بلندی چیک کی تو یہاں زمین کی سطح سے سمندر کی بلندی 9 سو 48 فٹ تک جا پہنچی۔ ہمارے مشاہدے میں جو بات آئی اس کے مطابق وادی ایک پہاڑی مقام پر واقع ہے اور باہر سے آنے والے راستے سے ڈھلوان نظر آتی ہے لیکن بظاہر دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے گاڑی

Marfat.com

اونچائی کی طرف بڑھ رہی ہے جبکہ درحقیقت گاڑی 310 فٹ کی بلندی سے نیچے ڈھلوان میں اتر رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گاڑی اونچائی سے اتر کر زمین پر آتی ہے تو خود بخود رک جاتی ہے اور میرے مطابق یہ سب نظر کا فریب ہے اور کچھ نہیں۔ بہرحال میں نے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر مزید اسے کریدنے کی کوشش کی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وادی جن میں گاڑی خود بخود چلنے لگتی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت لوگوں سے ملا اور جو جوابات ملے وہ بھی کئی طرح کے تھے۔ کئی کا کہنا تھا یہ قدرت کا کرشمہ ہے اور اسے مذہبی رنگ دیتے تھے۔ کئی کا خیال تھا کہ یہ سب جنات کا کام ہے اس وادی میں جنات کا بسیرا ہے اور اسی وجہ سے اسے وادی جن بھی کہا جاتا ہے کہ جنات کو یہ بات پسند نہیں کہ انسان ان کے علاقہ میں آئے اس لئے وہ یہاں آنے والی گاڑی کو واپس دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تیسرے مکتب فکر کے لوگوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ وادی کے اطراف میں موجود کسی ایک یا کسی ایک سے زیادہ پہاڑوں میں خاص طرح کی مقناطیسی کشش پائی جاتی ہے جو گاڑی کی ایک سمت میں خود بخود چلنے کی وجہ ہے۔ اس طرح کے مختلف نظریات لوگ رکھتے ہیں۔ جب مختلف کتب اور ویب سائٹ کو کھولا تو پتہ چلا اس طرح کے مظاہرے دنیا میں دیگر مقامات پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور ان کی تعداد کم از کم سینکڑوں میں ہے۔ سائنسدانوں نے ان مقامات کو گریویٹی ہل مگنیٹک ہل پوائنٹس کے نام دیئے ہیں۔ ان تمام مقامات پر یہ بات قدر مشترک ہے کہ وہاں رکی ہوئی گاڑی کو اگر نیوٹرل گیئر میں ڈال کر بریک فری کر دیا جائے تو گاڑی نہ صرف خود بخود چلنے لگتی ہے بلکہ چڑھائی پر بھی آسانی سے چڑھ جاتی ہے اور اس کے علاوہ اگر پانی زمین پر ڈالا جائے تو وہ نشیب میں جانے کی بجائے بلندی کی طرف جانے لگتا ہے یا کسی گیند کو اگر زمین پر گرایا جائے تو وہ بھی بلندی کی طرف جانے لگتی ہے۔ ایسے بہت سے مقامات تا حال بے نام ہیں اور انہیں صرف گریویٹی ہل کا نام دیا گیا ہے۔ یہ مقامات دنیا میں پانچ براعظموں میں پائے جاتے ہیں۔ پاکستان کے قریب ترین گریویٹی ہل بھارت اور چین میں موجود ہیں۔ بھارت میں مقام لداخ شہر لیہ سے پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کی سطح سمند

Marfat.com

رے بلندی 11 سوفٹ ہے اس مقام کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں گاڑی خود بخود چلنے لگتی ہے اور اوپر سے گزرنے والے جہازوں کو بھی مقناطیسی طاقت سے بچنے کے لیے معمول سے زیادہ بلندی پر لے جانا پڑتا ہے۔ ایسے بہت سے مقامات امریکہ میں بھی ہے۔ ریاست فلوریڈ کے علاقے لیکویلز میں واقع ایک ایسی ہی گریویٹی ہل اسپوک ہل یعنی جنات یا بدروح والی پہاڑی کہا جاتا ہے یہاں بھی گاڑیاں خود بخود چلنے لگتی ہیں اور پانی نیچے کی بجائے اوپر کی جانب جاتا محسوس ہوتا ہے اور یہ مقام لینڈ اور ٹیمپا کے درمیان واقع ہے۔ ایک مقام پر ایک بورڈ نصب ہے جس پر ایک کہانی نصب ہے کہ مقامی لوگوں میں اس حوالے سے بہت مشہور ہے جس کے مطابق گاڑیوں کو خود چلنے کی وجہ شائد کوئی انسانی روح ہے جو اس علاقہ میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ اس طرح امریکہ میں بہت سے ایسے مقامات ڈھونڈ کر سیاحتی مقامات کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ کیلی فورنیا میان سانتا کروز کے مقام پر واقع ہے یہاں ایک کاٹیج بنادیا گیا ہے یہاں کے منتظمین کے مطابق وہاں کشش ثقل کا قانون معمول کے مطابق کام نہیں کرتا اور کہا جاتا ہے کہ اس مقامات پر کوئی سیدھا کھڑا ہوسکتا ہے نہ لٹک سکتا ہے کیونکہ شمال سے مغرب کی جانب سفر کرنے والی مقناطیسی لہریں ایک طرف جھک جاتی ہیں۔ بہرحال سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ گریویٹی ہل کا معاملہ جنات یا بھوت پریت سے متعلقہ نہیں بلکہ یہ محض نظر کا فریب ہے۔ یہ مقامات کیونکہ پہاڑی علاقوں میں واقع ہے جو کچھ حد تک خمدار بھی ہوتے ہیں ایسے علاقے میں ایسی عمارتیں یا دیگر چیزیں نہیں ہوتیں۔ جن کی مدد سے ہم چیزوں کو پستی بلندی کا تعین کرسکتے ہیں چونکہ ہماری بصارت دھوکا کھاتی ہیں اور جس جگہ کو ہم بلندی سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ دراصل کچھ نشیب پر واقع ہوتے ہیں۔ گاڑی یا پانی فطرتی قانون کے مطابق نیچے کی جانب حرکت کرنے لگتے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ شے بلندی کی طرف سفر کررہی ہے۔

Marfat.com

عہد عثمانی میں اسلامی لشکر ہندوستان کی سرحدوں تک جا پہنچا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ،

عہد عثمانی کے دور میں ایرانی شہروں پر اسلام کا پرچم بلند ہوا

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلامی فتوحات کے دائرے کو بہت وسعت ہوئی۔ ایران کی عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد مبارک میں ہی متزلزل ہو چکی تھیں اور مجاہدین اسلام ایران کے اکثر علاقوں کو اسلام کے نور سے منور کرتے ہوئے مکران تک پہنچ گئے تھے لیکن ایران کی آخری فتح حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھوں ہوئی اور آپؓ ہی کے عہد میں نیشا پور، طوس (موجودہ مشہد مقدس) سرخس، مرد وغیرہ کے اہم ایرانی شہروں پر اسلام کا پرچم سربلند ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد سندھ کے راجہ نے مکران کے زیر اسلام علاقے پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے مکران کے گورنر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جو عہد فاروقی کے دلیر سپاہیوں میں تھے، ان غارتگرانہ حملوں کے استحصال کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسلام اور مسلمانوں کی ننگ و ناموں کا پرچم سربلند رکھنے کے لیے پیش قدمی کی اور دشمنان اسلام کا سر کچلتے ہوئے ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچ گئے۔ سیوستان (موجودہ سیہون شریف) کے گرد و پیش سارے علاقے عثمانؓ کے عہد خلافت میں زیر نگین ہوئے۔

موجودہ ایشائی ترکی یا اناطولیہ، آرمینا اور آذر بائی جان پر اسلام کے پرچم کی سربلندی عہد عثمان کی یادگار ہے۔

افریقہ میں مصر کا بہت بڑا حصہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد مبارک میں فتح ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے طرابلس (لیبیا) اور سارے شمال مغربی افریقہ کو جس میں تیونس اور الجزائر شامل ہیں رومی سامراج اور وحشی قبائل کے تسلط سے نجات دلا کر پیین میں مسلمانوں

Marfat.com

کی عظیم الشان سلطنت کے قیام کا دروازہ کھولا۔ سپین حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کم وبیش 67 سال بعد ولید بن عبدالمالک کے عہد حکومت میں فتح ہوا تھا لیکن اس کے جنوبی ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کا پہلا حملہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ عہد خلافت میں ہوا تھا۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے عہد مبارک کا ایک اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ کا پہلا بحری بیڑہ تیار ہوا۔ آپؓ کے پیشتر حضرت عمرؓ بحری لڑائیوں کے خلاف تھے اوران کے سامنے اگر ایسی تجویز پیش بھی کی گئی تو آپؓ نے اسے مسلمانوں کی حفاظت جان کے خیال سے پسند نہ فرمایا لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے مسند خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد اس جانب خصوصی توجہ فرمائی۔ بحری فوج کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بحرہ روم کے جزیروں پر قبضہ کر کے اناطولیہ، آرمینیا، اور شام وغیرہ کے مسلم علاقوں پر رومیوں کے جارحانہ عزائم سے تحفظ کیا جاسکے۔ مسلمانوں کی نوزائندہ بحری طاقت تھوڑے ہی عرصے میں اتنی بڑھ گئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے صرف دو برس پیشتر ہی مسلمانوں نے پانچ سو جنگی جہازوں کی مدد سے مشہور جزیرہ قبرص پر حملہ کیا اور کئی دیگر جزیرے فتح کر لیے۔ اس زمانے میں رومی شہنشاہ نے مصر پر زبردست بحری حملہ کیا اور مسلمانوں کی نئی ابھرتی ہوئی بحری طاقت نے سکندریہ کی جنگ میں سلطنت روما کے عظیم الشان بحری بیڑے کو تباہ کر دیا۔

شاندار ملکی فتوحات کے علاوہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے کئی ایسی اہم خدمات بھی انجام دی ہیں جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکیں گی۔ حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت کے سب سے بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے۔ کامل الحیاد ولا یمان آپؓ کا ایک لقب ہے۔ مسجد نبوی ابتدا میں ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا فرش تک درست حالت میں نہ تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے خوبصورت تراشیدہ پتھروں سے اس کی توسیع کی۔ علاوہ ازیں حرم کعبہ کے گردوپیش میں بہت سے مکانات خرید کر انہیں حرم شریف میں داخل کیا اور مسجد الحرام کی توسیع فرمائی۔

کعبہ مکرمہ پر پہلے معمولی کپڑے کا سادہ سا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد مبارک میں کعبہ مکرمہ کی غلاف پوشی خوبصورت قیمتی کپڑے سے کی گئی۔

Marfat.com

تاریخ بقیع الغرقد

مدینہ منورہ کے مشہور و معروف

قبرستان بقیع الغرقد کی مختصر تاریخ

مقدمہ

الحمد الله رب العالمين والصلاة والسلام على نبيناو حبيبنا وشفيعنا محمد سيدالاولين والآخرين وعلى آله وصحبه اجمعين.

امابعد!

مدینہ منورہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ہے جس قدامت کی جڑیں نہایت عمیق وگہری ہیں، طوفان نوح کے بعد سے لے کر ہمارے اس دور تک اس حشر کے دامن میں بہت سی اقوام اور بہت سی جنسیات کے لوگوں نے زندگی کے لمحات گزارے ہیں۔

سنہ 622 میں اس شہر کی تقدیر میں ایک عظیم انقلاب لکھا تھا وہ یہ کہ اس شہر نے ایمان وعقیدہ کی دنیا میں ہونے والے عظیم انقلاب کے لیے اپنے دامن کو پھیلا دیا، یعنی اس شہر مبارک کی قسمت ایسی چمکی کہ پہلے اسلامی معاشرہ کی داغ بیل اسی شہر میں پڑی، جس کے بعد سے یہ شہر مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن، اور ان کے عشق ومحبت کا ایسا مسکن بن گیا، کہ اہل ایمان شوق وذوق سے اس شہر کی زیارت، اس شہر میں موجود مسجد نبوی شریف میں نماز اور سید الخلق ﷺ پر درود وسلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اس شہر کے اسلامی مرکز بن جانے کے بعد تاریخ کے ہر دور میں اہل قلم نے اس شہر کی تاریخ پر خوب خوب قلم اٹھایا ہے اور اہتمام اس کے فضائل، اس میں پائے جانے والے تاریخی معالم وآثار، قدیم مساجد اور عہد نبوی کے اہم نشانات ونقوش کو مفصل بیان کیا ہے۔

ہماری یہ چھوٹی سی کاوش اس عظیم شہر پر لکھی جانے والی بہت سی کتابوں ہی کی ایک کڑی ہے، جس میں ہم نے بقیع قبرستان کی تاریخ، اس کے فضائل، اس پر گزرنے والے توسیعی مراحل پر روشنی ڈالی ہے، نیز یہ کہ اس قبرستان کی زیارت کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو خالص اپنی رضا کا سبب بنائے، اور ہمیں وہ تمام مسلمین کو اپنی اطاعت اور اپنے نبی ﷺ کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین، درود وسلام ہو ہمارے سردار آنحضرت ﷺ پر اور آپ ﷺ کے تمام آل واصحاب پر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بقیع کا تعارف

عربی میں بقیع ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں مختلف قسم کے جنگلی درخت اور جھاڑ جھنکاڑ پائے جاتے ہوں، بقیع غرقد کی وجہ تسمیہ یہی ہے، کہ یہاں ایک کانٹے دار غرقد نامی درخت کی کثرت تھی جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام بقیع غرقد پڑ گیا۔

عوسج کے بڑے درخت کو غرقد کہا جاتا ہے (عوسج کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں)، اب یہ درخت تو ختم ہو گئے مگر نام باقی ہے، اس وقت یہ اہل مدینہ منورہ کا قبرستان ہے۔

بقیع کی تاریخ پر ایک نظر

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بقیع اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں جنگلی پیڑ پودے بکثرت پائے جاتے ہیں، اور چونکہ بقیع قبرستان کی جگہ میں پہلے جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹے عوسج یعنی غرقد کے پیڑ بکثرت تھے اس لیے اس قبرستان کا نام بھی بقیع غرقد پڑ گیا، اس کا محل وقوع یہ ہے کہ یہ

Marfat.com

قبرستان مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر مسجد نبوی شریف کے مشرقی سمت میں واقع ہے، اس کے اردگرد مکانات اور باغات تھے، اور تیسری صدی میں جو مدینہ منورہ کی فصیلی دیوار تعمیر ہوئی اس سے یہ ملا ہوا تھا، اس فصیل کی تجدیدات متعدد بار ہوئی ہے، جن میں آخری تجدید عثمانی ترکی دور میں سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں ہوئی، پھر اس ملک میں امن قائم ہو جانے کے بعد اس فصیلی دیوار کو منہدم کر دیا گیا، پھر مسجد نبوی شریف کی آخری توسیع میں اس قبرستان اور مسجد نبوی شریف کے درمیان جو مکانات تھے ان سب کو منہدم کر دیا گیا، ان دونوں کے درمیان جو محلہ آباد تھا وہ اغوات کے نام سے معروف تھا، مسجد نبوی شریف کے مشرقی سمت میں اب یہ بقیع قبرستان مسجد نبوی شریف کے خارجی صحن سے مل چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ اور حضرات مہاجرینؓ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے اس شہر کو اپنا مسکن ووطن بنایا، تو اس شہر مبارک میں مزید تعمیری وتمدنی ترقی ہونے لگی۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کوئی مناسب جگہ مسلمانوں کی اموات کی تدفین کے لیے متعین ہو جائے، اسی مقصد کے پیش نظر آپ ﷺ اس بقیع کی جگہ تشریف لائے، تو ارشاد فرمایا'' مجھے اس جگہ یعنی بقیع کا حکم قبرستان کے لیے دیا گیا ہے۔'' مستدرک امام حاکم 1-193''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس بقیع کی جگہ مسلمانوں کا قبرستان بنانے کا حکم فرمایا تھا اور یہیں سے اس جگہ یعنی بقیع قبرستان کی فضیلت کی ابتدا ہوتی ہے۔

سنہ 2ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو بقیع میں دفن کرنے کا حکم فرمایا آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لائے اور ایک پتھر طلب فرمایا اور اس پتھر کو قبر پر رکھ دیا۔ صحابہؓ نے اس فعل کا سبب دریافت کیا تو فرمایا'' یہ پتھر میرے بھائی یعنی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کی پہچان ہے تا کہ میرے گھر والوں میں سے جو بھی وفات پائے اس کو ان کے نزدیک ہی دفن کروں۔ اخراجہ ابوداود سنہ 9-417، والبیہقی فی سنہ 2-322۔

پھر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں جس کسی کا انتقال ہوتا تو صحابہ کرامؓ دریافت کرتے یارسول اللہ

Marfat.com

کہاں دفن کریں۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہمارے پیش رو عثمان بن مظعونؓ کے پاس۔
اس طرح یہ بقیع نامی مقام مسلمانوں کا مقبرہ ہو گیا۔ مرور ایام اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مقبرہ میں دفن ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ کتب احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس قبرستان میں دس ہزار سے زیادہ حضرات صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ ان کے علاوہ تابعین اور علماء وصلحاء اور عامتہ المسلمین جو اس قبرستان کا پیوند خاک بنے ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب فتنہ کی آگ اٹھی اور آپؓ کو شہید کیا گیا تو آپؓ کو بقیع قبرستان میں دفن نہ کیا جا سکا بلکہ بقیع سے خارج مشرقی سمت میں حوش کوکب نامی جگہ پر آپؓ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب زمام کار پر متمکن ہوئے تو آپ نے اس باغ کو جس میں حضرت عثمانؓ مدفون تھے بقیع قبرستان میں داخل فرمایا۔ اس طرح اس مقبرہ کی یہ پہلی توسیع شمار ہوتی ہے۔ اس کے بعد بقیع قبرستان میں داخل فرمایا۔ اس کے بعد بقیع قبرستان عرصہ دراز تک اسی طرح رہا۔ تاریخ وسیر کی تمام کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں اس میں کوئی توسیع نہیں ہوئی یہاں تک دوسرا سعودی دور آیا جس میں بادشاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعودؒ نے سنہ 1373ھ بقیع عمات کو بقیع میں شامل کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔ یہ بقیع عمات یعنی آنحضرت ﷺ کی پھوپھیوں کا مقبرہ عام بقیع قبرستان کے شمال میں تھا اور ان دونوں کے درمیان حد فاصل ایک راستہ تھا مشرق سے آخر حرہ شرقیہ جانے والے راستہ موجودہ طریق ملک عبدالعزیز سے مل جاتا تھا۔ عمارت البقیع کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی دو پھوپیاں یعنی حضرت صفیہ اور حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبریں تھیں۔

بقیع عمات کے علاوہ اس کے مشرق میں ایک تکونہ جگہ تھی جو میونسپلٹی کے زیر انتظام تھی اس کو بھی بقیع میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح بقیع قبرستان میں شامل ہونے والے رقبہ کی پیائش

Marfat.com

5929 مربع میٹر ہوگئی۔ اس توسیع کے بعد بقیع میں داخل ہونے کے لیے شمالی سمت میں دو دروازے پہلے سے ہی تھے۔ اس طرح بقیع کے چار دروازے ہوگئے۔

سنہ 1390ھ بقیع قبرستان کی سمنٹیڈ پختہ دیوار سے گھیر دیا گیا۔ قبرستان کے اندر بھی پکی گزر گاہیں بنادی گئیں تاکہ بارش کے موسم میں بھی بقیع میں آمد ورفت اور تدفین کا عمل آسانی سے ہوسکے۔

سنہ 1303ھ میں خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیزؒ نے اہل مدینہ کی بڑھتی ہوئی آبادی اور زائرین کی کثرت کے پیش نظر بقیع کی توسیع کا حکمنامہ جاری کیا۔ یہ توسیع صرف مشرق اور جنوب کی سمت تھی اس توسیع کے بعد بقیع کا کل رقبہ 174962 مربع میٹر ہوگیا۔ اسی توسیع میں بقیع کے چاروں طرف ایسی مضبوط دیوار کی تعمیر ہوئی جس کی ماضی میں نظیر نہیں اس کی بلندی چار میٹر اور اس کا طول 1724 میٹر رکھا گیا۔ دیوار کو خوبصورت بنایا گیا۔ اس طرح کہ اس حصے کمان کو شمل نما اور درمیان دیوار کالے رنگ کی جالی لگائی گئی۔ مغربی سمت میں ایک صدر دروازہ کھولا گیا تاکہ زائرین اور اموات کی تدفین میں سہولت ہوسکے مزید یہ کہ بقیع ہی میں اموات کے غسل وکفن اور جنازے کی مکمل تیاری کا نظام رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے بہت کم وقت میں اموات کو غسل وکفن دیا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ اجزائے خیر دے جس نے اس کار خیر کا منصوبہ پیش کیا اور جنہوں نے اس کو نافذ کیا۔

بقیع قبرستان کے فضائل

متعدد احادیث میں مدینہ منورہ میں انتقال ہونے اور بقیع میں دفن کی فضیلت وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے اہم فضائل ہم یہاں ذکر کرتے ہیں

1۔ مدینہ منورہ میں انتقال ہونے والے کو روز قیامت آنحضرت ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اسکا انتقال مدینہ میں ہوتو وہ مدینہ میں مرنے کی سعی کرے۔ اس لیے

Marfat.com

کہ جسکی مدینہ میں وفات ہوگی میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (اخرجہ الترمذی فی سننہ، باب فضل المدینہ 14-84 واحمد فی مسندہ 12-398)

2۔اہل بقیع کو آنحضرت ﷺ کی دعا واستغفار کی سعادت حاصل ہوئی چنانچہ ام امومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جب بھی میری رات کی باری ہوتی تو رات کے آخری حصہ میں بقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے **السلام علیکم دار قوم مومنین واناکم ماتوعدون ، غدا موجلون ،وانان شاء اللہ بکم لاحقون ، اللھم اغفرلاھل بقیع الفرقد**

(اخرجہ مسلم، باب مایقال عند دخول القبو روالدعاء النبیاء 2-84)

ترجمہ سلامتی ہو تم پر مومنین کی جماعت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہا، اور تمہاری جزا کل تک کے لیے موخر کردی گئی۔ اوران شاءاللہ ہم بھی تم سے آکر ملیں گے۔ اے اللہ اہل بقیع کی مغفرت فرما۔

3۔مدینہ منورہ میں جس کی وفات ہوگی وہ روز قیامت آمنین میں سے ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کی حرمین میں سے کسی حرم میں وفات ہو جائے تو وہ قیامت کے دن امن والا اٹھایا جائے گا۔

4۔بقیع میں جو شخص مدفون ہوا روز قیامت وہ آنحضرت ﷺ اور شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جس سے زمین شق (یعنی پھٹنا) ہوگی وہ میں ہوں گا۔ پھر ابو بکر، پھر عمر، پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا۔ تو وہ میرے ساتھ جمع ہوں گے، اس کے بعد میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا، پس میں حرمین کے درمیان سے اٹھوں گا۔

5۔بقیع میں جس کی تدفین ہوا اس کو دس ہزار صحابہ کرامؓ اور بے شمار تابعین، صالحین، اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کا پڑوس نصیب ہوگا۔

مزید اس بقیع مقبرہ کی فضیلت اس حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہے۔ جس میں آپ ﷺ

Marfat.com

ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں کیا تم اس مقبرہ (بقیع غرقد) کو دیکھ رہی ہو؟ اس ستر ہزار افراد قیامت کے دن اٹھیں گے، جن کے چہرے چودہویں رات کے مانند چمک رہے ہوں گے اور یہ لوگ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔

صحابہ رض وتابعین رح میں سے وہ معروف حضرات جو بقیع میں مدفون ہوئے

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ بقیع قبرستان میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد دفن ہے، قاضی عیاض رح نے امام مالک رح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس ہوئے اور اس طرح ہزاروں صحابہ آپ کے ہمراہ تھے ان ہزروں میں سے تقریباً دس ہزار کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور بقیہ دنیا کے مختلف ملکوں وشہروں میں پھیل گئے۔

ترتیب المدارک وتقریب المسالک للقاضی عیاض 11/1

جو معروف ومشہور حضرات بقیع میں مدفون ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

سعید بن زید بن نفیل قرشی، عبدالرحمٰن بن عوف قرشی، عبداللہ بن سعود ہذلی، عبداللہ بن ابوبکر الصدیق، ابی بن کعب انصاری، اسید بن حضیر، اسامہ بن زید، اوس بن ثابت بن منذر، اوس بن خولی بن عبداللہ انصاری، اسعد بن زرارہ، ارقم بن ابی الارقم، جابر بن عبداللہ، جبار بن صخر انصاری، جبیر بن معطم قرشی، حارث بن خزیمہ ابوبشر، حکیم بن حزام بن خویلد، حسان بن ثابت، حجاج بن علاط سلمی، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی، حویطب بن عبدالعزی قرشی، خباب مولی عتبہ، خفاف بن ایمی غفاری، خویلد بن عمرو ابوشریح خزاعی، خوات بن جبیر، ابوعبداللہ، زید بن خالد جہنی، سلمۃ بن سلامہ انصاری، سلمۃ بن لاکوع، سہل بن بیضاء سہل بن سعد، سہل بن ابی حثمہ، سائب بن یزید الکنائی، سہیل بن بیضاء، صہیب بن سان، صخر بن حرب ابومعاویہ، عبداللہ بن عبداللہ بن بحینہ، عبداللہ بن ثابت انصاری، عبداللہ بن غسیل ابوحنظلۃ، عبداللہ

Marfat.com

بن کعب انصاری، عمرو بن سرح قرشی، عمرو بن امیہ ضمری، عمرو بن حزم بن زید، عقبہ بن عمرو ابومسوعد بدری، عقبہ بن مسعود ہذلی ، علقمۃ بن وقاص لیثی، قیس بن سعد بن عبادۃ انصاری ابوالفضل ، قتادۃ بن النعمان انصاری ابوعمرو، کعب بن مالک انصاری ابوعبداللہ، مھمد بن مسلمہ انصاری، محمد بن ابی الجہم، محمد بن ابی بن کعب، معاذ بن الحارث انصاری، مالک بن عمرو بن عتیک، مالک بن ربیعہ انصاری، مغیرۃ ثقفی، معقل بن سان، مخرمہ بن نوفل قرشی، مقداد بن اسود حضرمی، نوفل بن معاویہ، ہند بن حارثہ اسلمی، ابوشریح کعبی خزاعی، ابوہریرۃ دوسی، ابوالیسر انصاری، ریحانۃ بنت شمعون، ماریۃ قبطیہ ام ابراہیم، ام رومان زوجہ ابوبکر صدیق، ام سلیم بنت ملحان، سبعیہ بنت الحارث اسلمیۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

زمانے کے ماہ وسال گزرنے کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ حضرات کی قبروں کے آثار ذہنوں سے نکل گئے، سوائے محدود ے چند کے تمام کی قبروں کی کوئی نشانی وعلامت باقی نہیں رہ گئی، جو قبریں ابھی تک پہچانی جاتی ہیں وہ اہل مدینہ کی نقل اور نقل اور نسلاً عن نسل بالتواتر چلی آرہی ہیں نیز بعض مورخین نے ابھی اپنی کتابوں میں بعض قبور کی نشاندہی کی ہے جیسا کہ فیروز آبادی نے اپنی کتاب معاتم طابتہ میں اور سمہودی نے وفاء الوفاء میں قبروں کی نشاندھی ذکر کی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی قبریں

ا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

2۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

3۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

مذکورہ بالا تینوں شخصیات کی قبریں بقیع کے مغربی صدر دروازے کے سامنے تقریبا 30 میٹر کے فاصلے پر ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی قبریں

1۔سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا

2۔حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

3۔حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

4۔حضرت زین العابدین بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ

5۔محمد الباقر بن زین العابدین رضی اللہ عنہ

6۔حضرت جعفر الصادق بن محمد الباقر رضی اللہ عنہ

ان مذکورہ حضرات کی قبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی قبر پر کھڑے ہونے والے کے داہنی سمت بجانب جنوب تقریباً 25 میٹر پر واقع ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی قبریں

1۔سیدہ عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا۔

2۔سیدہ سودۃ بنت زمعہ العامریۃ رضی اللہ عنہا۔

3۔سیدہ حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا۔

4۔سیدہ زینب بنت خزیمہ الہلالیۃ رضی اللہ عنہا۔

5۔سیدہ ام سلمہ بنت ابوامیہ المخزومیۃ رضی اللہ عنہا۔

6۔سیدہ جویریۃ بنت الحارث المصطلقیۃ رضی اللہ عنہا۔

7۔سیدہ ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا۔

8۔سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے شمال میں اس طرح پر کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی قبر پر کھڑا ہو اس کے بائیں سمت تقریباً آٹھ میٹر کے فاصلہ پر اوپر مذکور ازواج مطہرات کی قبریں ہیں۔

Marfat.com

حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھ والوں کی قبریں

1۔حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہ

2۔ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ ﷺ

یہ قبریں آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبروں سے پانچ میٹر بجانب شمال واقع ہیں۔

ابن زبالہ نے خالد بن عوسجتہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں دار عقیل بن ابی طالب کے گھر کے نزدیک کونہ میں ایک رات دعا استغفار کررہا تھا کہ جفر بن محمد عریض کو جاتے ہوئے میرے پاس سے گزرے، ان کے ہمراہ ان کے اہل خانہ بھی تھے، مجھ سے پوچھنے لگے کیا تم اس جگہ کسی خاص نشانی کے مقام پر کھڑے ہوئے ہو؟ میں نے کہا نہیں، کہنے لگے یہ وہ جگہ ہے جہاں رات کے وقت آکر آنحضرت ﷺ اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔

زین مراغی کا قول ہے کہ اس جگہ دعا کرنا چاہیے، مجھے کئی لوگوں نے بتایا کہ دعا اس قبر کے نزدیک مستجاب ومقبول ہے۔

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھ والی قبروں کا بیان

عقیل بن ابی طالب کی قبر سے مشرق میں موجود سیمنٹ سے بنے راستوں کے ملاپ سے تقریباً دس میٹر کے فاصلہ پر دو قبریں ہیں۔

1 حضرت امام مالک بن انس کی قبر ہے جو امام دارالحجرۃ اور جن سے مالکی مذہب کی نسبت ہے۔

Marfat.com

2 دوسری قبر حضرت امام نافع بن ابی نعیم کی ہے یہ امام مالکؒ کے شیوخ میں سے ہیں، نیز ان دس مشہور ائمہ قراء میں ایک ہیں جن کی قراءات متواتر ہیں، یہ بھی مدینہ منورہ کے قراء کے امام کہلائے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ اور ان کے ساتھ والی قبریں

امام مالکؒ کی قبر سے بجانب مشرق تقریباً بیس میٹر کی دوری پر درج ذیل قبریں ہیں

1۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر یہ مہاجرین میں سب سے پہلے بقیع میں مدفون ہوئے۔

2۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی قبر۔

3۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی قبر۔

4۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قبر۔

5۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ کی قبر۔

6۔ حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ کی قبر۔

7۔ حضرت فاطمہؓ بنت اسد یعنی حضرت علیؓ کی والدہ کی قبر۔

واقعہ حرہ کے شہدا کی قبریں

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر سے تقریباً 75 میٹر کی دوری پر وہ جگہ ہے جس کو مدفن شہداء حرۃ کہا جاتا ہے۔ یہ ان شہداء اصحابہ کرامؓ کی قبریں ہیں جن کی شہادت یزید بن معاویہؓ کے زمانہ میں ہوئی، ان حضرات نے مدینہ منورہ اور اس کے باشندوں کے دفاع میں اپنی جان کی قربانی دی تھی۔ یہ ایک مستطیل گھری ہوئی جگہ ہے جس کا پتھر سے احاطہ کیا گیا ہے، سطح زمین سے اس احاطہ کی بلندی ایک میٹر سے متجاوز نہیں، بعض تاریخ کی کتابوں میں

Marfat.com

لکھا ہے کہ یہ احاطہ مسقّف تھا، جس کی بلندی زمین سے کوئی خاص ابھری ہوئی نہ تھی۔

تیسرے خلیفہ ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

بقیع کے وسط میں شہداء حرۃ کی قبروں سے تقریباً ایک سوپچیس میٹر کی دوری پر بجانب شمال مشرق میں صحابی جلیل خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، اس قبر کے شمال اور مشرق کی سمت پختہ راستے نکلتے ہیں۔

قبر سعد بن معاذ الاشہلی رضی اللہ عنہ

اس صحابی کی قبر عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر کے شمال میں پچاس میٹر کی دوری پر ہے۔

حضرت ابوسعید اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی قبریں

ان دونوں حضرات کی قبریں بقیع سے باہر شمال مشرق میں اس راستہ کے کنارے تھیں جو حرہ شرقیہ کو جاتا ہے۔ ان قبروں کو بقیع کی آخری توسیع جو 1385ھ میں ہوئی تھی بقیع کے اندر شامل کرلیا گیا تھا، یہ قبریں حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر کے شمال میں ہیں۔

حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی قبر

حضرت اسماعیل بن جعفرؓ کی قبر جنوب مغرب میں بقیع سے خارج تھی، پھر سعودی توسیع میں اس کو اندر داخل کرلیا گیا۔ قبر کے اوپر موجود بقیع کی دیوار آگئی ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں کی قبریں

1۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی قبر

2۔ حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی قبر

یہ دونوں قبریں بقیع کے شمالی صدر دروازے سے داخل ہونے والے کے بائیں طرف چالیس میٹر کی دوری پر ہے، بقیع کی مغربی دیوار سے یہ دونوں قبریں متصل ہیں۔

اوپر جن قبروں کا تذکرہ آیا ہے، ماضی میں ان پر قبے اور گنبدیں بنادی گئی تھیں، جن پر ان اصحاب قبور کے نام بھی تحریر تھے، پھر جب اس ملک کی باگ ڈور سعودی قیادت کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اور آنحضرت ﷺ کی سنت کے اتباع میں ان قبوں اور گنبدوں کو منہدم کرادیا۔

بقیع قبرستان کی زیارت کی مشروعیت

بقیع کی زیارت کی مشروعیت عام قبروں کی زیارت کی مشروعیت کے ذیل میں بھی آتی ہے، کہ قبروں کی زیارت کرنا آخرت کی یاددھانی کراتی ہے۔ دلوں کو نرم کرتی، اور آنکھوں کو اشکبار کرتی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **الا انی کنت نهیتکم عن ثلاث ثم بدالی فیهن، نهیتکم عن زیارة اقبور ثم بدالی انها ترق القلب وتدمع العین وتذکر الاخرة فزوروها ولا تقولو هجرا**

اس پر مستزادیہ کہ بقیع قبرستان کی زیارت کی افضلیت واستحباب آنحضرت ﷺ کی اقتدادپیروی میں اور زیادہ موکد ہوجاتی ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اکثر وبیشتر رات اور

Marfat.com

دن کے اوقات میں بقیع کی زیارت کر کے مرحومین کے لیے دعا و استغفار فرمایا کرتے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میری باری پر تشریف لائے، آپ ﷺ نے چادر اتار کر رکھی، جوتے نکالے اور ان دونوں چیزوں کو اپنے پیروں کے پاس رکھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئے، میں بھی کچھ ہی دیر میں سو گئی۔ آپ ﷺ نے آہستہ سے اپنی چادر لی، اور چپکے سے جوتے پہنے، دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے، میں بھی اٹھی اور زرہ کو سر پر رکھ کر خوب پردہ کر کے آپ ﷺ کے پیچھے چلدی، آپ ﷺ بقیع قبرستان تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک کھڑے دعا کرتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ پھر واپس ہوئے۔ میں بھی واپس ہو گئی۔ آپ ﷺ نے تیز چلنا شروع کر دیا میں نے بھی تیز تیز چلنا شروع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے دوڑنا شروع کیا میں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا یہاں تک آپ ﷺ گھر پہنچ گئے۔ مگر میں آنحضرت ﷺ سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی اور اندر داخل ہو گئی جیسے ہی میں لیٹی آپ ﷺ فوراً داخل ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! تمہیں کیا ہوا میں نے کہا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو مجھے بتا دو یا پھر مجھے لطیف و خبیر یعنی اللہ تعالیٰ بتا دے گا۔ کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو۔ واقعہ ایسا ایسا ہوا یعنی حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جانے کی ساری تفصیل بتا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے اپنے سامنے جو کالا پرچھایا دیکھا وہ تم ہی تھیں؟ میں نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ نے میرے سینے میں مار کر فرمایا، تم اللہ اور اس کے سلسلہ میں یہ بدگمانی کیوں کرتی ہو کہ وہ تم پر ظلم کریں گے؟ فرماتی ہیں، لوگ خواہ کچھ بھی چھپائیں اللہ تعالیٰ تو ظاہر فرما دیتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جبریل میرے پاس آئے تھے اور مجھے پکارا اور تم سے راز داری فرمائی۔ اس لیے میں نے ان کی آواز پر لبیک کہی اور میں نے بھی راز داری رکھی اور جبریل تمہارے گھر ایسی حالت میں کیسے آتے کہ تم لیٹ

Marfat.com

چکی تھیں، میں نے یہ خیال کیا کہ تم سو چکی ہو اور تمہیں اٹھانا بھی مناسب نہ سمجھا اور تمہیں بتا کر جانا مناسب بھی نہ سمجھا کہ پھر تم اکیلی وحشت محسوس کروگی۔ بات یہ تھی کہ تمہارے رب نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اہل بقیع کے پاس جاؤں اور ان کے لیے دعاء مغفرت کروں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں کس طرح ان اہل بقیع کے لیے دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو۔

السلام علی اهل الديار من المومنين والمسلمين ويرحم الله المتقدمين والمستاخرين، وانا ان شاء الله بكم لاحقون

ترجمہ اہل ایمان والو اسلام تم پر سلامتی ہو، اللہ پہلے اور پچھلوں پر رحم فرمائے، اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ کی زیارت کے لیئے آئے اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ بقیع قبرستان کی زیارت کرے، مرحومین کو سلام کرے اور ان کے لیے دعاء مغفرت کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد ہے مجھے اس کا حکم دیا گیا کہ میں ان اہل بقیع کے لیے دعا کروں۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور ہمیں بھی اہل مدینہ میں شمار فرما کر بقیع کی مٹی نصیب فرمائے

آمین

Marfat.com

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

خواتین کی آئیڈیل رہنما

مارچ کا مہینہ آتے ہی اقوام عالم میں عورت کے حقوق و مساوات اور آزادی کے نعرے بلند آہنگ کے ساتھ گونجنے لگتے ہیں۔ اخبارات ایڈیشن نکالتے ہیں، سول سوسائٹی اور این جی اوز پانچ ستارہ ہالوں میں کانفرنسیں کرتی ہیں۔ کروڑوں روپے کے اخراجات سے مختلف سرگرمیاں سرانجام پاتی ہیں۔ حکومت بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہتی اس بلند و بانگ دعوؤں کے ساتھ سرکاری تقریبات بھی منعقد کی جاتی ہیں مگر عام عورت کی قسمت میں ہر سال وہی محرومی، مجبوری اور زندگی کی تلخیاں برقرار رہتی ہیں کیونکہ صرف اسی تلخی، محرومی اور مجبوری ہی کا ہر طرف آوازہ گونج رہا ہوتا ہے۔ ایسے میں ہر باشعور پاکستانی کا یہ فرض ہے کہ حقائق اور اعداد و شمار کی روشنی میں زندگی کی ان تلخیوں اور محرومیوں کو بھی کم کرنے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کی ان خوشیوں اور رعنائیوں کا بھی ذکر کرے جو ہمارا معاشرہ ہماری اقدار اور دین ہماری زندگیوں میں شامل کرتا ہے اسی سلسلے میں ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام ایک مشاورت میں یہ طے پایا کہ ہم ہر سال کسی ایک نامور مسلم خاتون کو بطور رول ماڈل دنیا کے سامنے لائیں تاکہ ہماری روائتی معاشرے کی غیر اسلامی رسوم کی اڑتی ہوئی دھول میں ان خواتین کا جو موثر کردار زمانے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اسے سامنے لایا جائے۔

انسانی تاریخ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ طاہرہ کی طرح خواتین کم ہی نظر آتی ہیں جنہوں نے خواتین کے لیے عمل کی راہیں آسان تر اور روشن تر بنائی ہیں۔ ان کی یہ عظمت تو قابل رشک ہے ہی کہ وہ حضور ﷺ پر پہلی ایمان لانے والی خاتون ہیں مگر ان کی یہ عظمت ہماری نظروں

Marfat.com

سے پوشیدہ رہتی ہے کہ انہوں نے خود اپنے لیے اس ذات بابرکات کو تلاش کیا اور منتخب کیا۔ انہوں نے عرب کی مالدار ترین خاتون ہوتے ہوئے امیر ترین رؤسائے عرب کے رشتے ٹھکرائے اور اس دریتیم کو جسے محبوب دوجہاں بننا تھا اس وقت پہچانا جب ابھی اس کے گوہر کو اللہ نے آشکار نہ کیا تھا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کی فراست کی انتہا تھی اور ان کے مقدر کی خوش نصیب تابانی کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے سے پندرہ سال بڑی اور دو دفعہ بیوہ ہو جانے کے بعد بھی ان کا پیغام قبول کیا اور روئے زمین کے سب سے بڑے خوش قسمت جوڑے ہونے کا اعزاز ان کے حصہ میں آیا۔

آج یوم خواتین پر حقوق نسواں اور عورت کی آزادی اور مساوات کا بڑا چرچا ہے مگر ہم ان خواتین کا وہ معاشرتی رول دنیا کے سامنے نہیں لا رہے اور نہ ہی اس پر عمل درآمد کے لیے کوئی طریقہ کار وضع کر رہے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کا یہ فیصلہ کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو خود منتخب کیا۔ ان کی رائے کی آزادی اور ان کے حقوق کے حاصل ہونے کا ایسا اعلان ہے کہ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ سیرت نبوی ﷺ پر غور کریں تو ایک عرب شاعر نے ان پر طنز کرتے ہوئے شعر کہا تھا کہ "جب سے اس دنیا میں محمد ﷺ آئے ہیں عورت کے حقوق کا بڑا چرچا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ساری عمر حضرت خدیجہؓ کا بہت پیار اور احترام سے ذکر کیا کیونکہ انہوں نے وفا محبت اور قربانی کی لازوال داستان رقم کی ہے۔ خاندان نبوت کی ایسی آبیاری کی ہے کہ اس میں اپنا تن بھی جلایا، اپنے من کو بھی وفا کی بھٹی میں تپایا اور اپنے دھن کو بھی قربان کیا۔ وہ مکہ کی انتہائی کامیاب اور مشہور تاجرہ تھیں جن کے تجارتی قافلے شام اور یمن تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، لیکن پھر شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں تین سال تک حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایثار و قربانی کا ایسا رشتہ نبھایا کہ تاریخ اس طرح کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو بطور رول ماڈل سامنے رکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا معاشرہ ان کے تاریخ ساز کردار سے عمل کی راہوں کو روشن کر سکے۔ ہم بھی اپنی

Marfat.com

عورتوں کو ایسے ہی حقوق دیں۔ ان کی اسی طرح سے حوصلہ افزائی کریں۔ انہیں محبت اور حفاظت کے حصار مہیا کریں کیونکہ ایک روایت کے مطابق بی بی حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور پسلی دل کے قریب اور بازو کے نیچے ہوتی ہے۔ عورت کی فطرت کو اسی طور پر پیدا کیا گیا کہ وہ محبت سے حفاظت کی محتاج ہوتی ہے اور جس عورت کو بھی یہ حصار میسر آجائے وہ ہر ناممکن کام کو ممکن کر جاتی ہے۔ ہماری یہ بدقسمتی رہی ہے کہ جس تاریخ اور جس معاشرے کو مردوں اور عورتوں نے مل کر بنایا ہے اس میں سے عورت کو غائب کر دیا گیا ہے اسی لیے دنیا نے ہماری تاریخ اور معاشرے دونوں کا ادھورا اور ناقص قصور لے لیا ہے۔ اسلام کا خوبصورت اور روشن چہرہ دنیا کو دکھانے کے لیے ہمیں ان منور کرداروں کو سامنے لانا ہوگا جنہوں نے روایت شکن اقدامات کر کے عورت کو ان کے حقوق دلائے۔ سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کی ایسی دلجوئی کی اور تسلی کے وہ تاریخی الفاظ رقم کیے جن سے حضور نبی ﷺ کی شفیق ہستی کو وحی کی گراں بار ذمہ داریاں سنبھالنے میں ڈھارس ملی۔ وہ نبوت کی پہلی ڈھال بنیں اور ہر جگہ اپنے محبوب شوہر کی غم گساری کی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی ان کی ایسی حوصلہ افزائی کی کہ ان کی صلاحتیں اور بھی پروان چڑھیں اور ان کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ ان کے ہوتے ہوئے حضور ﷺ نے کوئی اور نکاح نہ کیا۔ یہ بھی ان کا ایک بہت مبارک اعزاز ہے کہ ان کی وجہ سے خانۂ نبوت کو اولاد عطا ہوئی۔ ان کی اتنی منفرد اور بابرکت ذات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نوع انسانی کے سب سے مبارک گھرانے کا مرکز محبت بنایا۔ عورت اپنے خاندان اور گھر کا مرکز محبت ہوتی ہے اسی لیے قرآن کریم میں صنفی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العالمین فرماتا ہے۔

جواب میں ان کے رب نے فرمایا ''میں تم سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل

Marfat.com

کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے'' سورہ آل عمران۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اسلام قبول کیا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے آپ پر ایمان لائیں۔ وہ خلق خدا میں سب سے پہلے اسلام لانے والی تھیں اس معاملہ میں نہ کسی مرد اور نہ کسی عورت نے ان سے سبقت کی۔

ہم بھی آج حضرت خدیجہؓ کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے وطن عزیز میں عورت کے لیے راہ عمل متعین کریں معاشرے میں اس کے استحصال پر کڑی نظریں رکھیں اور اس کے لیے محبت اور حفاظت کا ماحول بنانے کا انتظام کریں۔ مردوں کے اس معاشرے میں حضور نبی ﷺ کی سیرت کی شفقت کو عام کریں اور وہی ماحول بنائیں جس میں زندہ درگور ہوتی عورت کو انسانیت کا شرف ملا۔ سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ ملا۔ رائے کی آزادی ملی اور اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا گیا اور اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس کے خاندان کے مرکز محبت ہونے کے کردار کو ہی اتنی اہمیت دی گئی کہ اس دور کی عورت کو اس غلط فہمی کا موقع ہی نہ مل سکا کہ گھر ایک قید خانہ ہے۔ اس نے گھر کو جنت بنا کر اسی کردار کو اتنا فعال طریقے سے ادا کیا کہ اس نے ایک ایسی نسل تیار کی کہ جس نے وہ معاشرہ تخلیق کیا جو آج بھی ڈیڑھ ارب انسانوں کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آئیں اس آنے والے یوم خواتین پر انہی مدھم ہوتے ہوئے نقوش کو تازہ کریں جن میں ہمارے پاس دنیا کی امامت بھی تھی اور آخرت کی فضیلت بھی۔ ہم نے اپنی تاریخ بھی فروزاں کی تھی اور ہمار جغرافیہ بھی پھیل رہا تھا۔ اپنی اس کھوئی ہوئی عظمت کو باز یاب کرانے کے لیے آئیں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے لیے عمل کی راہیں تلاش کریں اور اپنے حصے کی شمعیں جلاتے جائیں۔

Marfat.com

سیرت طیبہ کی روشنی میں

بین المِلّی یگانگت کی تعلیم

یہ حقیقت ہے کہ اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیامبر ہے۔ اس کی نگاہ میں نوع انسانی کا ہر فرد مساوات و مرتبہ کا مستحق ہے۔ وہ رنگ و نسل کے عیوب سے پاک ہے۔ اسلام انسانیت کو سنوارنے کے لیے اس دنیا میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اس کا بڑا وصف یہ کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے۔ اس کے کلام کا سرعنوان ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اس کی پہلی سورۃ ہی بسم اللہ کے بعد الحمد للہ رب العلمین ٥ الرحمٰن الرحیم ٥ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تین سو سے زائد آیات میں اس کی صفت رحمت کا ذکر ہے۔ مسلمان اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، وہ رحیمی و کریمی سے انحراف اپنے ایمان میں نقصان سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ کہ آپ ﷺ دنیا کے لیے رحمت ہیں، اس لیے بھی کہ وہ رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔ اسلام دین رحمت ہے، اس لیے کہ انسانیت کی تکمیل کے لیے جتنے فضائل واخلاق کی ضرورت ہوسکتی ہے، ان سب کی تعلیم ہمارے رسول اکرم ﷺ نے دی اور ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ ایمان، تزکیۂ نفس، زہد، تقویٰ، عفت، پاکبازی، دیانت داری، شرم، رحم، عدل، عہد کی پابندی، احسان، عفو درگزر، خودداری، شجاعت، استقامت، حق گوئی، استغنا، محبت اور شفقت وغیرہ کی جو اعلیٰ تعلیمات ہوسکتی ہیں وہ آپ ؐ کے ذریعہ ہم کو ملیں، اور جتنے رزائل ہوسکتے ہیں ان سب کی مذمت اور ممانعت کی گئی ہے، ان تعلیمات کے بعد یہ کہنے میں فخر ہوتا ہے کہ اسلام کا رب، رب المسلمین ہی نہیں بلکہ رب العالمین ہے، اور اس کا رسول رحمت اللعالمین کے ساتھ ساتھ رحمۃ اللعالمین ہے۔ اگر کوئی اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریز کرے تو یا تو اس کا یہ مذہبی تعصب ہے یا اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت اس کے

Marfat.com

بیچ میں حائل ہے یا وہ غلط رائے قائم کرنے کی منفیانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ ہمارا اصلی مسلک یہ ہے کہ ہم انسانیت کو سنوارنے کے لیے اس دنیا میں ہیں۔ ہمارا رب، رب العالمین ہے، وہ تو رب ہے، وہ کریم ہے، وہ حلیم ہے، وہ حفیظ ہے، وہ ستار ہے، وہ غفار، وہ ذوالجلال والا کرام ہے ہم اس کے سامنے تسلیم خم کرنے والے ہیں، تو پھر رحیمی، حلیمی، ستاری سے انحراف کرنا اپنے ایمان میں خلل ڈالنا ہے، ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم دنیا کے لیے رحمت اس لیے بھی ہیں کہ رحمۃ اللعالمین کے پیرو ہیں۔

یورپ کے متعصب ناقدین روز روشن کی طرح آشکارا حقیقت کو کذب وافتراء کے روپ میں اسلام کی ایسی خود ساختہ تصویر پیش کرتے ہیں کہ خونریزی، غارت گری اور بدامنی کا خونین منظر نگاہ کے سامنے پھر جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے پرداہ اور برہنہ لونڈیوں کی قطاریں کھڑی ہیں۔ کہیں ٹوٹی ہوئی صلیبوں کے انبار دکھائی دیتے ہیں، کسی جگہ زنا کار ڈھیر دکھائی دیتا ہے۔ مندر ویران اور گرجے مسمار ہیں۔ نہ برہمن کو کہیں امن ہے نہ کلیسا کے راہب کے لیے امن، نہ عورتیں محفوظ ہیں نہ بچے مامون۔ کچھ قتل کر دیئے جاتے ہیں جو باقی بچ جاتے ہیں وہ ناک میں نکیل ڈالوائے، حبشی سرداروں کے کوڑے کھاتے نحاس کی طرف گھسٹتے دکھائی دیتے ہیں، جہاں انسانیت عظمیٰ دو ٹکڑوں میں فروخت کی جاتی ہے۔

عصر حاضر میں یگانگت کی ضرورت

اسلام کا بنیادی مقصد ایک ایسے عالمگیر معاشرہ کی تشکیل ہے جو روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظہر ہو۔ جس کے افراد نہ صرف یہ کہ نیکوکار ہوں بلکہ نیکی اور بھلائی کے فروغ کے لیے کوشاں ہوں۔ بدی سے اجتناب کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی برائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہوں۔ ایسے معاشرہ کے افراد جہاں کہیں بھی ہوں گے اور جس زمانے میں بھی ہوں گے "خیر امت"، یعنی اچھی امت کہلائیں گے اور ایسے افراد زمانے اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر جو نظام بھی اپنائیں گے۔ وہ یقیناً اسلام نظام ہوگا کیونکہ اس نظام کے اساسی

Marfat.com

اصول قرآن وسنت سے مستنبط ہوں گے اور نظام کو چلانے والے خود بھی قرآن وسنت (شریعت) کے پابند ہوں گے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پرا کھٹے رہنے اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو، سب کی تعلیم یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لیے ہے۔ الگ الگ کر دینے کے لیے نہیں ہے۔ پس ایک پروردگار عالم کی بندگی ونیاز میں سب متحد ہو جاؤ اور تفرقہ ومخاصمت کی جگاہ باہمی ویکجہتی کی راہ اختیار کرو۔'' اور دیکھو یہ تمہاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس (میری عبودیت ونیاز کی راہ میں تم سب ایک ہو جاؤ) اور نافرمانی سے بچو''

قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ نے تمہیں ایک ہی جامہ انسانیت دیا تھا، لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لیے اور رشتہ انسانیت کی وحدت سینکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ تمہاری نسلیں بہت سی ہیں، اس لیے تم نسال کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہو۔ تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں، اس لیے اختلاف وطن کے بعد ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو، تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں۔ اس لیے ہر قوم دوسری سے دست وگریبان ہو رہی ہے۔ تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت وعناد کا بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بڑی حجت بن گئی ہے۔ پھر ان کے علاوہ امیر، فقیر، نوکر وآقا وضیع وشریف، ضعیف وقوی، ادنیٰ واعلیٰ ہے بے شمار اختلاف پیدا کر لیے گئے ہیں اور سب کی منشاء یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہوں، ایسی صورت میں بتلاؤ وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانہ باہمی اتحاد ویگانگت سے ازسرنو آباد ہو جائے۔

وہ (قرآن) کہتا ہے صرف ایک ہی رشتہ رہ گیا ہے اور وہ ''خدا پرستی'' کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے۔ تم سب ایک ہی

Marfat.com

پروردگار کے بندے ہو۔ تم سب کی بندگی و نیاز کے لیے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے۔

تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تماہری کوئی قومیت، تم کسی درجے میں اور کسی حلقہ کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا اور تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے اور تم سب ایک ہی رب العالمین کی عیال ہو۔ ''کہہ دیجئے اے نبیؐ! کہ اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور نہ اس کا شریک ٹھہرائیں کسی کو اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ تعالیٰ کے، پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان (حکم کے تابع ہیں) ہیں''

مفسرین نے لکھا ہے کہ نجران کا ایک وفد مدینہ آیا اور اس کی ملاقات یہودیوں سے ہوئی۔ ان دونوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک مناظرہ ہوا۔ عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی ثابت کرتے اور یہودی حضرت ابراہم علیہ السلام کو یہودی قرار دیتے اور اپنے مذہب کو ان کے مذہب کے قریب قرار دیتے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: ''دونوں گروہوں سے حضرت ابراہیم اور ان کے دین کا کوئی تعلق نہیں''۔

حضرت ابراہیمؑ تو ہر طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے، میں ان کے دین کا پیروکار ہوں۔ لہٰذا تم سب ابراہیمؑ کے دین یعنی اسلام کا اتباع کرو۔ تو یہودی بولے آپ تو یہ چاہتے ہیں جیسے عیسائیوں نے عیسٰی کو رب بنالیا اسی طرح ہم بھی آپ کو رب بنالیں۔ عیسائی یہ کہنے لگے کہ آپؐ یہ چاہتے ہیں جیسے یہودیوں نے جو بات عزیز کے بارے میں کہی تھی وہی ہم آپؐ کے متعلق کہیں' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عقیدہ توحید بین الملی اتحاد کی بنیاد ہے

اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی

Marfat.com

جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلے کی طرف دی جس پر دونون کا اتفاق تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔ وہ دعوت نامہ درج ذیل ہے۔

''میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام ہے جونہایت مہربان اور رحیم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب ہے۔ سلامتی ہو اس شخص کے لیے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے، بعد اس کے میں تجھے اسلام کے بلاوے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام تو سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر دے گا، اور اگر تو اعراض کرے تا تو تجھ پر ان سب انسانوں کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر آ کر جمع ہو جائیو جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں، کو رب بنائیں۔'' (صحیح بخاری، شریف، تفسیر معارف القرآن، ج 2 صفحہ 87)

قل یا اھل الکتب کا خطاب اگر چہ یہود و نصاریٰ دونوں سے یکساں ہے لیکن اس سورہ میں نصاریٰ چونکہ خاص طور پر مخاطب ہیں اس وجہ سے روئے سخن ان کی طرف زیادہ ہے۔

لفظ سواء کی عملی تحقیق

سواء کے معنی وسط کے ہیں۔ جو چیز دو جماعتوں کے بیچوں بیچ (درمیان ہوگی) وہ دونوں میں یکساں مشترک، مسلم اور جانی پہچانی ہوئی ہوگی۔ توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں مشترک و مسلم ہے قرآن کریم نے اسی مشترک کلمہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اس قدر مشترک کے معیار پر قرآن کریم اور اسلام پورے اترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت؟

اھل کتاب آسمانی صحیفوں کے حامل ہونے کے سبب سے توحید کی تعلیم سے اچھی طرح آشنا بھی تھے اور اس کے علمبردار ہونے کے مدعی بھی تھے۔ ان کے صحیفوں میں نہایت واضح الفاظ

Marfat.com

میں توحید کی تعلیم موجود تھی۔ قرآن کریم نے ان کو دعوت دی کہ یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی بندگی کی جائے، نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب ٹھہرائے۔ پھر اس مشترک حقیقت کے برخلاف تم نے خدا کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیوں بنا رکھا ہے اور اپنے احبار ورہبان اور فقیہوں، صوفیوں کو ''ارباباً من دون اللہ'' کا درجہ کیوں دے دیا ہے۔ اسی نقطہ سے بحث کا آغاز کیا ہے اور پھر بتدریج اس کے تقاضے اور لوازم واضح فرمائے ہیں اور جو چیزیں اس کے تقاضوں کے خلاف اہل کتاب میں پیدا ہوگئی تھیں ان کی تردید فرمائی ہے۔ اولاً یہ بات کہ توحید بنیادی طور پر ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان ایک مشترک حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی تورات اور انجیل پر نگاہ رکھتا ہے وہ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔

الہامی کتب اور عقیدہ توحید

انجیل سے کچھ حوالے یہاں ہم پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ توحید کے معاملے میں سب سے زیادہ گمراہی انصاریٰ کو ہی پیش آئی ہے اور آیت میں بھی درحقیقت جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں، روئے سخن ہے بھی انہی (انصاریٰ) کی طرف۔

''یسوع نے جواب میں اس سے کہا۔ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اسی کی بندگی کر'' (لوقا 8:4)۔ ''یسوع نے جواب دیا کہ اول (حکم) یہ ہے اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے'' (مرقس 12 صفحہ 30-29) ''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں'' (یوحنا 3:17)۔ ''اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی بات کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے'' (انجیل متی (17:19)۔ انجیل کے اس ٹکڑے کا ترجمہ بعض دوسرے نسخوں میں مختلف ہے، اگرچہ غلط یہ بھی ہے لیکن اس میں نسبتاً وضاحت ہے۔ ملاحظہ ہو ''تو مجھے نیک کیوں ٹھہراتا ہے، نیک تو ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے'' یہ فقرہ بھی دراصل یوں ہے ''تو مجھے کیوں پاک ٹھہراتا ہے۔ پاک تو ایک ہی اور وہ اللہ ہے''۔

Marfat.com

عالمی مذاہب کے درمیان عدم یگانگت کے اسباب

توحید کی ان واضح تعلیمات کی موجودگی میں اہل کتاب میں قرآن کا یہ مطالبہ کتنا معقول ہے کہ وہ بھی ان نصوص کی روشنی میں اپنے عقائد کا جائزہ لیں اور جو باتیں ان کے بالکل خلاف محض بدعات ومتشابہات کی پیروی کر کے انہوں نے اپنے عقائد میں شامل کر لی ہیں۔ان سے اپنے عقائد کو پاک کریں۔پھر آخر میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر اپنے ہی نبیوں اور صحیفوں کی تعلیمات سے اعراض کرتے ہیں تو تم یہ واضح کردو کہ ہم تو ان حقائق سے اعراض کرنے والے نہیں ہیں۔ہم تو اپنے آپ کو اسی رب واحد کے حوالے کرتے ہیں اور یہی حقیقت اصل اسلام ہے ۔اس آیت میں یہ جو بات آئی ہے کہ ''ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے''

یہاں توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ بنیادی عقیدہ (خدا کا ایک ہونا) یا اپنے کو مسلم ماننا جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔ایسی چیز ہے جو ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرف اور تحریف سے ان کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ضرورت اس کی ہے کہ جس طرح زبان سے مسلم وموحد کہتے ہو۔حقیقتاً اور عملاً بھی اپنے کو تنہا خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کے سپرد کرو نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ کسی اور عالم، فقیر، پیر، پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو، جو صرف رب قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔مثلاً کسی کو اس کا بیٹا، پوتا بنانا یا نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال وحرام کردینے پر اشیاء کی حلت وحرمت کا مدار رکھنا، یہود ونصاریٰ کے مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ باندھ دیتے ہیں خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے، کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار ورہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ تھوڑا سا مال یا ذاتی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔

جیسا کہ قرآن کریم کی آیت **اتخذوا احبارھم ورھبانھم**---کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد سورۃ توبہ کی آیت نمبر 34 میں فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روپیہ لے کر احکام شرعیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ادھر عوام نے انہیں خدائی کا مرتبہ دے

Marfat.com

رکھا ہے جو غلط سلط کہہ دیں وہی ان کے نزدیک حجت ہے۔ غرضکہ آنحضرت ﷺ کے نصاریٰ کے دعویٰ توحید کے ساتھ اشتراک کا سبب یہ ہے کہ وہ بھی زبان و بیان کی حد تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔

آیت کریمہ کے آخر میں یہ بات بھی وضح فرمادی کہ اگر یہ اہل کتاب توحید کی اس مشترک حقیقت کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو تم ان کو صاف صاف سنادو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں،۔ یہ ''گواہ'' رہو کے الفاظ بطور اظہار برات ہیں یعنی سن رکھو اور اس بات کے گواہ رہو کہ ہم نے تمہیں پوری وضاحت کے ساتھ سنادیا تھا۔ اب کل کو خدا کے حضور ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے ہیں ''بانا مسلمون'' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہی توحید اس سپردگی اور حوالگی کی روح ہے جس سے اسلام عبارت ہے اور جو اصل مطلوب و مقصود ہے جس کو یہ توحید حاصل نہیں اس کو اسلام حاصل نہیں اور جس کو اسلام حاصل نہیں اس کو خدا حاصل نہیں۔

تاریخ مذاہب

تاریخ مذہب وادیان اتنی ہی قدیم ہے جتنی وجود کائنات کی حقیقت، اس لیے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ جہاں نسل انسانی کے ظاہری اور منعوی عبداء کی حیثیت رکھتے ہیں، وہاں مقام عبدیت وعنودیت کے بھی بظاہر عبداء اور مرکز تسلیم کئے جاتے ہیں۔ تاریخ ادیان عالم اور سلسلہ مذاہب پر مادی حیثیت سے نظر ڈالیں تو واضح طور پر ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی نوعیت وحیثیت سے قادر مطلق کو تسلیم کیا گیا ہے، اور انسانی زندگی کا کوئی دور ایسا نہیں جو معبود کے تصور سے خالی رہا ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ولکل قوم ھاد'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انسانوں کی ہدایت کے لیے ہادی ورہبر معبوث فرمائے۔ یہ موضوع بڑا اہم اور تحقیق طلب ہے جس کا مآل کار دین حنیف اور اسلام کی محفوظ حیثیت اور اس پر عمل انسانی فلاح و بہبود اور دینوی واخروی زندگی کے لیے بے حد اہم ہے۔

Marfat.com

A. B. Tylor کی مختصرترین تعریف کے مطابق

''مذہب روحانی موجودات پر عقیدہ کا نام'' تب بھی یہ تعریف ان موجودات کی ماہیت اور ہر ایک فرقہ کے لیے اس عقیدہ کی اصل اور جواز کے سوال کو پیدا کرتی ہے'' اس اعتبار سے مذہب کو اعتقاد کی اس قوت کا نام دیا گیا، جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے ،اور اسی مذہب کو ان صداقتوں کا مجموعہ قرار دیا گیا جن میں وہ قوت ہوتی ہے جو انسانی کردار مین انقلاب برپا کردیتی ہے۔ بشرطیکہ انہیں دل کی گہرائیوں سے قبول کیا جائے اور ان پر غور فکر کرتے ہوئے انہیں سمجھا جائے'' دنیا کے اودیان و مذاہب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مذہب کی ابتداء کے بارے میں واضح نظریاو (تصورات) پائے جاتے ہیں۔

تعارف مذہب

اس تصور کی رو سے انسان بتدریج ایک اعلیٰ ہستی کے تصور تک پہنچا، جس کی ابتداء آباواجداد کی محبت سے ہوئی اس کے ساتھ ساتھ مظاہر فطرت کی طرف وہ راغب ہوا اور ان کی پرستش شروع کی۔ ڈر یا محبت کی وجہ سے اور جو شے اچھی لگی اس کے آگے سر جھکا دیا، لیکن پھر آہستہ آہستہ ان خداؤں کی تعداد کم ہونے لگی اور صرف ایک خدا کا تصور باقی رہ گیا، وہ ہر شے کا خالق و مالک تصور کیا گیا، الہامی مذاہب کے علاوہ اکثر مذاہب کا نظریہ اس تصور پر قائم ہے۔ اس نقطہ نظر سے مذہب کا تصور یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا تو اس کی دیگر ضروریات کے ساتھ ساتھ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول بھی اسے بتادیے اور پھر ہر دور میں اس کا اہتمام کیا گیا کہ انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے ہر طرح کی ہدایات میسر ہوں۔ یہ ہدایات یکساں تھیں اور ہر دور کی ضروریات پوری کرنے کی ان میں صلاحیت موجود تھی، بلکہ ہر دور میں اس کی ضرورت کے مطابق ہدایات فراہم کی گئیں۔ گویا مذہب کا یہ نظریہ قدیم ہے اور اس کی رو سے خدائے واحد کی عبادت سے

Marfat.com

مذہب کی ابتداء ہوئی اور پھر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے، شرک وکفر کی راہ اختیار کی، مذہبی تصور کے اس نظریہ کو اب تو مغربی محققین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

پروفیسر (Schimdt) اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ انسان کا ابتدائی تصور مذہبی ہی تھا اور اس کا اعلیٰ ترین ہستی کے بارے میں جو تصور پایا جاتا ہے وہ توحیدی تھا اور اس طرح اس عقیدہ سے جس مذہب نے جنم لیا وہ خدائے واحد کی ذات پر عقیدے کا مذہب تھا''

سر ولیم میور

سر ولیم میور (مصنف لائف آف محمدؐ) لکھتا ہے ''مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا''۔

جہاں تک بحیثیت مسلمان ہمارے مذہب کے آغاز کا تصور اور اسلام کے نظریہ دین کا تعلق ہے۔ یہ بات سب پر روشن ہے کہ وہ مذہب کی جامع تعریف پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دین ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی طرف سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) کی صورت میں دیا گیا ہے۔ جس میں زندگی کے مادی وروحانی دونوں شعبوں سے متعلق مکمل اور واضح احکامات دیے گئے ہیں۔ مذہب کے اس مکمل اور واضح نظریے نے مذاہب عالم کو متاثر کیا اور اپنے پیروؤں کو کشمکش حیات میں قوت عطا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوا اور اس کے ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کر دیا گیا کہ اب مذہب کی تکمیل ہو چکی، اب اس میں تحریف نہیں کی جا سکے گی۔ جس کی وجہ سے اب قیامت تک انبیاء کا سلسلہ تمام ہوا اور اس مذہب میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرے۔

Marfat.com

اس وقت دنیا میں جتنے بھی مذاہب پائے جاتے ہیں ان کی تقسیم کی دو بنیادیں ہیں۔

الف۔ الہامی مذاہب

جس کی تعلیمات خالق کائنات کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔

ب۔ غیر الہامی مذاہب

جن کی تعلیمات اور اصول انسانوں کے اپنے وضع کردہ ہوں، پھر ان ہر کو دو میں مزید اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک تو وہ مذاہب ہیں جن کی ترویج واشاعت کے لیے ان کے ماننے والے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ یعنی (تبلیغی مذاہب) اس میں کئی ایک الہامی اور غیر الہامی مذاہب شامل ہیں اور دوسری تقسیم ان مذاہب کی ہے جن کی تبلیغ نہیں کی جاتی بلکہ کسی خاص نسل یا علاقے تک محدود کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی کئی ایک الہامی مذاہب شامل ہیں۔ گویا مذاہب عالم کو عام طور سے چار اقسام میں متعارف کرایا جاسکتا ہے۔

الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی امتیازی خصوصیات

☆۔ الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں لیکن غیر الہامی اس کے پابند نہیں، یہاں تک بعض سرے سے اللہ تعالیٰ کے تصور سے بھی عاری ہیں۔

☆ الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں۔

☆ الہامی مذاہب کا اصل منبع وسرچشمہ کتب سماوی ہیں، غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں

☆ الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی اپنی اصل تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

☆ الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور لچکدار ہیں۔

☆ الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی اور اپنی اصل کی بنیاد پر دینی اور دنیاوی زندگی پر کم وبیش

Marfat.com

حاوی ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں، یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں مثلاً تاؤمت یا دنیوی زندگی سے متعلق مثلاً کنفیوشی مت۔

الہامی مذاہب

وہ مذاہب جن کی تعلیمات کی بنیاد وحی ہے الہامی مذاہب کی تعریف میں آتے ہیں۔ ان مذاہب کی تعلیمات بلکہ ان کا نظریۂ حیات اس خالق کائنات کا تفویض کردہ ہوتا ہے جس نے جب اس دنیا میں پہلا انسانی جوڑا بھیجا تو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ تمہیں زندگی گزارنے کے لیے جن اصول وقواعد کی ضرورت پڑے گی وہ میری طرف سے تم تک پہنچیں گے۔ فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ: ہم نے کہا یہاں سے سب اترو پس تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی، پس جو میری ہدایت پر عمل کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں۔

خالق کائنات نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو وقتاً فوقتاً بھیجا۔ ان سب نے اسی الہامی نظریۂ حیات پر لوگوں کو زندگی گزارنے کی تلقین کی، ان برگزیدہ ہستیوں کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی یعنی سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری کڑی نبی کامل حضرت محمد ﷺ۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک لاکھ سے زائد ایسی برگزیدہ ہستیاں گزریں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ معروف ہستیاں ہیں جن کے پیش کردہ نظریہ حیات پر آج بھی کروڑوں انسان عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے نظریہ کی رو سے تمام الہامی مذاہب ایک ہی طرح کی تعلیم دیتے رہے۔ اسلام بھی انہی تعلیمات کو بطریق احسن پیش کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں نے تعلیمات میں ردوبدل کر کے انہیں اپنی مرضیات کے تابع کرنے کی کوشش کی، لہٰذا اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے ذریعہ ان تمام مذاہب کی تکمیل کر دی، اور اب قوانین کا جو مجموعہ اصلاح انسانیت کے لیے دیا گیا اس کی حفاظت کا مکمل انتظام بھی کر دیا گیا فرمایا: ”بے شک

Marfat.com

اس ذکر یعنی (قرآن کریم) کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے''۔

جملہ مذاہب سے عقیدت واحترام کا حکم

دیگر الہامی مذاہب کے سلسلے میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ''(اللہ سے ڈرنے والے) وہ لوگ ہیں جو کچھ آپؐ پر (اے محمدؐ) اتارا اور جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں''۔
اس آیت ربانی کی رو سے تمام الہامی مذاہب پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ خالق کائنات کی طرف سے ہدایت انسانی کے لیے نازل کی گئی تھیں۔ ان مذاہب میں اہم حسب ذیل ہیں۔

مذہب یہودیت اور اس کی عالمگیر تعلیمات

یہودی نسلی اعتبار سے بنی اسرائیل ہیں۔ اسرائیل عبرانی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''اللہ کے بندے'' کے ہیں۔ یہود کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن سے یہود کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں بکثرت انبیاء ورسل ہوئے۔ یہود کو عرب میں اس گزشتہ تاریخ اور علم ومذہب سے وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بنی اسرائیل اور یہود دونوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکامات الٰہی کی تبلیغ کے لیے اس قوم کو مامور کیا اور اسے دنیا جہان پر فضیلت بخشی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنواسرائیل کو حاصل تھی جو انہوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوائی اور امت محمدیہ کو ''خیر امتہ'' کے لقب سے نوازا گیا، کیونکہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان وعمل سے محرومی پر اللہ تعالیٰ سلب کر لیتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں یہ لوگ کعنان سے مصر منتقل ہوئے اور مذہب سے روگردانی کرتے ہی قطبیوں کے غلام بن گئے اور ذلت کی زندگی گزارنا ان کا مقدر بن گیا۔
اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو انہیں فرعون

Marfat.com

مصر کے پنجے سے چھڑا کر لائے لیکن غداری سے نجات ملتے ہی پھر بدعہدی، ناشکری کی باتیں کرتے رہے، جس کی پاداش میں انہیں وقتاً فوقتاً تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا، غرضیکہ تاریخ یہودیت مسلسل عروج وزوال کی داستان ہے۔

ابراہیم اے نیومن یہودیت پر اپنے مضمون میں لکھتا ہے ''یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس پر ایک چھوٹی قوم یہودی قوم اعتقاد رکھتی ہے جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنی عددی ترقی کی انتہا پر تھی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور اب گھٹ کر ایک کروڑ یا ایک کروڑ دس لاکھ ہوگئی ہے جو ایک مجنوں ٹولی کا نتیجہ ہے جو اس مذہب اور یہودی قوم کا صفایا کرنا چاہتی تھی۔ Encyclopedia of Religion Ethics کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے، خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کی پسندیدہ اور منتخب امت ہونا، یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا یعنی شرک کو مسترد کرتی ہے وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے''۔

یہودی مذہب کی تعلیمات

یہودیوں کی مقدس کتاب ''تورات'' ہے جسے بعد میں خود انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق بدل ڈالا۔ یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے بڑی اہمت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ Ten- Commend ments جو انہیں طور سینا پر عطا ہوئے۔ یہودی مذہب کی بنیاد ہے۔ یہ احکام عشرہ مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ خدا کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا

☆ کسی جاندار کی صورت نہ بنانا اور نہ اسے سجدہ کرنا۔

☆ خدا کے نام کی تعظیم کرنا

☆ سبت کے دن کی تعظیم کرنا، چھ دن کام اور ساتویں دن کوئی کام نہ کرنا۔

☆ کون نہ بہانا

☆ ماں باپ کی عزت کرنا

Marfat.com

☆زنا نہ کرنا۔

☆چوری نہ کرنا

☆اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

☆اپنے پڑوسی کے مکان، بیوی، خادم، خادمہ، مویشی اور چیز کی طرف لالچ کی نگاہ نہ ڈالنا۔

یہ احکامات عشرہ سادہ تھے اور ان پر عمل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی وحدانیت کو قائم کر دیا جاتا اور ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جاتی جس میں انسان کی عزت اور پڑوسی کے حقوق کی حفاظت ہوتی۔

یہودیوں کی اجتماعی حالت

توریت کے احکام اور خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بناء پر یہودی دنیاوی اقتدار سے محروم اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو گئے۔

''ان پر ذلت و بے چارگی طاری کی گئی اور وہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گئے''۔

سب سے زیادہ انبیاء اسی قوم میں معبوث ہوئے، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر فرمانبروا بھی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور یہودیت کے عروج کا نہائی دور تھا لیکن کبھی بھی عددی اعتبار سے یہ دنیا کی آبادی میں قابل ذکر نہ رہے۔

مذہب عیسائیت اور اس کی عالمگیر تعلیمات

عیسائیت کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

''کہ وہ ایک اخلاقی، تاریخی عالمگیر توحید پرست اور نجات دہندہ مذہب ہے جس میں خدا اور بندے کے تعلقات کا درمیانی واسطہ خداوند یسوع مسیح کی ذات اور کارنامہ ہے''۔

Encyclopedia of Religion Ethics جلد 1 صفحہ 581۔

لیکن آگے مقالہ نگار عیسائیت کو توحید پرست کے علاوہ تثلیت پرست بھی قرار دیتا ہے چنانچہ

Marfat.com

وہ لکھتا ہے: عیسائیت میں خدا کا تصور نہ صرف توحید پرستی ہے، بلکہ تثلیث پرستی بھی“
(Encyclopedia of Religion Ethics)

جب یہودی اپنے اعمال کی بناء پر انتہائی زوال کو پہنچ چکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نجات واصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوت سے بغیر باپ کے حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے فلسطین کے ایک گاؤں بیت اللحم میں پیدا فرمایا۔ آپ نے مختلف معجزات اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ یہودیوں کو یہ سمجھایا کہ کامیابی صرف احکام الٰہی کی پیروی کرنے میں ہے۔ آپ کے ایک وعظ کے الفاظ ہیں: ”مبارک ہیں وہ جن کی روحیں غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے، مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ زمین کے وہی وارث ہوں گے، مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہی اطمینان پائیں گے، مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا، مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے“۔ (مذاہب علم، احمد عبداللہ المسدوسی، ص2870)

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ ”عہد نامہ قدیم“ Old Testament کا ہے جس میں 39 کتابیں معہ تورات کے شامل ہیں اور دوسرا حصہ ”عہد نامہ جدید“ New Testament کا ہے۔

عیسائیت کی بنیادیں یہودیت پر قائم ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق بھی اسی قدیم مذہب سے تھا۔ اس لیے بنیادی طور پر عیسائیت اور یہودیت کی تعلیمات میں اختلاف نہیں ہے، اور جس طرح توریت یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے اسی طرح عیسائیوں کے مذہب میں بھی شامل ہے۔

حضرت عیسیؑ کی تعلیمات مختلف رسالوں کی شکل میں تحریر میں لائی گئیں۔ جن چار تحریروں کو مستند سمجھا گیا اور جنہیں بائبل میں شامل کیا گیا وہ یہ ہیں۔ انجیل متیٰ Mathew، مرقس Mark، لوقا Luke اور یوحنا John۔ یہ رسالے حضرت عیسیؑ کے حواریوں یا سینٹ پال کے مریدوں کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ ان رسالوں کے قدیم ترین نسخے یونانی زبان میں محفوظ ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ یہ حضرت عیسیؑ کے زمانے میں تحریر میں نہیں آئے تھے بلکہ ان کے بعد لکھے گئے۔

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ نے خدا کی وحدانیت اور رسولوں پر ایمان لانے کی تعلیم دی تھی۔ آپ نے دنیاوی اعمال کو جزا اور سزا کا پابند قرار دیا تھا اور لوگوں کو اس دن سے ڈرایا تھا جس دن ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ آپ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ لوگ قناعت اور صبر کی زندگی بسر کریں، دوسروں کو اپنی ذات سے نقصان نہ پہنچائیں، دولت کے پیچھے نہ بھاگیں اور اپنے خالق کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کریں، لیکن حضرت عیسیٰؑ کی یہ سیدھی سادھی تعلیمات جلد ہی فراموش کر دی گئیں۔

توحید فی التثلیث

عیسائیت کا بنیادی عقیدہ تثلیث ہے جس میں باپ بیٹا اور روح القدس شامل ہیں۔ ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام ہوتی ہے:

''تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ اس لیے عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔'' Encyclopedia of Britinica جلد 22 صفحہ 479

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے۔

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک مسئلہ بنا رہا ہے۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اس بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا۔

ایک گروہ رومن کیتھولک اس میں مقدس مریم کے اضافے کے حق میں ہے، انجیل ان کی

Marfat.com

مذہبی کتاب ہے۔آج عیسائیت کے تین بڑے فرقے ہیں۔

1۔مشرقی تقلید پسند 2۔رومن کیتھولک 3۔پروٹسٹنٹ

سب سے بڑا فرقہ رومن کیتھولک ہے جس کے رہنما ''پاپائے روم'' ہیں۔

غیر الہامی مذاہب

ہر وہ نظام جس کی بنیاد احکام الہٰی پر نہ ہو وہ غیر الہامی مذاہب کے زمرہ میں شامل ہے خواہ اس پر عمل کرنے والوں کی تعداد کروڑوں میں لاکھوں میں، ہزاروں میں یا سینکڑوں میں ہی کیوں نہ ہو، اہمیت اپنی جگہ ان کی ہے اس لحاظ سے ہم غیر الہامی مذاہب کی تعداد کا تعین تو نہیں کر سکتے ،لیکن یہاں مختصراً ان کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جن کا اثر ایک عرصہ تک انسانی معاشرہ پر رہا ہے۔ان میں دنیا کی قدیم ترین تہذیبیں حمورابی، کسدی، آشوری، سمیری ہوں، افریقی قبائل کے عقائد ونظریات ہوں یا جنوب مشرقی ایشیاء کے زرتشتی ، ہندومت ، بدھ مت کا ذکر سب غیر الہامی مذاہب کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہاں صرف معروف غیر الہامی مذاہب کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔

الف: زرتشتی مذہب

زرتشتی مذہب کی تاریخی حیثیت مورخین 6ہزار سے دو ہزار قبل مسیح متعین کرتے ہیں۔اس مذہب کے بانی زرتشت اعظم نے خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مصائب کہاں سے آتے ہیں۔ایک مرتبہ سورج کو غروب ہوتا دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا اندھیرے اجالے کا سنگم ہے۔اسی خیر وشر کا نام دیا گیا اور دو خداؤں کے تصور نے جنم لیا۔خدائے خیر اور شر خدائے خیر یعنی اہورامزدا کی سات صفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔(یہ سات صفات مل کر ''امیتا اسپنتا'' کہلاتی ہیں۔جن کے مجسمے اور تصویریں بنائی جاتی تھیں) جنوب مشرقی ایشیاء میں زرتشت کے پیروکار ''پارسی'' کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات حیات بعد الممات، حساب اعمال اور جنت ودوزخ کے قائل ہیں۔زرتشتی مذہب میں پاک وصاف رہنا، محنت مشقت سے روزی کمانا اور غریبوں کی مدد کرنا نیک آدمی کی پہچان ہے،

Marfat.com

سستی وکاہلی اور بے کاری، قابل نفرت ہے اور ایسا شخص جہنمی ہے۔ پارسی اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے، اس لیے اس مذہب کے پیروکاروں میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا، اب یہ مذہب ہندوستان کے کچھ علاقوں خصوصاً گجرات، بمبئی اور پاکستان مین کراچی تک محدود ہے

ب: ھندومت

ہندومت اگرچہ دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ہے، اصطلاحی اور عملی زبان میں مذہب کی جو تعریف ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ''ہندومت'' کیا ہے؟ اور کن بنیادی عقائد پر یقین رکھنا اس مذہب کے ماننے والوں کے لیے لازمی ہے، کیونکہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کی طرح نہ تو اس کے کسی پیغمبر کا وجود ہے نہ کیس ایک الہامی کتاب کا اور نہ کسی معین عقیدہ کا۔

چنانچہ جان کلارک آرچر Archur John Clark ہندو مذہب پر اپنے مغز مقالہ میں لکھتا ہے:

''ہندو مذہب اپنے ابہام کے لحاظ سے اول تو عہد حجر کی ایک نشانی ہے یہ اتنا قدیم ہے''

تاریخی اعتبار سے اسے ساڑھے تین ہزار سالہ قدیم مذہب کہا جاسکتا ہے۔ ویدیں اس کی مقدس کتاب ہیں۔ جن کے ساتھ اپنشدر، پران، گیتا اور سماجی قوانین کے مجموعے ساشتر بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ''تری مورتی'' اس کا بنیادی عقیدہ ہے، جس کے تحت تین خداؤں کا تصور کیا جاتا ہے۔ کائنات کا خالق، کائنات کی بقاء کا ذمہ دار اور کائنات کی تباہی و بربادی کا سبب، جسے برہما، وشنو اور شیو کا نام دیا جاتا ہے۔ ہندو عقیدہ سکے مطابق تمام بڑے بڑے مصلحین وشنو کے اوتار تھے اور ابھی ایک اوتار باقی ہے ان کی تعداد دس بتائی جاتی ہے جسے ''وشا اوتار'' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ آج ہندو بھارت کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں۔

ج: بدھ مت

بدھ مذہب کے بانی گوتم ہیں جن کا لقب ساکھیا منی تھا جو بعد میں بدھ کے نام سے موسوم ہوئے، یہ کیلا دستو کے مقام پر جو نیپال کے جنوب میں واقع ہے پانچویں صد مسیح میں پیدا ہوئے۔ بدھ مذہب کی غایت یہ ہے کہ انسان اسی دنیوی زندگی میں نروان حاصل کرے۔

Marfat.com

نروان نفس کی اس حالت مطمعیہ کا نام ہے جس میں دینوی افکار وآلام کا دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس مذہب کی تعلیمات انتہائی سادہ تھیں۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخلاقی تعلیمات پر مبنی ایک ایسا نظام حیات، اس مذہب کی بنیاد تھا جس کا مقصد انسان کو ہندو مذہب کے نظریہ تناسخ سے نجات دلانا تھا، لیکن بدھا کی وفات کے بعد اس مذہب میں کافی تبدیلی کردی گئی۔ اس کے گروہ بن گئے، مہاراجہ اشوکا نے اس مذہب کی اشاعت وترویج نہ صرف جنوب مشرقی ایشیاء تک محدود رکھی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اسے متعارف کرایا اور آج اس کے پیروکار بیرون ملک میں زیادہ ہیں۔

بقول لی بان ''ابتدائی بدھ مذہب محض ایک اعلیٰ درجہ کا اخلاق تھا، لیکن بتدریج بدھ مذہب باضابطہ مذہب بن گیا اور اس میں بھی دیوتا اور رسوم واعمال وعبادت وفلسفہ شامل ہوگئے اور برہمنی مذہب کی طرح بدھ مذہب میں فرقے ہوگئے اور بدھ کی مورت بن گئے''

قصہ مختصر یہ تو چند اہم اور بڑے غیر الہامی مذاہب کا ذکر تھا، ان کے ساتھ ساتھ اسی خطہ میں جینی، کنفیوشس، تاؤ اور شنو جیسے مذاہب کی بھی اپنی جگہ اہمیت رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مذہب اپنی اہمیت کھوتے رہے اور آج ان میں سے کئی ایک ایسے ہیں کہ جن کے ماننے والوں کو کوئی کاص عددی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

مذہب اسلام کی عالمگیر تعلیمات

اسلام کا مرکزی اور بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ جس کے متعلق قرآن کریم کا نظریہ ہے کہ وہ ایک پرانی یعنی ازلی وابدی حقیقت ہے جو تمام انبیاء سابق کی تعلیمات کی روح تھی۔ اس لیے کلام اللہ کی شہادت یہ ہے: ''تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین (ملت) ہے اور اسی (اللہ تعالیٰ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے'' (سورۃ الحج آیت نمبر 78) ''کہہ دیجیے کہ میرے اللہ نے میری ہدایت صراط مستقیم کی طرف کی ہے جو دین قیم ہے۔ جو ملت دین ابراہیم ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے'' (سورۃ انعام آیت 161)۔ ''جو شخص ملت (دین) ابراہیمؑ سے گرادنی کرے وہ اپنی ذات کو ہلکا بناتا ہے''۔

Marfat.com

(سورۃ بقرہ 130)

توحید کا مرکزی تصور اسلام کی اساس ہے اور یہی اساس اس کو کفار اور مشرکین سے جدا کرتی ہے۔ اسی لیے جو ادیان سابقہ عقیدہ توحید پر مبنی تھے جیسا کہ عیسائیت اور موسویت کا حال ہے۔ باوجود تحریف عقیدہ توحید کے ان میں اسلام سے ایک حد تک مماثلت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مذاہب عالم کے جاننے والے علماء جب مذاہب کی وصولی تقسیم کرتے ہیں، تو وہ اسلام، عیسائیت اور موسویت کو توحیدی مذہب میں داخل کرتے ہیں، یہاں تک کہ عیسائی پادری بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ Bathman لکھتے ہیں: ''خدا کے سوا کوئی الہٰ (معبود) نہیں۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی طرح ایک خالص توحیدی مذہب ہے۔ یہ تینوں مذاہب ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہر ایک میں خدا کی ایک مختلف صفت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام کا بنیادی تقاضا توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت ہے، جس کے ساتھ ہی یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہونا، سال بھر میں ایک ماہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر روزہ رکھنا، یعنی دن بھر کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے پرہیز استطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا، زندگی میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا اور بوقت ضرورت اس کے نام پر زندگی قربان کر دینا ضروری ہے۔ اس طرح کے نظریہ حیات کو اپنا کر ہر انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نسل یا ملک سے ہو، وہ کسی بھی رنگ کا مالک یا معاشرے میں اس کا کوئی بھی مقام ہو اس لیے کہ اہل ایمان کی پہچان کا رشتہ ایمان ہے۔ ''بے شک سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ ان قومیت کے عناصر ہی الگ ہیں ان کی ملت کی ترکیب ہی جدا ہے۔

ظہور اسلام کے وقت دنیا میں جو مذاہب موجود تھے انہوں نے کبھی مذہبی اختلاف سے بالاتر رہ کر صرف انسانیت کی بنیاد پر بنی نوع انسان کو متحد ہونے کی دعوت نہیں دی تھی، بلکہ ان مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے سے نہ صرف نفرت کرتے تھے بلکہ مذہب کے نام پر دوسرں کو تکلیف پہنچانے کو ایک قسم کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔ اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کو یگانگت کا نعرہ بلند کر کے بنی نوع انسان کے روبرو ایک نئی راہ کھول دی تھی۔

Marfat.com

اسلام نے اپنی دعوت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم کی لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یہ اسلام تصور مذہب سے کہیں زیادہ بنی نوع انسان اور انسانی معاشرہ کی اصلاح اور استحکام کے خیال پر مبنی تھا اور اسلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرانے کے بعد انسان کے ذہن کو اس طرح جاننا چاہتا ہے تھا کہ جب پوری کائنات کا خالق اور مالک ایک ہی ہے تو اس کے نام پر مخلوق کے درمیان نفرت اختلافات اور کشیدگی کا وجود باقی نہیں رہنا چاہیے۔

سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق یہ کہا جائے کہ آسمان نے روز و شب کی ہزار کروٹیں بدلیں لیکن احترام انسانیت کے لیے اس سے زیادہ پر درد اور پرخلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ آج دنیا میں ہر طرف حقوق انسانی کا چرچا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کے مانند ہیں جن کے نیچے دنیا کے گوشے گوشے میں قدر حریت اور شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ تہذیب حاضر نے انسانیت پر ظلم وستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں جس کی مثال تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ پیش نہیں کر سکتا۔ جو قومیں حقوق انسانی کی پاسبانی کے بلند و بانگ دعوے کر رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع نہ کسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقت جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کریم وک اپنی رعایا کے نام آخری پیغام تھا۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ انسانیت کی بقاء کا راز احترام انسانیت میں مضمر ہے۔ دوسری طرف یہ اعلان خداوندی ہوا:

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی''۔

اسلام ہی بین الاقوامی مذہب ہے

مذہب اسلام تبلیغی ہے۔ پروفیسر میکس طر کی مشہور تقسیم کے لحاظ سے مذاہب عالم کے منجملہ عیسائیت، بدھ مت اور اسلام تبلیغی مذاہب ہیں ل یکن بدھ مت اور عیسائیت کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپنی اصلی تعلیمات اور تاریخ کے مطابق یہ تبلیغی نہیں، اس کے برخلاف اسلام قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اپنی تاریخ کی بناء پر ایک تبلیغی مذہب ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

قرآن کریم پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں کہتا ہے:

''ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''

تمام مذاہب عالم میں عیسائیوں کو چھوڑ کر صرف مسلمان ہی ایک عالمگیر قوم ہیں، چنانچہ ایک عیسائی اڈورڈ حرجی لکھتا ہے:

''اسٹیج دنیا کا عمومی جغرافیہ ہے، جس میں زمین کے تمام براعظم شامل ہیں۔ زمانہ ساتویں صدی عیسوی کے بعد کی تاریخ ہے۔ ڈارمے کے افراد اور شخصیتیں بنی نوع انسان کی مختلف، متعدد نسلیں ہیں، عرب، ایران، ترک، یورپی، منگولی، حبشی، ہندو، انڈونیشی، سیاہ فام اور گورے ہر روغن والے، عنوان اگرچہ عربوں کا ہے، لیکن اصل کردار ہمیشہ خود اسلام نے ادا کیا ہے۔ اگر اسلام کی چہار گونہ (زمانہ، مکان نسل اور زبان کے) کوئی معنی ہیں تو وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ کے دین نے دنیا کی اجتماعی زندگی میں ایک زبردست کردار ادا کیا اور انسانیت نواز حصہ لیا ہے''۔ کائنات میں کئی طرح سے ہم آہنگی و یک رنگی ہے، ہم آہنگی کا کمال دیکھئے کہ ہر دل ایک منٹ میں 70 سے 72 دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک وقفے میں 16 سے 17 دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردش نجوم و شمس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی یا فقدان ہم آہنگی نظر نہیں آئے گی۔ دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ کیا تمہیں کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے''۔

قدیم دنیا کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ نسل انسانی کی تمام اصلی اور بڑی نسلوں کی نمائندہ ہے۔ چنانچہ جب ہم قدیم دنیا کے مذہبی فرقوں کی نسل تقسیم پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اقوام میں سامی نسل، آریائی نسل اور منگولی نسل کے اکثریتی علاقے داخل ہیں اور ان کی آزاد سلطنتیں ان تینوں بنیادی نسلوں کی نمائندہ ہیں۔ مسلمانوں کی یہ خصوصیت ایسی ہے جو دنیا کے دیگر مذاہب کے پیروؤں کو حاصل نہیں۔ اس کی وجہ سے

Marfat.com

مسلمان ان تینوں نسلوں کی ممیز خصوصیات کے جامع ہیں اور ان کی تہذیب وتاریخ کو ایسی رنگا رنگی وہم آہنگی ملی ہے جو انہیں زمان ومکاں کے کے تغیرات میں باقی رہنے اور اسلامی تہذیب کی بنیادی یکسانیت کو برقرار رکھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

مذاہب عالم میں اسلام اپنے مخصوص نظریے کے باعث جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ جس کے امتیازی اور مخصوص پہلوؤں میں سے دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے جو اس کی مرکزیت اور استحکام کا اصلی ذریعہ رہے ہیں۔

دنیا کے دیگر مذاہب کے برخلاف اسلام کا مرکز محفوظ رہا اور اس پر کبھی بھی دیگر مذاہب کا تسلط قائم نہ ہوسکا۔ اسی طرح اس کی کتاب کی زبان (عربی) کی حیثیت سے محفوظ ہے اور حج کے فریضہ کے ذریعہ اس سرزمین اور اس کی زبان سے مسلمانان عالم کے باہم روابطہ اور ہم آہنگی کو باقی رکھا گیا ہے۔ اس طرح اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ صرف ایک مکمل ضابطہ حیات عطا کرتا ہے بلکہ اس محفوظ ضابطہ وحیات کے سیاسی تقاضے کی تقویت کے لیے انہیں ایک محفوظ مرکز بھی عطا کرتا ہے۔

اسلام کے عالمگیر قوانین کی فطری ہم آہنگی

اسلامی نظریہ حیات کی بڑی طاقت اس کی سادگی اور فطرت کے عین مطابق ہونا ہے۔ عقیدہ توحید (جو اسلام کی اساس ہے) سے زیادہ سادہ اور فطری عقیدہ ناقابل تصور ہے۔ یہ معمولی سمجھ بوجھ کے آدمی کے لیے بھی اسی طرح قابل فہم ہے جس طرح اعلیٰ دماغ مفکر اور فلسفی کے لیے۔ اس عقیدہ کی صحت اور سچائی کے قائل کے لیے اس عقیدہ کے پیغامبر کی صداقت کا اقرار ایک طبعی نتیجہ ہے۔ اسلامی عقیدے کے یہ دو اجزائے ترکیبی (توحید ورسالت) نہایت مختصر اور سادہ ہیں۔ عقیدہ سے آگے بڑھ کر دوسرے درجہ پر اعمال مذہبی میں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں، جو اپنے معنی اور غایت میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں رکھتے اور عقیدہ کی طرح ایک عالم اور عامی دونوں کے لیے قابل فہم ہیں۔ بنیادی عقائد اور بنیادی اعمال وفرائض مذہبی کی یہ ہم آہنگی اور سادگی دیگر مذاہب عام میں نہیں پائی جاتی۔

Marfat.com

تعارف

سید قطب شہیدؒ

سید قطبؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں وہ ہمارے دور کے ایک عظیم اسلامی مفکر تھے جن کی تصانیف نے عصر حاضر میں اسلامی فکر کی تحقیق وتوضیح میں نمایاں حصہ لیا ہے اور وسیع پیمانہ پر اس کی ترجمانی کی ہے۔ان کی متعدد تصانیف کو غیر معمولی قبول عام حاصل ہوا ہے اور ان کے ترجمے ایک درجن سے زیادہ زبانوں میں ہو کر ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔تحریک اسلامی کے ایک عملی مجاہد کی حیثیت سے انہوں نے گیارہ برس تک جیل خانہ کی اذیتیں سہنے کے بعد شہادت کا بلند مرتبہ بھی پایا جس کے سبب وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک ایسے عظمت واحترام کے قابل قرار پائے جس کی نظیر قریب کے زمانہ میں ملنی دشوار ہے۔

سید قطبؒ نے اسلامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور تحریک اسلامی کے مقصد ومنہاج پر بھی گفتگو کی ہے لیکن ان کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو عصر حاضر کے ایک صاحب علم انسان اور ایک صاحب فراست مومن کی حیثیت سے گہرائی میں اتر کر سمجھا اور سمجھایا ہے۔التصویر الفنی ،فی القرآن اور مشاہد القیامہ جیسی مستقل تصانیف کے علاوہ انہوں نے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر قرآن بھی لکھی ہے جس کے متعدد ایڈیشن فی ظلال القرآن کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔یہ تفسیر بعض امتیازی خصوصیات کی حامل ہے جن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں فکر اسلامی کے ان پہلوؤں کی خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے جن کا تعلق جدید علوم ،عصر حاضر کے فکر اور سائنس سے پیدا ہونے والے سوالات سے ہے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے والے جدید تعلیم یافتہ افراد کے سامنے اکثر یہ سوال آتا ہے کہ قرآن اور سائنس میں کیا تعلق پایا جاتا ہے۔کیا قرآن ایسے حقائق کا بھی انکشاف کرتا ہے جنہیں عام

Marfat.com

طور پر سائنس کا موضوع تفتیش سمجھا جاتا ہے؟ کیا سائنس کے بعض انکشافات قرآنی بیانات کی توثیق کرتے ہیں اوران کوقرآن کی صداقت کی دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ کیا سائنس کے بعد بعض انکشافات قرآن سے ٹکراتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس تضاد کی توجیہہ کیونکر کی جائے۔ اگر سائنس کے نظریات اور قرآن کے بیانات میں ٹکراؤ پایا جائے تو ایک مومن کا رویہ کیا ہونا چاہیے یہ رویہ اختیار کرنے کے ساتھ وہ سائنس کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کیا موقف اختیار کرے گا؟ ان سوالات کے ضمن میں عقل انسانی اور وحی الٰہی کے اضافی مقام اور باہمی تعلق کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے۔ وحی کی ضرورت کیا ہے۔ عقل کی رسائی کے حدود کیا ہیں اور وحی سے حاصل ہونے والی رہنمائی کے سلسلہ میں عقل کا منصب اور وظیفہ عمل کیا قرار پاتا ہے۔ یہ وہ اصولی سوالات ہیں جو ہمیشہ سے اہل مذہب کے سامنے آتے رہے ہیں۔ حکماء فلسفی اور متکلمین ہر زمانہ میں ان کے تشفی بخش جواب ایک دانشمند انسان کے ایک پختہ صاحب ایمان ہونے کے لیے ناگزیر رہا ہے۔ دور جدید میں بھی علماء اسلام نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ سید قطبؒ نے اپنی معرکۃ الآرا تفسیر میں بھی یہ سوالات اٹھائے ہیں اوران کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

آج سے پانچ چھ سال پہلے رسالہ زندگی (رام پور) میں مسئلہ ارتقاء پر ایک بحث چھڑ گئی تھی۔ اس وقت فی ظلال القرآن کے چند ایسے اقتباسات کا ترجمہ زندگی میں شائع کیا تھا جو مسئلہ ارتقاء سے بھی تعرض کرتے تھے مگر ساتھ ہی ان میں مذکورہ بالا دوسرے امور پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ ان اقتباسات کا ترجمہ پیش کرنے کے ساتھ ہی تفسیر کے تین ایسے مقامات کی نشاندہی کی گئی تھی جو عقل اور وحی اور انسانی علوم سے متعلق مباحث پر مشتمل ہیں مگر طوالت کے سبب ان کا ترجمہ اس وقت نہیں پیش کیا جاسکا تھا۔ اس تحریک پر سلطان احمد اصلاحی صاحب نے، ادارہ تصنیف جماعت اسلامی ہند، علی گڑھ، میں زیر تربیت رہنے کے دوران میں ان تینوں اقتباسات کا بھی ترجمہ کردیا جو مجموعی طور پر تفسیر کے بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ پیش نگاہ مجموعہ تفسیر فی ظلال القرآن کے گیارہ مختلف اقتباسات پر مشتمل ہے جن میں سے

Marfat.com

آٹھ رسالہ زندگی، رام پور جلد 45 شمارہ 2 جولائی اور اگست 1970 میں شائع ہو چکے ہیں۔
اس مجموعہ میں یہ اقتباسات اسی ترتیب کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں جس ترتیب کے ساتھ وہ اصل عربی تفسیر میں آئے ہیں۔ صفحات کے حوالے تفسیر کے پانچویں ایڈیشن کے ہیں جو آٹھ جلدوں میں کویت کی وزارت اوقاف نے 1967 میں شائع کیا تھا۔

مصنفؒ کا فکر

مصنفؒ نے اوپر اٹھائے گئے سوالات پر ایک علمی مقالہ کے انداز میں مضبوط بحث نہیں کی ہے بلکہ مختلف آیات قرآنی کی تفسیر کے دوران ان پہلوؤں سے تعرض کیا ہے جو متعلقہ آیات کے تفسیر کے لیے ضروری نظر آئے۔ زیر غور موضوع پر ان کے فکر کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ان تمام مباحث پر ایک ساتھ نظر رکھنا ضروری ہے جو مختلف آیات کی تفسیر کے ضمن میں سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے اقتباسات پیش کرنے سے پہلے ہم جامع طور پر ان کے فکر کا خلاصہ بیان کر دیں۔ اس بیان میں ان کی بعض عبارتیں بھی سند کے طور پر شامل کر لی گئی ہیں۔

1 سید قطبؒ نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ قرآن کریم کا موضوع انسان ہے جس کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس نے کائنات اور اس میں کارفرما قوانین طبعی سے اگر تعرض کیا ہے تو اس لیے نہیں کہ ان سے متعلق حقائق کا انکشاف کرے بلکہ اس لیے مشاہدہ، محسوس اور تجربہ میں آئی باتوں سے استدلال کے ذریعہ انسان کو دو باتیں ماننے پر آمادہ کر سکے جن کی تعلیم دینا قرآن کا اصل کام ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"قرآن نہ تو سائنٹفک نظریات کی کتاب ہے نہ وہ اس لیے آیا ہے کہ تجربی طریقہ سے سائنس مرتب کرے۔ وہ پوری زندگی کے لیے ایک نظام ہے۔ یہ نظام عقل کی تربیت کرتا ہے تا کہ وہ اپنے حدود کے اندر آزادانہ سرگرم عمل ہو سکے۔ وہ سماج کو ایسا مزاج عطا کرتا ہے کہ وہ عقل کو آزادانہ عمل کا پورا کا پورا موقع دے۔ قرآن ایسی جزئیات اور تفصیلات سے نہیں

Marfat.com

تعرض کرتا جو خالص سائنٹفک ہوں یہ امور عقل کی تربیت اور اس کے لیے آزادی عمل کے اہتمام کے بعد عقل ہی کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہیں''

(فی ظلال القرآن جلد 5۔ پارہ 17 صفحہ 25-24)

''قرآن فلکیات، کیمیا یا طب کی سائنس کی کتاب بننے کے لیے نہیں آیا ہے۔۔۔ مگر قرآن کے بعض پرجوش حامی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے اندر علوم تلاش کریں، اور دوسری طرف اس کے بعض نکتہ چین اس میں ان علوم کے خلاف باتوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ یہ دونوں کوششیں اس کتاب کا مزاج، اس کا کردار اور اس کا میدان عمل نہ سمجھ سکنے کی دلیل ہیں''۔

(فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 2 صفحہ 94-65)

''ایک ہی منبع ہے جس سے انسان کائنات کی حقیقتوں کے تعلق سے انسانی وجود میں سے حقیقت کے تعلق سے، کائنات کی غایت کے تعلق سے اور انسانی وجود کی غایت کے تعلق سے، سچے، کامل اور ہمہ گیر تصور کو اخذ کر سکتا ہے۔۔۔ جس کے ذریعہ لوگ پورے کے پورے امن اور چین اور سلامتی میں، اپنی فطرت کے ساتھ سلامتی میں، جو اس کائنات کی بھی فطرت ہے اور دنیا کی اس زندگی میں انسان کے لیے جو سعی و عمل اور نشو و ارتقا میسر کیا گیا ہے اس میں بھی ایک دوسرے کے درمیان امن و آشتی اسی طریقہ کے اختیار کرنے میں مضمر ہے۔ ایک ہی منبع ہے جو رسالتوں کا منبع ہے۔

(فی ظلال القرآن جلد 5۔ پارہ 3 صفحہ 15-9)

2 کائنات کا مطالعہ اور اس میں کارفرما تکوینی قوانین کی دریافت سید قطبؒ کے نزدیک عقل اور سائنس کا میدان کار ہے۔

''جہاں تک مادی علوم اور مختلف قسم کے وسائل کو کام میں لاتے ہوئے مادی ایجادات عمل میں لانے کا تعلق ہے یہ کام انسان کی عقل و تجربہ، اس کے انکشافات، اس کے مفروضات اور اس نظریات کے سپرد ہے'' (فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 2 صفحہ 94-99)

''یہ کائنات جس کے اندر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور جس کا ہم ایک جزء ہیں، اس کے اندر

Marfat.com

چند پائیدار اصول کارفرما ہیں ۔۔۔انسان جب علم ومعرفت کی راہ میں آگے بڑھتا ہے تو انہی قوانین کے بعض گوشوں کا پتہ لگاتا ہے ۔۔۔انسان کائنات کے قوانین کے ان گوشوں کا پتہ لگانے کے لیے اپنے دو بنیادی وسائل پر اعتماد کرتا ہے، یعنی مشاہدہ اور تجربہ''

(فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 3 صفحہ 9-10)

''اس سے زیادہ وسیع میدان یہ ہے کہ وہ عقل اس کائنات کے قوانین، اس کے اندر پائی جانے والی قوتوں اور طاقتوں اور اس کے اندر مدفون، ذخیروں کا پتہ لگائے اور اس کی موجودات اور جاندار مخلوقات کی طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کرے پھر عقل کے لیے وسیع تر میدان یہ ہے کہ وہ انسان کے لیے مسخر کی ہوئی اس کائنات اور اس کی جاندار اور غیر جاندار موجودات سے استفادہ کرے۔زندگی کو پروان چڑھائے، اسے تبدیلیوں سے آشنا کرے، اور ترقی کے مدارج طے کرے'' (فی ظلال القرآن جلد 2۔ پارہ 6 صفحہ 29)

2 عقل اور سائنس کی رسائی اپنے مخصوص دائرہ میں بھی صرف جزئی علم اور ایسے نتائج تک ہے جو آخری، قطعی اور مطلق نہیں قرار دیے جاسکے کیونکہ علم کی ترقی کے ساتھ اس میں ترمیم واضافہ، توسیع وتجدید اور تبدیلی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''مشاہدہ وتجربہ، یہ دونوں وسائل اپنی نوعیت کے اعتبار سے جزئی ہیں یہ نہ آخری ہیں نہ اپنے نتائج کے اعتبار سے مطلق، اگرچہ مدت ہائے دراز میں بسا اوقات یہ کلی قوانین کے بعض گوشوں کی طرف رہنمائی کردیتے ہیں لیکن پھر یہ انکشاف جزئی صداقت کا حامل بن کر رہ جاتا ہے۔نہ آخری ہوتا ہے نہ مطلق، اس لیے کہ ان قوانین کے مابین ہم آہنگی کا راز قدرت کا وہی راز ہے جو دوسرے جملہ قوانین میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔یہ راز برابر پوشیدہ رہتا ہے۔جزئی اور اضافی مشاہدہ اس تک نہیں پہنچ سکتا خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔یقیناً اس سیاق میں زمانہ فیصلہ کن عنصر نہیں ہے۔یہ تو محض ایک حد کا نام ہے جو انسان کے لیے مقرر کردی گئی ہے، تکوینی طور پر اور کائنات میں اپنے دور کے لحاظ سے یہ جزئی اور اضافی ہے۔

اس زمین پر پوری نوع انسانی کو جو مدت وقت ملی ہے وہ بھی اپنے دور کے لحاظ سے جزئی اور

Marfat.com

محدود ہے۔ اس طرح علم ومعرفت کے تمام وسائل اور وہ تمام نتائج جن تک انسان ان وسائل کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اس جزئی اور اضافی دائرہ میں محصور ہوکر رہ جاتے ہیں'' (فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 3 صفحہ 9-10)

4 وحی اور رسالت جن حقائق کے اثبات کے لیے آئے ہیں ان کو سائنس کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش ایک بے جا کوشش ہے کیونکہ وہ سائنس کے دائرہ سے باہر ہیں۔ سائنسی طریقہ تحقیق ان حقائق کے انکشاف یا اثبات کے لیے موزوں نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''عہد حاضر کے بہت سے مفسرین نے، تقریب ذہن کے لیے وحی کو سائنس کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس طریقہ استدلال کے سرے سے قائل ہی نہیں اس لیے کہ سائنس کا ایک مخصوص میدان ہے اور سائنس کے طریقے اسی میدان کے لیے موزوں ہیں۔ سائنس کی دنیا الگ ہے اور اس کے ذرائع تحقیق وتفتیش اسی دنیا کے لیے کارگر ہیں۔ سائنس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ روح کے بارے میں بھی اسے کوئی ثابت شدہ چیز معلوم ہے کہ یہ چیز اس کے دائرہ عمل میں داخل ہی نہیں، یہ ایسی چیز نہیں جسے جانچ پرکھ کر ان مادی طریقوں سے معلوم کیا جاسکے جس کے وسائل سائنس کو حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ سائنسی طریقہ تحقیق کے پابند علم نے ہمیشہ روحانیت کے میدان میں دخل دینے سے گریز کیا ہے۔۔۔۔اس میدان میں کسی یقینی چیز کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں سوائے ان حقائق کے جو قرآن وحدیث کے یقینی ذرائع سے ہم تک پہنچے ہیں''
(فی ظلال القرآن جلد 4۔ پارہ 11 صفحہ 114-111)

5 سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عقل ووحی اور سائنس اور قرآن کے موضوعات الگ الگ ہیں تو ان باتوں کے سلسلہ میں صحیح رویہ کیا ہے جو بظاہر دونوں کے مواد میں مشترک ہیں، کبھی قرآن ایسے امور سے بحث کرتا ہے جن کی بابت حقیقت کی تلاش سائنس کا موضوع قرار پائی ہے اور کبھی سائنس ایسے حقائق یا نظریات سامنے لاتی ہے۔ جن کا تعلق قرآن میں مذکور باتوں سے بھی ہے۔ یہی وہ نازک مقام ہے جس میں ہمارا فکر بسا اوقات صحیح راہ سے

Marfat.com

ہٹ جاتا ہے۔

سید قطبؒ کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے مخصوص بیانات کو سائنس کے نظریات پر محمول کر کے ان کے مطابق ان کی توجیہہ و تعبیر مناسب نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں کائنات کے بارے میں کوئی بیان ہے تو اسے اسی اجمال کے ساتھ تسلیم کر لینا چاہیے جس کے ساتھ وہ بیان آیا ہو۔ سائنس کے نظریات کے مطابق ان کی شرح تفصیل مناسب نہیں۔ البتہ اس سیاق میں وہ ثابت شدہ سائنٹفک حقائق اور سائنس کے ان نظریات کے درمیان کچھ فرق کرتے ہیں جن میں علم کی ترقی کے ساتھ تبدیلی ممکن ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ سائنس کی معلومات میں اضافہ کے ساتھ قرآن کے فہم میں گہرائی اور وسعت پیدا ہو سکتی ہے اور ہمیں ان معلومات سے یہ فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے یہ دونوں باتیں ان کی مندرجہ ذیل صراحتوں کی روشنی میں سمجھی جا سکتی ہیں۔ ایک طرف تو وہ یہ لکھتے ہیں کہ:

''ہم احباب عقیدہ قرآنی اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ قرآن کے یقینی نصوص کو کسی غیر یقینی نظریہ پر محمول کریں جو آج مقبول ہے اور کل کو رو کا جا سکتا ہے ۔۔۔۔ واضح رہے کہ ان نظریات کی نوعیت ان ثابت شدہ سائنٹفک حقائق سے مختلف ہے جو تجربہ کے قابل ہیں مثلاً دھاتوں کا گرمی پا کر پھیلنا یا پانی کا بھاپ بننا اور پھر ٹھنڈک پا کر منجمد ہو جانا ۔۔۔۔ وغیرہ''

(فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 25 صفحہ 94-96)

''قرآن کے عام اشارات کو سائنس کے نت نئے اور بدلتے رہنے والے نظریات سے جوڑنے کی ہر کوشش بلکہ ان کو ان سائنٹفک حقائق سے جوڑنا بھی جن کے بارے میں ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ وہ مطلق نہیں ہوتے، اولاً منہاج کے اعتبار سے غلط ہے۔ مزید برآں اس طریقہ کار کے کئی پہلو اور بھی ہیں جو قرآن کے مقام بلند سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتے''

(فی ظلال القرآن جلد 4۔ پارہ 2 صفحہ 94-99)

دوسری طرف وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''کبھی کبھی قرآن بعض کائناتی حقائق کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔ مثلاً یہ حقیقت جس کا بیان

Marfat.com

آیت **ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنا هما** میں مذکور ہے۔اس حقیقت پر ہمارے یقین کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ یہ قرآن میں بات بیان ہوئی ہے۔۔۔۔ہم فلکیات کے ان نظریات کو قبول کرتے ہیں جو قرآن کی بیان کردہ اس مجمل حقیقت کے خلاف نہ جاتے ہوں لیکن ہم قرآن کے بیان کو فلکیات کے کسی نظریہ کے تابع نہیں بناتے، نہ انسان کے نظریات سے قرآن کی تصدیق چاہتے ہیں کیونکہ قرآن تو ایک یقینی حقیقت ہے''

(فی ظلال القرآن جلد 5۔ پارہ 17 صفحہ 24-25)

اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک اس بات کی گنجائش ہے کہ قرآن کے کسی بیان سے موافقت کی صورت میں کسی سائنٹفک نظریہ کی تائید کی جاسکے۔اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ سائنس کی منکشف کردہ حقیقتوں سے قرآن کے فہم میں مدد لی جائے چنانچہ **سورۃ حم السجدہ آیت** 53 کا حوالہ دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس اشارہ کا تقاضا ہے کہ سائنس آفاق وانفس میں اللہ کی جو نشانیاں بھی دریافت کرسکے ان پر ہم مسلسل غور وفکر کرتے رہیں اور اپنے فکر میں قرآن کے معانی کو ان عملی اکتشافات کے مطابق وسیع تر کرتے رہیں''

(فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 2 صفحہ 94-99)

اس بات کو انہوں نے بعض مثالوں کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے سامنے آئے گا۔ وہ اس بات کا بھی امکان تسلیم کرتے ہیں کہ سائنٹفک معلومات میں اضافہ کے ساتھ ہمارا فہم قرآن ترقی کرسکے اور اگلی نسلوں کے لوگ سائنٹفک معلومات کی روشنی میں پچھلی نسلوں کے لوگوں کے مقابلہ میں قرآن کو زیادہ سمجھ سکیں۔

''قرآن کی رہنمائی انسان کی تمام نسلوں کے لیے ذہنی سطح کے لوگوں کے لیے، ہر طرح کے حالات میں، اور ہر طرح کے وسائل وذرائع کے ساتھ گذاری جانے والی زندگی کے لیے

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ وہ اس رہنمائی کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ ہر ایک اس سے اس قدر اخذ کر سکے جس قدر اس کے حالات زندگی اور وسائل واستعداد اس کے لیے ممکن بنا سکیں۔ اس رہنمائی میں ہمیشہ ترقی پذیری باقی رہتی ہے، تا کہ زندگی آگے بڑھ سکے اور یہ رہنمائی اس کی قیادت کر سکے" (فی ظلال القرآن جلد 6۔ پارہ 2 صفحہ 119-120)

اس ضمن میں ان کی یہ رائے بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ قرآن نے کائنات سے متعلق اشارات میں نزول قرآن کے زمانہ میں انسانوں کو عقل و فہم اور ان کی سائنٹفک معلومات کی رعائت ملحوظ رکھی ہے اور ایسے حقائق کے انکشاف سے گریز کیا ہے جس کو وہ اس وقت تک کی معلومات کی بنیاد پر نہیں سمجھ سکتے تھے، چنانچہ سورہ بقرہ آیت 189 کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ: "ہوسکتا ہے کہ اس سوال کا سائنٹفک جواب دریافت کرنے والوں کو فلکیات کا نظری علم عطا کر دیتا، بشرطیکہ ان تھوڑی معلومات کے باوجود جو انہیں اس زمانہ میں میسر تھیں۔ ان کے لیے اس علم کا پوری طرح سمجھ لینا ممکن بھی ہوتا۔ اس میں بہت شبہ ہے کہ ان کے لیے ایسا ممکن ہوتا کیونکہ اس طرح کا نظری علم بہت لمبے چوڑے مقدمات کا محتاج ہوتا ہے جو اس زمانہ کی پوری دنیا کی عقل و فہم کی نسبت سے سخت دشوار قرار دیئے جا سکتے ہیں" (فی ظلال القرآن جلد 1۔ پارہ 2 صفحہ 94-95)

6 قرآن اور سائنس کے موضوع سے متعلق ان نکات کی وضاحت کے ساتھ سید قطبؒ نے انسانی زندگی کے عملی مسائل کی نسبت سے بھی وحی اور عقل کے اضافی مقامات پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ قرآنی ہدایات کی نسبت سے انسانی عقل کا صحیح منصب اور کردار کیا ہے۔ اگر عقل انسانی نے انسان کے لیے اصول زندگی وضع کرنے کی صلاحیت پائی ہوتی تو اللہ رسولوں کو بھیجتا، رسالت عقل انسانی کی نارسائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

"اگر اللہ سمجھتا ہوتا۔۔۔ کہ عقل انسانی کے لیے کافی ہے وہ اپنے آپ ہدایت تک پہنچ جائے اور دنیا اور آخرت میں اپنے مصالح کا ادارک کرے۔۔۔ تو وہ اسے تنہا اس عقل کے حوالے کر دیتا کہ وہ آفاق و انفس میں ہدایت کے دلائل اور ایمان کے دواعی تلاش کرے اور

Marfat.com

اپنے لیے اس طرز عمل کی تعین کرے جس کے مطابق اس کی زندگی بسر ہوتی ہے۔۔۔اگر ایسا ہوتا تو وہ تاریخ کے ہر دور میں اس کے پاس رسولوں کو نہ بھیجتا۔۔۔اور نہ اپنے بندوں کے خلاف حجت اس بات کو قرار دیتا کہ ان کے پاس رسول بھیجے گئے۔۔۔اور نہ اپنے حضور لوگوں کے لیے اس بات کو بطور حجت تسلیم کرتا کہ ان کے پاس رسول نہیں پہنچے"

(فی ظلال القرآن جلد 2۔ پارہ 6 صفحہ 25-26)

7 عقل کا منصب اور اس کا وظیفہ عمل یہ ہے کہ قرآن کے نصوص کو سمجھے اور ان کا صحیح منشاء متعین کرے۔ بدلتے ہوئے حالات پر ان کو منطبق کرے، اور جن امور کی بابت اللہ نے کوئی ہدایت نہ دی ہو ان میں دین کے مجموعی مزاج سے مناسبت رکھنے والی تفصیلات خود وضع کرے۔

"عقل کا کام یہ ہے کہ وہ رسالت کے منبع سے اخذ کرے، اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ رسولوں سے جو کچھ اخذ کرتی ہے اسے سمجھے"۔

"اس سلسلہ میں عقل کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ نص کا مفہوم متعین کرے، یعنی نعت اور اصطلاح کی رو سے عبارت کے جو معنی بنتے ہیں اس کے مطابق نص کا مدیول کیا ہے۔ عقل کا کام اسی پر ختم ہو جاتا ہے"

بلاشبہ عقل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اسکی نص سے سمجھے ہوئے ایک انسانی مفہوم کے مقابلہ میں دوسرا مفہوم پیش کرے۔۔۔فہم و تاویل کے اس وسیع میدان میں عقل انسانی کو آزادی فکر ونظر کی پوری ضمانت حاصل ہے بشرطیکہ وہ صحیح اصولوں کے مطابق ہو اور ان ضابطوں کے تحت ہو جنہیں خود دین مقرر کرتا ہے۔ نص کے صحیح مفہوم کی تعین اور اس کے انطباق کی صورتوں کے تعلق سے کسی انسانی ادارے کسی اقتدار، اور کسی شخص کو عقل پر پابندی لگانے کا اختیار نہیں جب کہ نس متعدد درایوں احتمال رکھتی ہو"۔

"وہ اسلام، عقل کو خطاب کرتا ہے، اس معنی میں کہ دین کے اصول جن عبارتوں میں بیان ہوئے ہیں ان کے معنی کی تعین عقل کے حوالے کی گئی ہے۔ وہ اس پر یہ لازم نہیں کرتا کہ ایسی

Marfat.com

چیز پر ایمان لائے جس کی مدلول کو سمجھ نہ سکی ہو یا جس کے معانی کا وہ ادراک ہی نہ کر سکی ہو"۔

"ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس سے کسی درجہ میں بھی عقل کی قدر و قیمت کم کرنا یا انسانی زندگی میں اس کے کردار کو گھٹانا لازم نہیں آتا۔ اس لیے نت نئے حالات پر منطبق کرنے کا کام اس کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے"۔

"اس نے انسانی عقل پر اس نظام زندگی کو تیار کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی بلکہ اس کی ذمہ داری صرف اتنی قرار دی کہ اس نظام کو سچے اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمایا دیا، منطبق کرے۔ اس کے بعد کے سارے کام اللہ نے انسانی عقل پر چھوڑ دیئے ہیں۔ یہ ایک وسیع میدان ہے، اللہ نے اس وسیع میدان کو انسان کے لیے جس طرح مسخر فرما دیا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عقل کو پوری آزادی حاصل ہے کہ نئی راہیں تلاش کرے۔ ترمیمات کرے، اضافے عمل میں لائے اور جن چیزوں کو مناسب سمجھے اس نظام زندگی میں جگہ دے، یہ سب اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کیا ہے کہ انسان کی عقل غلطی بھی کر سکتی ہے اور صحیح راہ بھی اختیار کر سکتی ہے۔ اس کے قدم راہ حق پر قائم بھی رہ سکتے ہیں اور اس سے دور بھی جا سکتے ہیں"۔

(فی ظلال القرآن جلد 2۔ پارہ 6 صفحہ 25-35)

8 انسانی عقل اس بات کی مجاز نہیں کہ وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی ہدایات کو سمجھ لینے کے بعد ان کے صحیح یا غلط، مفید یا مضر ہونے کا فیصلہ کرے۔

"عقل اس بات کی مجاز نہیں کہ نص کے صحیح اصولوں کو باطل قرار دے یا اس کے مطابق عمل نہ کرنے کا فیصلہ کرے اس لیے کہ نص اللہ کی طرف سے ہے اور عقل کوئی خدا نہیں کہ اس کے ٹھیک یا غلط ہونے کا حکم لگائے، یا اسے قبول کرنے یا ترک کرنے کا فیصلہ کرے"

"اللہ سے ہدایت اخذ کرنے کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ عقل دین کے ثابت شدہ حقائق کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کے بعد ان کے مقابلہ میں اپنی طرف سے پہلے سے طے کیے ہوئے کچھ حقائق لائے جنہیں اس نے منطقی مقدمات سے ترتیب دیا ہو، یا جو اس کے محدود مشاہدات

Marfat.com

اور ناقص تجربات کا نتیجہ ہوں ۔۔۔۔ عقل خدا نہیں ہے کہ اپنے بنائے ہوئے معیاروں کو اصول بنا کر اللہ کے دیئے ہوئے اصولوں کو جانچے"۔

(فی ظلال القرآن جلد 2۔ پارہ 6 صفحہ 25-35)

9 مصنفؒ نے اس فکر سے بھی تعرض کیا ہے کہ کسی خاص زمانہ میں اللہ کا دین عملاً "اللہ کے دین کا مفہوم جو انسان سمجھیں" ہوتا ہے، چونکہ انسانی فہم اضافی اور تغیر پذیر واقع ہوا ہے۔ لہذا اللہ کا دین بھی مذکورہ بالا مفہوم میں، تغیر پذیر ہے، وہ اسے ایک خطرناک فکر قرار دیتے ہیں جس کے درمیان" اور اس بات کے درمیان کہ دین انسانی ذہن کی پیداوار ہے، بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس لیے کہ دونوں کا آخری نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے"

اس فکر کے خلاف ان کی دلیل یہ ہے کہ انسانی عقل کو ایک اٹل پیمانہ کی ضرورت ہے۔ "لازم ہے کہ اللہ کے دین کی کوئی مستقل حیثیت ہو جس کی طرف انسانی عقل، دین کے مختلف مفہومات کو لے کر رجوع کر سکے۔ اسی طور پر یہ ممکن ہوگا کہ (عقل) ان مفہومات کو اس اٹل پیمانہ سے جانچ سکے اور اس کے ذریعہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکے"

(فی ظلال القرآن جلد 4۔ پارہ 11 صفحہ 111-114)

یہ ہے ان افکار کا خلاصہ جو آئندہ صفحات میں اپنے تفصیلی استدلال کے ساتھ آپ کے سامنے آئیں گے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا رہا ہے کہ منصفؒ نے ان تمام سوالات کے جوابات دے دیئے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا تھا یا ان کا ہر جواب متعلقہ مسئلہ کو پوری طرح صاف کر دیتا ہے چونکہ وہ قرآن اور سائنس یا وحی اور عقل پر ایک علیحدہ مستقل اور جامع بحث نہیں مرتب کر رہے تھے، بلکہ انہوں نے ان مسائل سے چند آیات قرآنی کی تفسیر کے ضمن میں بحث کی ہے لہذا ہمیں اس کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ ہمیں اس بات کا بھی شعور ہونا چاہیے کہ یہ سوالات بے حد نازک سوالات ہیں، اور ان کی نزاکت علم کی ترقی کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے جس بات پر ہم بڑی حد تک اطمینان ظاہر کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مصنف نے جو موقف

Marfat.com

اختیار کیا ہے وہ بہت واضح ہے اور ہمارے علم واطلاع کی حد تک امت کے صاحب علم وبصیرت افراد کی غالب اکثریت ان امور کی بابت یہی موقف رکھتی ہے۔البتہ ہمارے نزدیک بعض نکات پر مزید غور و بحث ضروری ہے مذکورہ بالا آخری نکتہ میں مصنفؒ نے جو رائے ظاہر کی ہے اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا ہمیں ان کے اس احساس سے بھی کامل اتفاق ہے کہ فہم دین کے اضافی اور تغیر پذیر ہونے کو خود دین کے اضافی اور تغیر پذیر ہونے کی دلیل بنانا، ایک ایسا رجحان ہے جو بالآخر دین کی ساوی حیثیت اور اس میں مخفی قوت نافذہ دونوں کو ختم کر دیتا ہے۔البتہ اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ اس فکر کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے، فلسفہ لسانیت، علم تفسیر وتعبیر اور مذہبی کتابوں کے سمجھنے میں زبان فہمی کے اصولوں کے جدید استعمالات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور جس استدلال کے ذریعہ یہ فکر اس خطرناک نتیجہ تک پہنچا ہے جس کی مصنفؒ نے نشاندہی کی ہے اس کی غلطی تفصیل کے ساتھ واضح کی جائے۔

پانچویں نکتہ پر بھی مزید روشنی ڈالنا ضروری ہے اور اس ضمن میں اٹھنے والے ذیلی سوالات علیحدہ سے توجہ کے طالب ہیں، چونکہ اس بارے میں بعض علماء اسلام نے مصنفؒ سے مختلف موقف اختیار کیا ہے اس لیے قرآن کریم کی متعلقہ آیات کی مختلف تفسیروں کو سامنے رکھ کر پورے مسئلہ کی تنقیح درکار ہے۔قرآن کے کائناتی اشارے کس حد تک چھٹی صدی عیسوی میں اہل عرب کی سائنٹفک معلومات پر مبنی، یا ان کی رعائت ملحوظ رکھنے والے واقع ہوئے ہیں اہل عرب اگر ان امور سے متعلق بعض غلط فہمیوں میں مبتلا رہے ہوں تو قرآن ان امور سے کیونکہ عہدہ براء ہوا ہے، یہ بات صاف ہونی چاہیے۔اسی طرح اس اجمال کی بھی تفصیل درکار ہے کہ بیسویں صدی تک سائنس نے جو ترقی کی ہے اس نے کس حد تک قرآن کے معانی کے ادارک میں وسعت پیدا کی ہے۔

Marfat.com

مصنفؒ نے سائنس کے نظریات اور مشاہدہ تجربہ پر مبنی سائنٹفک حقائق کے درمیان فرق کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ موخرالذکر حقائق ہی انسان کے لیے دوسرے حقائق کے فہم وادراک کا ذریعہ بنتے ہیں اوران کے بارے میں کسی طرح کی بے اعتمادی یا شک کی کیفیت انسان کے اندر خود اپنے فہم وادراک پر سے بھروسہ ختم کر دیتی ہے جس کے بعد وہ کسی بھی منبع سے یقینی علم نہیں حاصل کرسکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں پیش کیے جانے والے اقتباسات اوران کی روشنی میں مرتب کیے ہوئے مذکورہ بالا نکات کا تعلق ایسے بنیادی سوالات سے ہے جو وحی وعقل، مذہب اور سائنس کے تعلق ایسے بنیادی سوالات سے ہے جو وحی وعقل، مذہب اور سائنس کے تعلق سے ہمیشہ سے سامنے آتے رہے ہیں اور ہمیشہ سامنے آتے رہیں گے۔ محدود انسانی عقل کے لامحدود علم وحکمت خداوندی سے اکتساب فیض کے نازک اور دشوار عمل کا یہ مشکل مرحلہ ہمیشہ انسانی فہم وادارک اوراس کی قوت ایمانی کے لیے ایک چیلنج بنا رہے گا، علم کی ترقی اور مزاج کی تبدیلی کے ساتھ انسان پرانے سوالات کو نئے انداز سے دہراتا ہے اور مزاج عصر کے مطابق نئی زبان اور نئے پیرایہ بیان میں ان کے جوابات مرتب کر کے اپنی تشفی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ یہ عمل جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ سید قطبؒ کے پیش نگاہ افادات اس مسلسل خود کاوش میں ہماری مدد کرتے ہیں اس باب میں کوئی وضاحت حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتی مگر ہمیں امید ہے کہ مصنفؒ کی تحریر ہمارے فکر میں مزید پختگی اور فہم میں مزید جلا پیدا کر سکے گی۔

اللہ تعالیٰ مصنفؒ کو ان کی کوشش کی جزائے خیر دے اور ہمیں وہ حکمت وبصیرت عطا کرے جو اس کتاب اوراس کی کائنات کے ایک دوسرے سے مربوط اور ہم آہنگ بنانے میں ہماری رہنمائی کر سکے، آمین۔

Marfat.com

آیات قرآنی

اور سائنسی انکشافات

لوگ تم سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہو یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کی تعیین اور حج کی علامتیں ہیں۔ (البقرہ 189)

بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی ﷺ سے پہلی تاریخ کے چاند کے بارے میں مذکورہ بالا سوال کیا گیا تھا کہ اس کے نمودار ہونے، بڑا ہونے جانے، اور پھر گھٹنے کا راز کیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ پہلی تاریخ کا چاند کس لیے بنایا گیا ہے؟ سوال کا یہ دوسرا پیرایہ غالباً جواب کے مزاج سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ **قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ**

کہہ دیجئے۔ یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کی تعیین اور حج کی علامتیں ہیں۔ (البقرہ 189) لوگوں کے لیے احرام باندھنے اور کھولنے کے وقت کی تعیین کے لیے نیز روزہ رکھنے اور روزہ ختم کرنے نکاح، طلاق اور مدت میں اور دوسرے معاملات تجارت اور لین دین میں مدتوں کی تعیین کے لیے نیز دوسرے دینی اور دنیوی امور میں بھی (تعیین اوقات کے لیے) خواہ جواب پہلے سوال کا ہو یا دوسرے سوال کا دونوں صورتوں میں اس کا رخ خالص نظری علم کی طرف نہیں بلکہ ان لوگوں کی عملی زندگی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ پہلی تاریخ کا چاند ان لوگوں کی روزمرہ زندگی میں کس کام آتا ہے۔ چاند کے فلکی ادوار نہیں بیان کئے نہ یہ بتایا کہ پہلی تاریخ کا چاند کس طرح پورا چاند بن جاتا ہے حالانکہ یہ بات ان کے اس سوال کے مفہوم میں داخل تھی کہ پورے چاند کے ہلال میں تبدیل ہونے کا راز کیا ہے اسی طرح یہ

Marfat.com

نہیں بتایا کہ نظام شمسی میں اور اجرام سماوی کی حرکت اور ان کے درمیان توازن میں چاند کا کیا مقام ہے۔ اگرچہ یہ بات اس سوال میں شامل تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی تاریخ کا چاند کس لیے بنایا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جواب دینے کا یہ انداز ہمارے لیے کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے؟

قرآن ایک مخصوص تصور، ایک مخصوص نظام اور ایک مخصوص سماج پیدا کرنا چاہتا تھا وہ زمین میں ایک نئی امت برپا کرنے آیا تھا جسے انسانیت کی رہنمائی کا ایک خاص کردار ادا کرنا تھا تاکہ یہ امت سماج کا ایک مخصوص نمونہ پیش کرے جو اس سے پہلے کبھی نہیں پیش کیا جا سکا تھا اور ایک ایسی زندگی گزار کر دکھا جائے جو اس سے پہلے کبھی نہیں گزاری گئی تھی اور اس طرح اس طرز زندگی کے اصول زمین میں قائم کر جائے اور انسانوں کو اس کی طرف لے آئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سوال کا سائنٹفک، جواب دریافت کرنے والوں کو فلکیات کا نظری علم عطا کر دیا جاتا۔ بشرطیکہ ان تھوڑی معلومات کے باوجود جو انہیں اس زمانے میں میسر تھیں، ان کے لیے اس علم کا پوری طرح سمجھ لینا ممکن بھی ہوتا۔ اس میں بہت شبہ ہے کہ ان کے لیے ایسا ممکن ہوتا کیونکہ اس طرح کا نظری علم بہت لمبے چوڑے مقدمات کا محتاج ہوتا ہے جو اس زمانہ کی پوری دنیا کی عقل وفہم کی نسبت سے سخت دشوار قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایسا جواب دینے سے گریز کیا جس کے سمجھنے کی صلاحیت انسانوں میں نہیں پائی جاتی تھی اور جو اس اولین کام کے لیے کوئی زیادہ مفید بھی نہ ہوتا جس کے لیے قرآن آیا تھا اور یہ تو بہرصورت واضح ہے کہ ایسے جوابات کی مناسب جگہ قرآن نہیں ہے کیونکہ قرآن ان جزئی معلومات سے کہیں زیادہ بڑی چیز کی خاطر آیا ہے۔ قرآن فلکیات، کیمیا یا طب کی سائنس کی کتاب بننے کے لیے نہیں آیا ہے۔۔۔۔ مگر قرآن کے بعض پرجوش حامی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے اندر یہ علوم تلاش کریں اور دوسری طرف اس کے بعض نکتہ چین اس میں ان علوم کے خلاف باتوں کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔

یہ دونوں کوششیں اس کتاب کا مزاج، اس کا کردار اور اس کا میدان عمل نہ سمجھ سکنے کی دلیل ہیں۔ اس کا میدان نفس انسان اور حیات انسانی ہے۔ قرآن کا کام یہ ہے کہ کائنات کا ایک

Marfat.com

عمومی تصور عطا کرے اور اس کے خالق سے اس کا تعلق واضح کردے یہ بتائے کہ کائنات میں انسان کیا ہے اور اس کا اپنے رب سے کیا تعلق ہے۔ اس تصور کی بنیاد پر وہ زندگی کا ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جو انسان کو اپنی تمام قوتوں کے استعمال کا پورا موقع عطا کرے۔ انہی قوتوں میں سے انسان کی ایک قوت عقل ہے جو صحیح طور پر پروان چڑھانے اور سائنٹفک تحقیق، تجربہ اور تطبیق کے ذریعے ان حدود کے اندر جن میں انسانی کوششیں ممکن ہیں آزادنہ کام کا موقع پانے کے بعد سرگرم عمل ہوتی ہے اور جن نتائج تک بھی پہنچ سکتی ہے، پہنچتی ہے۔ قدرتی طور پر یہ نتائج نہ تو آخری ہوتے ہیں نہ مطلق۔

قرآن کا موضوع خود انسان ہے۔ اس کا تصور و عقائد، اس کا شعور وادراک، اس کا رویہ اور طرز عمل اور اس کے تعلقات وروابطہ۔۔۔ جہاں تک مادی علوم اور مختلف قسم کے وسائل کو کام میں لاتے ہوئے مادی ایجادات عمل میں لانے کا تعلق ہے یہ کام انسان کی عقل و تجربہ اس کے اکتشافات اس کے مفروجات اور اس کے نظریات کے سپرد ہے کیونکہ یہی زمین میں انسان کی خلافت کی بنیاد ہیں اور انسان اپنی عین خلقت کے اعتبار سے انہی کاموں کے لیے بنایا گیا ہے۔ قرآن تو انسان کی فطرت کو درست کرتا اور درست رکھتا ہے تاکہ وہ انحرف کا شکار ہو کر فساد نہ برپا کرے۔ وہ اس نظام کی اصلاح کرتا ہے جس کے تحت انسان زندگی گزارتا ہے تاکہ یہ نظام انسان کو ان قوتوں کے استعمال کا پورا موقع دے، جو اسے عطا ہوتی ہیں۔ زادراہ کے طور پر قرآن انسان کو کائنات کے مزاج، اس کے خالق سے اس کے ربط، اس کے نظام کی ہم آہنگی اور اس کے مختلف اجزاء کے درمیان جن میں سے ایک جز خود انسان بھی ہے۔ پائے جانے والے ربط کا عمومی تصور عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اسے جزئیات کا علم حاصل کرنے کی کوشش اور اپنے کار خلافت میں اس علم سے فائدہ اٹھانے کے لیے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اسے یہ تفصیلات خود نہیں فراہم کرتا کیونکہ ان تفصیلات کی دریافت خود انسان کے اپنے مخصوص کام کا ایک جزء ہے۔

مجھے قرآن کے اس پرجوش حامیوں کی سادہ لوحی پر حیرت ہے جو اس کی طرف ایسی بات

Marfat.com

منسوب کرنا چاہتے ہیں جو اس کے دائرے سے خارج ہے اور اس پر ایسی ذمہ داری ڈالنا چاہتے ہیں جو اس کو مقصود نہیں۔ یہ لوگ اس میں سے طب، کیمیا اور فلکیات وغیرہ کی جزئیات نکالنا چاہتے ہیں، گویا کہ اس طرح وہ اس کی عظمت و بلندی ثابت کر سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اپنے موضوع پر ایک مکمل کتاب ہے اور اس کا موضوع مذکورہ بالا تمام علوم سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ موضوع خود وہ انسان ہے جو یہ سارے علوم دریافت کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تفتیش و تجربہ اور تطبیق انسان کی عقل کے خواص میں سے ہیں۔ قرآن خود اس انسان کی تعمیر اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ وہ اس کی شخصیت اس کے ضمیر، اس کی عقل اور اس کے فکر کو بناتا ہے۔ ساتھ ہی وہ انسانی سماج کی تشکیل عمل میں لاتا ہے جو اس انسان کو اس کے اندر ودیعت کردہ ان قوتوں کو سلیقے کے ساتھ استعمال کرنے کا پورا پورا موقع دے۔ صحیح تصور اور صالح فکر و شعور رکھنے والے انسان کو، نیز ایک ایسے معاشرے کو وجود میں لانے کے بعد جو انسان کو سرگرمی عمل کا پورا موقع دے۔ قرآن انسان کو تفتیش و تجربے کے لیے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اب وہ علم اور تفتیش و تجربے کے میدان میں غلطی بھی کر سکتا ہے اور صحیح نتائج تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ قرآن نے اس کے لیے صحیح غور و فکر اور تصور آرائی کے پیمانے البتہ مقرر کر دیئے ہیں۔

یہ بات درست نہ ہوگی کہ کائنات کے بارے میں جن آخری حقائق کا ذکر قرآن کائنات کے مزاج، اس کے خالق سے اس کے تعلق اور اجزاء کائنات کے درمیان باہمی ربط واضح کرنے کے دوران میں کبھی کبھی کرتا ہے ان کو ہم انسانی عقل کے قائم کردہ مفروضات اور نظریات کا پابند بنا دیں۔ یہ طریقہ تو ہمیں ان سائنٹفک حقائق کے سلسلے میں بھی نہیں اختیار کرنا چاہیے جن تک انسان اپنی دانست میں تجربے کے قطعی طریقے سے پہنچا ہے۔ قرآن کے حقائق آخری قطعی اور مطلق حقائق ہیں۔ انسانی تحقیق جو حقائق دریافت کرتی ہے، قطع نظر اس کے کہ اس تحقیق کے ذرائع کیا ہیں، وہ نہ آخری ہوتے ہیں نہ قطعی، یہ حقائق ان حدود کے اندر ہی درست ہوتے ہیں جن کے اندر انسانی تجربہ کیا جاتا ہے، جن حالات میں یہ تجربات کیے

Marfat.com

گئے ہوں اور جن آلات وذرائع سے ان میں کام لیا گیا ہو۔ وہ بھی ان کی حدیں مقرر کرتے ہیں۔ لہذا انسان کے اپنے سائنٹفک طریقہ تحقیق کی روشنی میں یہ طریقہ اختیار کرنا غلط ہوگا کہ ہم قرآن کے آخری حقائق کو ایسے حقائق سے معلق کر دیں جو آخری نہیں ہیں انسان کی رسائی بس ایسے ہی حقائق تک ممکن ہے۔

یہ تو سائنٹفک حقائق کا معاملہ تھا۔ جہاں تک ان مفروضات ونظریات کا سوال ہے جنہیں سائنٹفک کہا جاتا ہے، بات زیادہ واضح ہے فلکیات کے جملہ نظریات انسان کے ظہور اور اس کے مختلف مراحل سے متعلق نظریات، انسانی نفسیات اور اس کے رویے کے بارے میں تمام نظریات اور سماج کی تشکیل اور اس کے مختلف ادوار کے سلسلے میں پیش کیے جانے والے نظریات کا یہی حال ہے کہ یہ خود انسان کے نزدیک ''سائنٹفک حقائق'' نہیں ہیں بلکہ نظریات یا مفروضات ہیں۔ ان کی تمام قدر وقیمت اس میں مضمر ہے کہ یہ کائنات، حیات، نفسیات اور سماج کے بہت سے مظاہر کی توجیہ وتشریح کے لیے موزوں پائے جا رہے ہیں۔ تا آنکہ کوئی دوسرا مفروضہ مرتب کیا جا سکے جو نسبتاً زیادہ مظاہر کی توجیہ وتعبیر کر سکے، معلوم ہوا کہ ان نظریات میں ترمیم وتبدیلی اور کمی بیشی ہمیشہ ممکن ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نئے ذریعۂ تفتیش کی ایجاد کے سبب یا قدیم مشاہدات کی کسی نئی تعبیر کے سامنے آ جانے کی وجہ سے کوئی نظریہ یا مفروضہ بالکل الٹ جائے۔ قرآن کے عام اشارات کو سائنس کے نت نئے اور بدلتے رہنے والے نظریات سے جوڑنے کی ہر کوشش بلکہ ان کو ان سائنٹفک کے حقائق سے جوڑنا بھی جن کے بارے میں ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ وہ مطلق نہیں ہوتے۔ اولاً تو منہاج Method کے اعتبار سے غلط ہیں۔ مزید برآں اس طریق کار کے تین پہلو اور بھی ہیں جو قرآن کے مقام بلند سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتے۔

1 یہ داخلی شکست خوردگی ہے جو بعض لوگوں کو اس گمان میں مبتلا کئے ہوئے ہے کہ اصل چیز سائنس ہے اور قرآن کا کام اس کے پیچھے چلنا ہے۔ لہذا وہ سائنس کے ذریعے قرآن کو قوت بخشنا چاہتے ہیں یا سائنس سے قرآن کے حق میں دلیل فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اپنے موضوع پر ایک مکمل کتاب ہے اور وہ جو حقائق بیان کرتا ہے وہ آخری حقائق ہیں۔ سائنس کا اپنے موضوع میں یہ حال ہے کہ وہ کل جس بات کو ثابت کر چکی ہے اسے آج رد کر دیتی ہے اور جن حقائق کو وہ دریافت کرتی ہے وہ نہ آخری ہوتے ہیں نہ مطلق کیونکہ سائنس کا واسطہ انسان، اس کی عقل اور اس کے ذرائع و آلات ہیں جن کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ وہ ایک بھی آخری اور مطلق حقیقت نہیں عطا کر سکتے۔

2 قرآن کے مزاج اور اس کے کام کی نوعیت کو ٹھیک طرح نہ سمجھ سکنا یعنی یہ بات نہ سمجھ سکنا کہ قرآن آخری اور مطلق حقیقت ہے جس کا مشن انسان کی ایسی تعمیر ہے جو جس حد تک انسان کا اپنا مزاج اس بات کی اجازت دے کائنات اور قوانین الٰہی سے ہم آہنگ ہوتا کہ انسان اپنے چار طرف پھیلی ہوئی کائنات سے ٹکرائے نہیں بلکہ اس کا دوست بن کر رہے، اس کے بعض رازوں سے واقف ہو جائے اور اس کے بعض قوانین کو اپنے کار خلافت میں استعمال کرے۔

یہ قوانین فطرت انسان کو غور و فکر، تحقیق اور تجربہ و تطبیق کے ذریعے اس حد تک معلوم ہوتے ہیں جس حد تک اس کی خداداد عقل جا سکتی ہے۔ وہ عقل جو اسی لے دی گئی کہ اس سے کام لیا جائے نہ صرف اس لیے کہ جو مادی معلومات بالکل عیاں ہو کو سامنے آجائیں ان کو مان لے اور بس!

3 اس طریق کار کا تیسرا پہلو اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ نصوص قرآنی کو قدرے تکلف اور حیلہ کے ساتھ ہر بار نئی تاویل کی جائے تاکہ ہم ان نظریات اور مفروضات سے ان کے مطابق ثابت کر سکیں جو ناپیدار اور بدلتے رہنے والے واقع ہوتے ہیں اور جن میں ہر آن نئی باتوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں قرآن کے شایان شان نہیں اور جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے، یہ طریقہ بطور طریقہ کے بھی غلط ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سائنس کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں جو نظریات اور حقائق سامنے لائے ان سے ہم قرآن کے فہم میں کوئی فائدہ نہ اٹھائیں ہرگز نہیں۔ مذکورہ

Marfat.com

باتوں سے ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں تھا اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اللہ سبحانہ خود فرماتا ہے کہ:
عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ (حٰم السجدہ 53)

اس اشارہ کا تقاضا ہے کہ سائنس آفاق والنفس میں اللہ کی جو نشانیاں بھی دریافت کر سکے ہم ان پر مسلسل غور و فکر کرتے رہیں اور اپنے فکر میں قرآن کے معانی کو ان علمی اکتشافات کے مطابق وسیع تر کرتے رہیں۔

یہ کام کیسے کیا جائے؟ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ہم قرآن کے آخری مطلق، نصوص کو ایسے معانی کا پابند نہیں بنانا چاہتے جو نہ آخری ہوتے ہیں نہ مطلق؟ اس سوال کا جواب بعض مثالوں کے ذریعہ دینا مفید ہوگا۔ ''اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسے ایک خاص اندازہ پر رکھا ''(فرقان 21)

اب سائنٹفک تحقیقات یہ انکشاف کرتی ہیں کہ اس کائنات میں بڑی باریکی کے ساتھ ہم آہنگی اور نظم کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ زمین کی یہ مخصوص شکل، سورج کا اس سے اس قدر فاصلہ پر ہونا، چاند کا اس سے ایک مخصوص فاصلے پر واقع ہونا، سورج اور زمین اور چاند اور زمین کے حجم کے درمیان مخصوص نسبتوں کا پایا جانا زمین کی حرکت کی یہ مخصوص رفتار، پھر اس کا ایک محور پر ایک خاص حد تک جھکا ہوا ہونا، اس کی بالائی سطح کی یہ مخصوص نوعیت اور اسی طرح کی ہزاروں خصوصیات جو زمین کو زندگی کے لیے سازگار اور موزوں بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی چیز نہ ایک عارضی حادثہ ہو سکتی ہے۔ نہ ایسا اتفاقی امر قرار دی جا سکتی ہے جس کے پیچھے کوئی مقصد نہ ہو، یہ تحقیقات ''**وخلق کل شی فقعدرہ تقدیرا** '' کے معانی میں وسعت پیدا کرتی اور ہمارے فکر کے اندر اس کے مفہوم میں گہرائی پیدا کرتی ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ مفہوم کی گہرائی اور معانی کی وسعت کی خاطر ان جیسی معلومات کا احاطہ کیا جائے۔ ایسا کرنا درست بھی ہے اور مطلوب بھی ہے۔ مگر جو چیز نہ تو جائز ہے نہ علمی اعتبار سے درست قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ دو باتیں ہیں جو حسب ذیل مثالوں کے ذریعے

Marfat.com

سامنے آتی ہیں۔

"خلقنا الانسان من سلالۃ من طین" (مومنون) ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا۔

پھر والاس اور ڈاروِن کا نظریہ نشو وارتقاء سامنے آتا ہے جو یہ مفروضہ قائم کرتا ہے کہ زندگی ایک خلیہ کی صورت میں شروع ہوئی، اور خلیہ پانی میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ پھر یہ خلیہ مختلف مراحل سے گذر کر بالآخر انسان کی تخلیق پر منتج ہوا۔ اب ہم اس نص قرآنی کو لے کر اس نظریے کے پیچھے لپکنے لگے تا کہ یہ کہہ سکیں کہ یہی قرآن نے بھی کہا ہے۔

نہیں۔۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نظریہ آخری کیونکہ ایک صدی سے کم مدت میں بھی اس میں اتنی ترمیمیں ہوئی ہیں جنہوں نے اسے تقریباً یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ وراثت کی اکائیوں کے بارے میں جو ہر نوع کی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں اور ایک نوع کے دوسرے میں تبدیل ہونے میں مانع ہوتی ہیں۔ ناقص معلومات پر مبنی ہونے کے سبب اس نظریے میں ایک ایسی کمزوری ہو چکی ہے جو اس کو تقریباً غلط ٹھہرا دیتی ہے۔ اس کا امکان بہر حال ہے کہ کل کو یہ غلط ثابت ہو جائے اور رد کر دیا جائے۔ دوسری طرف قرآن کی بیان کردہ حقیقت آخری ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے معنے یہی ہوں۔ آیت صرف انسان کے آغاز کی بنیاد بتاتی ہے۔ اس آغاز کی تفصیلی کیفیت نہیں بیان کرتی۔ وہ صرف ایک بات کی حدتک آخری ہے جو اسے بیان کرنا مقصود ہے یعنی یہ کہ انسان کی اٹھان کہاں سے ہوئی۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

قرآن کریم کہتا ہے "**الشمس تجری لمستقرلھا**" اس بیان سے وہ سورج کے بارے میں ایک آخری حقیقت سامنے لاتا ہے، یعنی یہ کہ سورج حرکت کرتا ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ سورج اپنے گرد کے ستاروں کی نسبت سے تقریباً بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے لیکن وہ جس کہکشاں کا ایک ستارہ ہے۔ اس پوری کہکشاں سمیت ایک سو ستر میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے لیکن فلکیات کی یہ تحقیق آیت قرآن کے عین مطابق نہیں قرار دی جا سکتی۔ یہ اضافی حقیقتوں کا بیان ہے جو آخری نہیں اور قابل ترمیم

Marfat.com

وتردید ہیں۔آیت قرآنی ہمیں صرف ایک آخری حقیقت بتاتی ہے کہ سورج حرکت کرتا ہے ۔بس ہم اس حقیقت کو مذکورہ بالاتحقیقات کا پابند ہرگز نہیں بنائیں گے۔۔۔قرآن حکیم کہتا ہے۔''کیاوہ لوگ جنہوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کردیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔پھر ہم نے انہیں جدا کیا''(انبیاء130)۔پھر ایک نظریہ سامنے آتا ہے جو کہتا ہے کہ زمین سورج ہی کا ایک ٹکڑا تھی جواس سے الگ ہو گیا ہے۔ اب ہم قرآن کی اس نص کو لے کر دوڑ پڑتے ہیں تاکہ سائنس کے اس نظریے کو اختیار کر کے یہ کہہ سکیں کہ یہی بات آیت قرآنی میں بھی کہی گئی ہے۔

نہیں۔۔۔آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک نظریہ ہے جو آخری نہیں ہے۔زمین کے آغاز کے بارے میں سائنٹفک ثبوت کے اعتبار سے اسی پایہ کے دوسرے نظریات بھی موجود ہیں۔جہاں تک حقیقت قرآنی کا سوال ہے وہ آخری اور مطلق ہے اور وہ صرف اتنا متعین کر دیتی ہے کہ زمین آسمان سے الگ ہوتی ہے۔کیسے؟ وہ آسمان کیا چیز ہے جس سے وہ الگ ہوئی ہے۔ان باتوں سے آیت کوئی تعرض نہیں کرتی۔اسی لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس مسئلے کے بارے میں کسی ایک سائنٹفک مفروضے کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہی آیت کا آخری مفہوم ہے۔یہاں یہی چند مثالیں کافی ہوں گی کیونکہ ہمارا منشاء یہ واضح کرنا تھا کہ سائنٹفک انکشافات سے آیات قرآنی کے معانی میں گہرائی اور وسعتیں پیدا کرنے کا فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ کیا ہوگا۔بغیر اس کے کہ آیت کو کسی مخصوص نظریہ یا سائنٹفک حقیقت سے جوڑ کر اس سے اس کی مطابقت ثابت کی جائے یا اس سے اس کی صحت اور درستگی ثابت کی جائے۔ان دونوں طریقوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

Marfat.com

تخلیق کا قرآنی تصور

اور سائنس

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ

اور ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی پھر تمہاری صورت بنائی (الاعراف)

خلق کے معنے وجود میں لانے کے اور تصویر کے معنے صورت اور خصوصیات عطا کرنے کے بھی ہوتے ہیں یہ دونوں اٹھان کے درجہ ہیں نہ کہ مرحلے۔ کیونکہ ثم کبھی زمانی ترتیب کے بجائے معنوی ترقی ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ خام مادہ بھی وجود رکھتا ہے لیکن صورت گری جس کے معنے انسانی صورت شکل اور خصوصیات عطا کرنے کے ہیں۔ وجود کے مدارج سے بلند تر درجہ ظاہر کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ''ہم نے تم کو صرف وجود نہیں بخشا بلکہ اسے ترقی پذیر خصوصیات کا حامل وجود بنایا''۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے کہ ''جس نے ہر چیز کو اس کی صورت دی، پھر راہ دکھائی'' ہر چیز کو اس کی تخلیق کے وقت اس کی خصوصیات دی گئیں اس کا کام بتایا گیا اور اس کام کی انجام دہی کے سلسلے میں اس کی رہنمائی فرمائی گئی اور خصوصیات و کردار نیز رہنمائی عطا کرنے کے درمیان کوئی زمانی فعل نہیں تھا۔ اگر ہدایت کے معنی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے جائیں تو بھی اس معنے میں فرق نہ آئے گا پھر یہ سمجھا جائے گا کہ ہر چیز کی تخلیق کے وقت اس کو اس کے رب کی طرف رہنمائی فرمائی گئی یہی آدم کے ساتھ بھی ہوا اس کی تخلیق کے وقت ہی اسے اس کی صورت اور انسانی خصوصیات دی گئیں۔ ہم جس معنے کو ترجیح دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ ثم درجہ کی بلندی ظاہر کرتا ہے نہ کہ زمانی ترتیب۔

Marfat.com

بہرصورت آدمؑ کی تخلیق اور جنس انسان کی اٹھان کے سلسلے میں قرآن کے تمام نصوص اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس مخلوق کو اس کی انسانی خصوصیات اور اس کا منفرد کردار عطا کرنے کا کام اس کی تخلیق کے ساتھ ہی انجام پایا تھا۔ انسانی تاریخ میں ترقی ان خصوصیات کے ظہور وارتقاء میں عبادت اور روزانہ کے معیار میں بلندی حاصل کرنے کے اعتبار سے ہوئی ہے۔ انسان کے وجود میں ترقی نہیں عمل میں آئی ہے کہ ایک نوع سے ترقی کر کے دوسری نوع بن جانے کے مسلسل عمل سے انسان وجود میں آیا ہو جیسا کہ ڈارومینیت کا کہنا ہے۔

نشوونما کے نظریے کا زمین کی کھدائی سے برآمد ہونے والی چیزوں کے بھروسے پر یہ کہنا کہ حیوانات میں ایک دوسرے سے ترقی یافتہ مراحل رہے ہیں جن کے درمیان زمانی ترتیب پائی گئی ہے۔ محض ایک ظنی نظریہ ہے، یقینی امر نہیں ہے کیونکہ طبقات الارض میں چٹانوں کی عمروں کی تعیینی کی طرح اس کی بنیاد بھی مفروضات سامنے آئیں جن سے عمروں کے یہ تخمینے بدل جائیں۔

فرض کیجئے کہ چٹانوں کی عمریں یقین کے ساتھ متعین کی جاسکتی ہیں تو بھی اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ حیوانوں کی مختلف انواع، جو ایک دوسرے سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں، زمین پر پائے جانے والے حالات کے سلسلہ میں زمانی اعتبار سے یکے بعد دیگرے وجود میں آتے رہے ہوں۔ کیونکہ اس وقت زمین پر جس قسم کے حالات تھے وہ انہی انواع کے لیے خصوصی سازگاری فراہم کرتے رہے ہوں۔ بعد میں جب زمین کے حالات بدل گئے اور بدلے ہوئے حالات بعض انواع کے لیے سازگار نہ رہ گئے تو یہ انواع ختم ہوگئیں لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی بلکہ ان میں سے ایک نوع دوسری نوع میں تبدیلی کے ذریعے اس میں سے نکلی ہو۔ ڈارون اور اس کے بعد لوگوں نے زمین کی تہوں میں سے جو چیزیں برآمد کی ہیں وہ اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کر سکتیں۔ وہ قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ فلاں نوع جسمانی طور پر فلاں دوسری نوع سے ترقی کر کے نکلی ہے جو زمانی

Marfat.com

اعتبار سے اس سے قبل پائی گئی تھی۔ جیسا کہ ان چٹانوں کی تہوں اور قسموں کی بنا پر کہا جا سکتا ہے جن میں وہ پائی گئی ہیں۔ وہ صرف اتنا ثابت کر سکتی ہیں کہ زمانی اعتبار سے بعد میں پائی جانے والی نوع سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے۔ اس کی یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت زمین میں جو حالات پائے جاتے تھے وہ اسی نوع کے لیے سازگار تھے پھر جب حالات بدل گئے تو ایک دوسری نوع کے ظہور کے لیے سازگار ہو گئے۔ چنانچہ یہ دوسری نوع ظاہر ہوئی اور حالات کی تبدیلی اس پہلی نوع کے خاتمہ کا سبب بنی جو اس سے پہلے مختلف حالات میں پائی گئی تھی۔

اس توجیہہ کی روشنی میں نوع انسانی کا آغاز (دوسری انواع سے) آزادانہ قرار پائے گا، جو اس زمانے میں واقع ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب زمین کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ وہ اس مخصوص نوع کے وجود میں آنے اور پروان چڑھنے کے لیے سازگار ہیں۔ انسان کے ظہور کے بارے میں قرآن کریم کے نصوص بحیثیت مجموعی اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

انسان حیاتیاتی، عضویائی عقلی اور روحانی اعتبار سے اتنا منفرد ہے کہ جدید ڈاروینیت کے علمبرداروں نے جن میں خدا کے بالکل انکار کرنے والے بھی شامل ہیں، خود کو اس انفرادیت کے اعتراف پر مجبور پایا ہے۔ یہ اس رائے کے حق میں ایک مزید دلیل ہے کہ انسان کی اٹھان مستقل بالذات رہی ہے۔ جسمانی ارتقاء کے ذریعے دوسری انواع میں شمولیت یا اشتراک کبھی نہیں پایا گیا ہے۔ چند صفحات کے بعد صفحہ 149 پر تفسیر سورہ اعراف رکوع 2 سے متعلقہ مباحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مصنفؒ نے لکھا ہے

''یہ منفرد مخلوق جس کے بارے میں قرآن کی تمام نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ہم قطعیت نہیں اختیار کرتے۔ کہ اس کا ظہور آزادانہ ہوا ہے۔ اس کے ظہور کا اعلان ایک ایسی کائناتی مجلس میں کیا گیا جن میں ملاءِ اعلیٰ حاضر تھے۔

Marfat.com

ابتدائے خلق پر دعوت غور وفکر

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

(ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی ہے۔ پھر اللہ بار دگر بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

یہاں زمین میں چل پھر کر اس امر پر غور کرنے کا حکم دیتے وقت کہ اللہ نے خلق کا آغاز کیسے کیا ہے۔ ماضی کا صیغہ استعمال کرنا دل میں ایک خاص خیال پیدا کرتا ہے۔۔۔۔ یہ کہ زمین کے اندر ایسی چیزیں موجود ہیں جو پہلی بار زندگی کے ظہور اور اس ظہور کی کیفیت کی طرف رہنمائی کر سکیں۔ مثلاً زمین کی کھدائی سے برآمد ہونے والی چیزیں جن کے مطالعہ سے آج کل بعض سائنسدان زندگی کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کیسے شروع ہوئی۔ کیسے پھیلی اور اس نے کیسے ارتقاء پایا؟ ۔۔۔۔ اگر چہ یہ سائنسدان زندگی کا راز دریافت کرنے میں بالکل ناکام رہے ہیں کہ اس کی ماہیت کیا ہے؟ وہ زمین پر کہاں سے آئی اور زمین پر پہلا جاندار کیسے وجود میں آیا اس مفہوم کے لحاظ سے یہاں اللہ نے پہلی بار زندگی کے ظہور کی تحقیق وتفتیش کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اس کے بارے میں واقفیت حاصل ہو جانے پر اس سے دوبارہ زندگی پانے پر استدلال کیا جائے۔

اس خیال کے ساتھ ایک دوسرا خیال بھی آتا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ اس آیت کے اولین میں مخاطب تھے وہ اس طرح کی سائنٹفک تفتیش کی صلاحیت سے محروم تھے جو زمانہ حال میں شروع ہوتی ہے۔ لہذا اس زمانے میں ان کے اندر اس کی استطاعت نہ تھی کہ اس طریقے سے اس حقیقت کا پتہ چلا سکیں جس کی دریافت مقصود تھی۔ بشرطیکہ آیت کا مقصد یہی قرار پائے۔ لہذا یہ رائے اختیار کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ان سے کسی دوسرے کام کا مطالبہ کر رہا تھا جس کا انجام دینا ان کے لیے ممکن تھا اور جس کے ذریعے وہ جس حد تک ممکن ہوتا، دوسری بار زندگی پانے کا تصور سمجھ سکتے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے آیت کا مطالبہ یہ قرار

Marfat.com

پائے گا کہ وہ لوگ اس بات پر غور کریں کہ مختلف علاقوں میں نباتات، حیوانات اور انسانوں میں زندگی کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔ اس صورت میں زمین میں چلنے پھرنے کی دعوت کا مقصد نئے مشاہدات ومناظر کے ذریعے شعور وادارک میں تازگی اور بیداری پیدا کرنا ہوگا تاکہ وہ اس زندگی کے پیدا کرنے کے سلسلے میں قدرت الٰہی کے آثار پر غور وفکر کر سکے جو دن اور رات کے ہر لمحے سامنے آتے رہتے ہیں۔

ایک اور مفہوم ممکن ہے جو زیادہ اہم اور اس قرآن کے مزاج سے زیادہ مناسبت رکھنے والا ہے وہ یہ کہ قرآن کی رہنمائی انسانوں کی تمام نسلوں کے لیے ہر ذہنی سطح کے لوگوں کے لیے ہر طرح کے حالات میں اور ہر طرح کے وسائل وذرائع کے ساتھ گذاری جانے والی زندگی کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ اس رہنمائی کو اس طرح پیش کرتا ہے تاکہ ہر ایک اس سے اس قدر اخذ کر سکے جس قدر اس کے حالات زندگی اور وسائل واستعداد اس کے لیے ممکن بنا سکیں۔ اس رہنمائی میں ہمیشہ ترقی پذیری باقی رہتی ہے تاکہ زندگی آگے بڑھ سکے اور یہ رہنمائی اس کی قیادت کرتی رہے۔ اس تعبیر کی روشنی میں مذکورہ بالا دونوں خیالوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں رہ جاتا۔ یہی بات زیادہ موزوں اور قریب الی الصواب ہے۔

روحانی اور عقلی نشو وارتقاء

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَتِہ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا "میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ"

آیت کی تشریح میں چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

ہم روح پھونکنے کی کنہ سے تو ناواقف ہیں مگر اس کے اثرات جانتے ہیں۔ یہ اسی کے اثرات

Marfat.com

ہیں جنہوں نے اس انسان کو اس زمین کی تمام دوسری مخلوقات سے ممتاز کر دیا ہے۔اس نے اسے عقلی اور روحانی ارتقاء کی خصوصیت عطا کی ہے۔اس کے طفیل عقل انسانی ماضی کے تجربات پر غور کرتی اور مستقبل کے لیے منصوبے بناتی ہے اور اسی کا فیضان ہے کہ انسان کی روح عقل اور حواس کی مدد سے حاصل کی جا سکنے والے علم سے آگے بڑھ کر ان امور تک رسائی حاصل کر لیتی ہے جو عقل و حواس کے لیے مجہول ہیں۔

پہلے انسان کی پیدائش کے وقت مختلف انواع و اجناس کے جاندار موجود تھے مگر اس طویل تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نوع یا جنس نے یا اس کے کسی ایک فرد نے بھی عقلی اور روحانی طور پر ترقی کی ہو۔اگر ہم اعضاء جسم کی حد تک ارتقاء تسلیم بھی کر لیں تو بھی یہ (عقلی اور روحانی طور پر دوسرے جانداروں کا ارتقاء نہ کرنا) ایک حقیقت ہے۔

زندگی کا اصول ایک ہی ہے۔

وَاللهُ اَنۡبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا سورۃ نوح

اور اللہ نے تم کو زمین سے اگایا پھر تم دوبارہ اسی میں لے جائے گا اور پھر تمہیں باہر نکالے گا۔

زمین سے انسان کی اٹھان کی تعبیر اگانے سے کرنا ایک عجیب اور معنی خیز تعبیر ہے یہ تعبیر مختلف شکلوں میں قرآن میں بار بار آئی ہے۔

بلاشبہ یہ مظہر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔اس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ زمین اور زندگی کا اصول ایک ہی ہے اور یہ کہ زمین سے انسان بھی اسی طرح نکلا ہے جس طرح نباتات، وہ اسی کے بنیادی عناصر سے تشکیل پاتا ہے، اور اسی کے بنیادی عناصر سے غذا حاصل کرتا ہے اور پروان چڑھتا ہے پس وہ اسی کی نباتات میں سے ایک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زندگی کی اس قسم سے نوازا ہے جس طرح نباتات کو زندگی کی دوسری قسم عطا کی ہے۔دونوں زمین کی پیداوار ہیں اور دونوں اسی ماں کے دودھ پر پروان چڑھتے ہیں۔

اس طرح ایمان مومن کے اندر زمین اور دوسرے جانداروں سے اس کے رشتے کا ایک حقیقی اور جاندار تصور پیدا کرتا ہے ایسا تصور جس میں علم کی باریکی اور احساس کی قوت اور تازگی ہے کیونکہ وہ ضمیر میں زندہ حقیقت پر مبنی ہے۔یہ قرآن کے اچھوتے طریقہ معرفت کا امتیازی وصف ہے۔

Marfat.com

قرآن اور انسانی نشو و نما وارتقاء کا نظریہ

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۝ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا۔ پھر اسے محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا۔ پھر بوٹی کو ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ بس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ۔ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے۔ پھر قیامت کے روز یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔ (مومنون 12-14)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ یہ نص انسان کی نشو و نما کے مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مگر ان کی تعیین نہیں کرتی۔ یہ بتاتی ہے کہ انسان ایک تسلسل کے ساتھ کچھ مراحل سے گذر کر مٹی سے انسان بنا ہے۔ مٹی مصدر اول یا پہلا مرحلہ ہے اور انسان آخری مرحلہ ہے۔ یہ حقیقت ہمیں قرآن سے معلوم ہوتی ہے ہم اس سائنٹفک نظریات میں اس کی مطابقت نہیں تلاش کرتے جو انسان کی نشو و نما یا زندگی کے آغاز سے بحث کرتے ہیں۔

قرآن یہ حقیقت اس لیے بیان کرتا ہے کہ اسے خدا کی صنعت پر اور اس عظیم تبدیلی پر غور

Marfat.com

وتدبر کا مقام بنائے جو مٹی اور اس انسان کے درمیان پائی جاتی ہے جس نے اسی مٹی سے سلسلہ وار نشو و نما پائی ہے۔ قرآن اس سلسلہ وار عمل کی تفصیل سے نہیں تعرض کرتا کیونکہ اس کے سامنے جو عظیم مقاصد ہیں، ان کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک سائنٹفک نظریات کا تعلق ہے وہ نشو و ارتقاء کا ایک متعین زینہ عمل سامنے لانے اور اسے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انسان اور مٹی کے درمیان کے سلسلے کی مختلف کڑیوں کو ایک دوسرے سے جوڑ سکیں اس کوشش میں یہ سائنٹفک نظریات کامیاب بھی ہو سکتے ہیں اور غلطی بھی کر سکتے ہیں جب کہ قرآن نے اس کی تفصیلات کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ہمارے لیے یہ مناسب نہ ہوگا کہ دو چیزوں کے درمیان غلط بحث کریں۔ ایک چیز وہ ثابت شدہ حقیقت ہے جس کو قرآن بیان کرتا ہے یعنی سلسلہ وار عمل اور دوسری چیز وہ جس کی ۔۔۔ کوشش سائنس کے نظریات کر رہے ہیں یعنی اس سلسلہ وار عمل کی کڑیوں کی دریافت یہی وہ کوشش ہے جس کے نتائج صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ ایک بار آج صحیح قرار پائی ہے اور کل کو انسانی تحقیق کے طریقوں اور تفتیش کے ذرائع کے آگے بڑھنے کے ساتھ غلط قرار پا سکتی ہے۔

کبھی کبھی قرآن اسی حقیقت کا ذکر اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ

بدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِینٍ (اللہ نے انسان کو بنانے کی ابتداء مٹی سے کی)

اور ان مراحل کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا جن سے انسان گذرا ہے۔ اس باب میں ہمیں اس نص کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو زیادہ تفصیلی بیان سامنے لاتی ہو۔ یہ وہ بیان ہے جو بتاتا ہے کہ "انسان مٹی کے جوہر" سے بنا ہے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا نص اپنے مخصوص سیاق کی رعایت سے ان مراحل کا ذکر مختصر کر دیتی ہے۔ جہاں تک اس بات کا جواب ہے کہ انسان نے مٹی سے سلسلہ وار نشو و نما کس طرح پائی تو جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا قرآن اس بارے میں اس لیے خاموش ہے کہ یہ بتانا اس کے مقاصد میں نہیں داخل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کی کڑیاں اسی طور پر ہوں جیسا کہ سائنس کے نظریات بتاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مختلف ہوں ہو سکتا ہے کہ درمیانی مراحل کی نوعیت اور ان کے تکمیل پانے کی کیفیت کچھ اور ہو جو

Marfat.com

ابھی دریافت نہ کی جاسکی ہو، اور اس کے اسباب وعوامل بھی دوسرے ہوں جن کا ابھی تک آدمی سراغ نہ لگا سکا ہو لیکن قرآن کے تصور انسان اور ان سائنٹفک نظریات کے تصور انسان کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن کی روح پھونکی گئی ہے اور اسی روح پھونکنے کے عمل نے اسے مٹی کے جوہر سے انسان بنایا ہے اور اسے وہ خصوصیات عطا کی ہیں جن کے طفیل وہ انسان بنا اور حیوان سے مختلف ہوا یہاں آکر اسلام کا زاویہ نگاہ مادیت پسندوں کے زاویہ نگاہ سے بالکل مختلف اور جدا ہوتا ہے۔ واللہ اصدق القائلین۔

یہ نوع انسان انسانی کے آغاز کے بارے میں تھا کہ وہ مٹی کے جوہر سے ہوا جہاں تک ایسا ہو چکنے کے بعد ایک فرد انسانی کی نشوونما کا تعلق ہے اس کی راہ دوسری ہے۔ (اس کے بعد 17 سطروں میں مصنف نے رحم مادر میں جنین کے مرحلہ وار ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر **فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا** کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں)

جنین کے بننے کے بارے میں قرآن نے جن حقائق پر سے پردہ اٹھایا ہے ان کو پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کیونکہ ان حقائق کی تفصیل زمانہ حال میں جنین کے مراحل کی تشریح کرنے والے علم کی ترقی کے بعد سامنے آتی ہے یعنی یہ بات کہ ہڈی کے خلیے گوشت کے خلیوں سے جدا اور مختلف ہوتے ہیں۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنین میں پہلے ہڈی کے خلیے تشکیل پاتے ہیں۔ ہڈی کے خلیوں کے نمودار ہو۔۔۔ رجنین کا ڈھانچہ مکمل ہونے سے پہلے گوشت کا ایک خلیہ بھی تیار نہیں ہوتا یہی وہ حقیقت ہے جس کو نص قرآنی

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ

میں بیان فرمایا گیا ہے۔ **سبحان العلیم الخبیر۔**

ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔۔۔۔ یہ ہے وہ انسان جو امتیازی نصوص کا حامل ہے کیونکہ انسان کا جنین اپنے جسمانی مراحل میں حیوانی جنین کے مشابہ ہوتا ہے لیکن انسان کا جنین ایک اور ہی مخلوق بن جاتا ہے۔ وہ ممتاز مخلوق جو ارتقاء کی صلاحیت رکھتی ہے، جب کہ حیوان کا جنین حیوان ہی کے درجہ میں رہ جاتا ہے اور ترقی کرنے اور کمال تک پہنچنے کی ان صلاحیت سے محروم رہتا ہے جو انسانی جنین کا ماہر اور امتیاز ہیں۔ انسانی جنین میں کچھ ایسی خصوصیات رکھی گئی ہیں جن کے طفیل وہ بعد کے مراحل انسانی راہ اختیار کر لیتا ہے اور جنینی

Marfat.com

مراحل کے آخر میں ایک دوسری مخلوق بن جاتا ہے جب کہ حیوانی جنین حیوانی مرحلہ ہی میں رہ جاتا ہے کیونکہ یہ خصوصیات نہیں دی گئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حیوان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے حیوانی مرتبے سے تجاوز کر کے مرحلہ ور مرحلہ میکانکی طوپر پر انسان کے مرتبہ تک پہنچ جائے جیسا کہ مادی نظریات کا کہنا ہے۔۔۔۔۔حیوان اور انسان وہ بالکل مختلف انواع ہیں جن میں اس خدائی روح پھنکنے کے سبب فرق ہوگا جس کے طفیل مٹی کا جوہر انسان بنا۔ دونوں کے درمیان فرق کی وجہ اس روح کا پھوکنا بھی ہے جس کے طفیل کچھ ایسی خصوصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے انسانی جنین کو ایک دوسری مخلوق بنا کر نکلا۔ انسان اور حیوان صرف حیوانی ،جسمانی بناوٹ میں ایک دوسرے کے مشابہ رہتے ہیں پھر حیوان حیوان ہی رہ جاتا ہے۔ اس مقام سے آگے نہیں بڑھتا، جب کہ انسان ایک دوسری مخلوق بن جاتا ہے جس میں اس کمال تک پہنچنے کی صلاحیت ہے جس کے لیے اسے بنایا گیا ہے۔ ایسا ان امتیازی خصوصیات کے طفیل ہی ممکن ہوا جنہیں اللہ نے اسے ایک با مقصد تدبیر کے تحت عطا فرمایا ہے نہ کہ نوع حیوانی سے میکانکی طور پر مرحلہ وار تبدیلیوں کے ذریعے نوع انسانی میں بدل جانے کے سبب۔ (نظریہ نشوو ارتقاء ایک کمزور بنیاد پر قائم ہے کیونکہ یہ نظریہ یہ فرض کر لیتا ہے کہ انسان حیوانی ترقی کے ایک مرحلے کے سوا کچھ بھی نہیں وہ یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ حیوان انسان کے مرتبے تک مرحلہ وار تبدیلیوں کے ذریعے پہنچنے والی خصوصیات کا حامل ہے مشاہدے میں آنے والے حقائق انسان اور حیوان کے درمیان رشتے کی وضاحت کے سلسلے میں اس مفروضے کی تردید کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ حیوان ان خصوصیات کا حامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اپنی حیوانی جنس کے حدود پر آ کر رک جاتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ انسان کا حیوانی، جسمانی، ارتقاء ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہوا ہو جس طرح ڈارون نے بیان کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی اور طرح ہوا ہو لیکن نوع انسانی اس حد تک ممتاز ہے کہ وہ کچھ مخصوص صلاحیتوں کی حامل ہے جو اسے انسان بناتی ہیں اور یہ خصوصیات میکانکی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہیں وہ کسی خارجی قوت کا دیا ہوا با مقصد عطیہ ہیں۔

Marfat.com

علم فلکیات اور قرآن

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ

''کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے۔ غور کر نہیں پاتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی''۔

(فی ظلال القرآن، پانچواں ایڈیشن جلد 5، پارہ 17 صفحہ 24-25)

مظاہر کائنات کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں فلکیات کے نظریات میں جیسے جیسے ترقی ہو رہی ہے اور وہ تیرہ سو سال سے زیادہ پہلے قرآن کا یہ بیان کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا غور و فکر کے لائق ہے۔

موجودہ نظریہ یہ ہے کہ ستاروں کے مجموعے۔۔۔ مثلاً نظام شمسی جو سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیاروں پر مشتمل ہے جن میں چاند اور سورج بھی شامل ہیں۔۔۔ پہلے ایک تھا، پھر اس نے الگ الگ ہو کر مختلف کرّوں کی شکل اختیار کر لی۔ زمین بھی سورج کا ایک جز تھی پھر اس سے الگ ہو کر ٹھنڈی ہوئی لیکن یہ بات فلکیات کا ایک نظریہ ہے جو آج مقبول ہے اور کل رد کیا جا سکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا نظریہ آ سکتا ہے جو کسی دوسرے مفروضے کی بناء پر مظاہر کائنات کی تفسیر زیادہ بہتر طور پر کرنے کے سبب نظریہ کا درجہ حاصل کر لے۔

ہم اصحاب عقیدۂ قرآنی اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ قرآن کے یقینی نصوص کو کسی غیر یقینی نظریہ پر محمول کریں جو آج مقبول ہے اور کل رد کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہم قرآن کریم کی اس تفسیر میں قرآن کے نصوص اور ان نظریات کے درمیان مطابق دکھلانے کی کوشش نہیں کرتے جو سائنٹفک کہلاتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان نظریات کی نوعیت ان ثابت شدہ سائنٹفک حقائق سے مختلف ہے جو تجربے کے قابل ہیں۔ مثلاً دھاتوں کا گرمی پا کر پھیلنا، یا پانی کا بھاپ بننا اور پھر ٹھنڈک کی وجہ سے منجمند ہو جانا۔۔۔ وغیرہ دوسرے سائنٹفک حقائق جیسا کہ ہم اس میں پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ ان حقائق کا مقام سائنٹفک نظریات سے مختلف ہے۔

Marfat.com

قرآن نہ تو سائنٹفک نظریات کی کتاب ہے نہ وہ اس لیے آیا کہ تجرباتی طریقے سے سائنس مرتب کرے وہ پوری زندگی کے لیے ایک نظام ہے۔ یہ نظام عقل کی تربیت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حدود کے اندر آزادانہ سرگرم عمل ہو سکے۔ وہ سماج کو ایسا مزاج عطا کرتا ہے کہ وہ عقل کو آزادانہ عمل کا پورا موقع دے۔ قرآن ایسی جزئیات اور تفصیلات سے تعرض نہیں کرتا جو خالص سائنٹفک ہوں یہ امور عقل کی تربیت اور اس کے لیے آزادی عمل کے اہتمام کے بعد عقل ہی کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

کبھی کبھی قرآن بعض کائناتی حقائق کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔ مثلاً یہ حقیقت جس کا بیان آیت **اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا** میں مذکور ہے۔ اس حقیقت پر ہمارے یقین کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ یہ قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ اگرچہ قرآن سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آسمانوں اور زمینوں کے جدا ہونے یا آسمان کے زمین سے جدا ہونے کا عمل کس طرح انجام پایا۔ ہم فلکیات کے ان نظریات کو قبول کرتے ہیں جو قرآن کی بیان کردہ اس مجمل حقیقت کے خلاف نہ جاتے ہوں لیکن ہم قرآن کے بیان کو فلکیات کے کسی نظریے کے تابع نہیں بناتے نہ انسان کے نظریات سے قرآن کی تصدیق چاہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن تو خود ایک یقینی حقیقت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلکیات کے موجودہ نظریات اس نص قرآنی کے اجمالی مفہوم سے نہیں ٹکراتے اگرچہ یہ ان نظریات سے صدیوں پہلے آیا تھا۔

آیت کا دوسرا ٹکڑا ''**وجعلنا من الماء كل شيئ حيٍّ**'' بھی ایک اہم حقیقت بیان کرتا ہے۔ سائنسدان اس حقیقت کی دریافت اور اثبات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس دریافت کا سہرا وہ ڈارون کے سر باندھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ زندگی سب سے پہلے پانی کی آغوش میں پروان چڑھی۔

بلاشبہ اس حقیقت کا ادراک چونکا دینے والا ہے مگر یہ بات کہ یہ قرآن کریم میں مذکور ہے نہ ہمارے لیے باعث تعجب ہے نہ قرآن کی صداقت کے بارے میں ہمارے یقین کے اندر کوئی اضافہ کرتی ہے کیونکہ قرآن کے تمام بیانات کی کامل صداقت پر ہمارا اعتقاد ہمارے اس ایمان سے ابھرتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ سائنٹفک اکتشافات یا نظریات سے ان بیانات کی مطابقت اس اعتقاد کا منبع نہیں ہے۔ یہاں ہم زیادہ سے زیادہ جو بات کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ڈارون اور اس کے رفقاء کا نظریہ نشوو ارتقاء تھا اس مخصوص نکتہ کی حد تک نص قرآنی کے مفہوم سے نہیں ٹکراتا۔

Marfat.com

وحی کی ضرورت وحکمت

اور سائنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکان للناس عجبا ان اوحینا الیٰ رجل منھم ان انذر الناس وبشر الذین اٰمنوآ ان لھم قدم صدق عند ربھم

کیا لوگوں کے لیے یہ ایک عجیب بات ہوگئی کہ ہم نے خود انہیں میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ وہ (غفلت میں پڑے ہوئے) لوگوں کو چونکا دے اور جو مان لیں ان کو خوشخبری دے دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچی عزت اور سرفرازی ہے۔

اس سوال میں ایک نکیر پائی جاتی ہے۔ اس میں اس حیرت واستعجاب پر نکیر ظاہر کی گئی ہے جسے لوگوں نے رسالت کے آغاز ہی سے وحی کے سلسلے میں ظاہر کیا ہر دور میں رسولوں کو لوگوں کے جس سوال کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ کیا خدا نے کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں اس سوال کا پیدا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ لوگوں نے، انسان، کی قدر وقیمت پہچانی ہی نہیں۔ انہوں نے اپنے اندر چھپے ہوئے، انسان کی قدر وقیمت پہچانی ہی نہیں۔ وہ اسے بڑی بات سمجھتے ہیں کہ کوئی انسان اللہ کا رسول ہو اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ،اس سے آملے اور اس پر لوگوں کی رہنمائی کی ذمہ داری ڈالے۔ لوگ اس کا انتظار کرتے نظر آتے ہیں۔ کہ اس (اس مقصد کے لیے) اللہ تعالیٰ کسی فرشتے یا اپنے نزدیک انسان سے بلند تر کسی مخلوق کو بھیجے۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو کسی شرف ومنزلت سے نوازا ہے۔ جس کی حد یہ ہے کہ وہ اسے رسالت کے بھاری بوجھ کو اٹھانے کے قابل سمجھتا ہے اور اس کے اندر سے ایسے لوگوں کا انتخاب فرماتا ہے جو رشتہ وحی کے ذریعے،

Marfat.com

انتہائی حدوں تک اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔

یہی شبہ ہے جو عہد رسالت میں تکذیب کرنے والے کفار کو لاحق تھا اور بعینہ یہی شبہ تھا جس میں اس سے پچھلی امتوں کے کفار گرفتار تھے۔ دور جدید میں بعض لوگ اپنی طرف سے اسی طرح کے ایک شبے کا اظہار کرتے ہیں جو اپنی بیہودگی میں پہلے شبے سے ذرا بھی کم نہیں۔ ان کا سوال یہ ہے کہ ایک انسان کے درمیان جو مادی طبیعت کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کی طبیعت سے مغایر ہے اور جس کے مانند کوئی شے نہیں۔ (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'') کیسے اتصال ممکن ہے۔

اس طرح کا سوال اسی شخص کو زیب دے سکتا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہو اور انسان کی جملہ خصوصیات سے بھی واقف ہو جو اس نے اس کے اندر ودیعت فرمائی ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کا ایک شخص ہرگز دعویٰ نہیں کر سکتا جو اپنی عقل کا احترام کرنا جانتا ہو اور ساتھ ہی اس عقل کے حدود وامکانات سے بھی بے بہرہ نہ ہو بلکہ ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی آشنا ہو کہ انسان کی وہ خصوصیات جن کی تحقیق ودریافت ممکن ہے، یکے بعد دیگرے ان میں نئی نئی چیزیں دریافت ہوتی رہتی ہیں لیکن اس کے باوجود تحقیق وجستجو کا سلسلہ بند نہیں ہوتا کہ یہ کہا جا سکے کہ: انسان نے ان تمام انسانی خصوصیات کی کنہ پا مالی ہے جن کی تحقیق ودریافت ممکن تھی۔ صورت حال یہ ہے کہ سائنس اور عقل کی تمام دریافتوں کے بعد بھی نامعلوم حقائق کی ایک وسیع دنیا باقی رہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان کے اندر بہت سی نامعلوم طاقتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نوع انسانی میں سے کس فرد کو اپنی رسالت کا گہوارہ بنائے جو رسالت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اکثر وبیشتر یہ طاقت لوگوں کے لیے اجنبی ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات تو صاحب رسالت بھی، رسالت سے پہلے، اس سے ناآشنا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس نے انسان کے اندر اپنی روح پھونکی ہے، اچھی طرح جانتا ہے کہ

Marfat.com

انسان کے جسم کا، ہر خلیہ اس کا ہر عضو اور اس کا ہر حصہ کن خصوصیات کا مالک ہے اور اپنے اندر کیا صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی انسان کے لیے (وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والے) اس خاص اتصال کو ایسے طریقے سے آسان بنادے جس کا احساس بس اسی کو ہوسکتا ہے جسے نعمت عطا ہوئی ہو۔

عصر حاضر کے بہت سے مفسرین نے، تقریب ذہنی کے لیے، وحی کو سائنس کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ہم اس طریق استدلال کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ اس لیے کہ سائنس کا ایک مخصوص میدان ہے اور سائنس کے طریقے اسی میدان کے لیے موزوں ہیں۔ سائنس کی دنیا الگ ہے اور اس کی تحقیق وتفتیش کے ذرائع اسی دنیا کے لیے کارگر ہیں۔ سائنس نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ روح کے بارے میں بھی اسے کوئی ثابت شدہ چیز معلوم ہے کہ یہ چیز اس کے دائرہ عمل میں داخل ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ ایسی چیز ہی نہیں جسے جانچ پرکھ کران مادی طریقوں سے معلوم کیا جاسکے جس کے وسائل کے سائنس کو حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ سائنسی طریقہ تحقیق کے پابند علم نے ہمیشہ، روحانیات، کے میدان میں دخل دینے سے گریز کیا ہے۔ رہی وہ چیز جسے ہم، روحانی علوم کے نام سے جانتے ہیں تو وہ اپنی حقیقت اور اپنے مقاصد دونوں کے اعتبار سے شکوک وشبہات سے لبریز ہیں۔

اس میدان میں کسی تعیین چیز کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں سوائے ان حقائق کے جو قرآن وحدیث کے تعیینی ذرائع سے ہم تک پہنچتے ہیں اور یہ علم بھی ہمیں اسی حد تک حاصل ہوسکتا ہے جس حد تک کہ ان ذرائع سے ملا ہو جس میں کسی اضافے، تصرف اور قیاس کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ اضافہ وتصرف اور قیاس آرائی عقل اعمال ہیں اور یہ عقل کا میدان نہیں، نہ عقل کو ان کاموں کے وسائل میسر ہیں کیونکہ عقل کو اس میدان میں کام کرنے کے آلات ووسائل دیئے ہی نہیں گئے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ

Marfat.com

(یونس)

(کیا لوگوں کے لیے یہ ایک عجیب بات ہوگئی کہ ہم نے خود انہیں میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ (غفلت میں پڑے ہوئے) لوگوں کو چونکا دے اور جو مان لیں ان کو خوشخبری دے دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچی عزت اور سرفرازی ہے)

یہی وحی کا خلاصہ ہے۔ یعنی لوگوں کو اس وحی کی مخالفت کے انجام سے ڈرانا اور مومنوں کو خوشخبری سنانا کہ رسول کی اطاعت و پیروی کا انہیں کیا بدلہ ملنے والا ہے اور یہ اسی انداز وتبشیر کا تقاضا ہے کہ ان احکام کو بیان کر دیا جائے جو واجب الاتباع ہیں اور ان امور کو واضح کر دیا جائے جن سے اجتناب لازم ہے۔ اسی کا نام اجمالی طور پر انداز وتبشیر اور ان کے متعقیات ہیں۔ یہ انداز وتبشیر تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ تمام انسان اس کے حاجتمند ہیں کہ ان تک پیغام پہنچایا جائے اسے اچھی طرح واضح کر دیا جائے اور خلاف ورزی کے نتائج سے انہیں پوری طرح ڈرا دیا جائے اور بشارت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ یہاں انہیں طمانیت ثبات اور استقرار کی بشارت دیتا ہے۔ یہ مفہوم ڈرانے کی فضا میں "قدم" کے ساتھ صدق" کی اضافت سے مترشح ہوتا ہے۔ "قدم صدق" یعنی مشکل گھڑی میں ڈر اور سراسمیگی کی فضا میں انہیں، مضبوط قدم، رکھتے ہوئے بے کھٹکے۔ بغیر بھٹکے اطمینان کے ساتھ آنے کا موقع ملے گا۔ کہاں؟ اپنے رب کے حضور، ایسے دربار میں جس میں مومنوں کو اطمینان کامل نصیب ہوگا جب کہ دوسروں کے دل دہل رہے ہوں گے اور قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔

اس بات کی حکمت عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے کسی فرد پر اپنی وحی نازل فرمائے۔ ایک ایسے فرد پر جو لوگوں کو خوب جانتا ہو اور لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہوں انہیں اس پر پورا بھروسہ ہو اور وہ اس سے بلا تکلف اور کسی جھجک کے بغیر برابر لین دین کرتے ہوں اور جہاں تک خود رسولوں کے بھیجے جانے کا تعلق ہے اس میں تو ان کی حکمت واضح تر

Marfat.com

ہے۔اس لیے اگرچہ انسان کو پیدائشی طور پر خیر وشر میں تمیز کی صلاحیت بخشی گئی ہے اور اس خیر و شر میں تمیز کے لیے عقل اسے بطور آلہ کے دی گئی ہے لیکن اس عقل کو ایک اٹل پیمانے کی ضرورت ہے جس کی طرف وہ برابر رجوع کر سکے جب بھی کوئی معاملہ اس پر دھندلا پڑے یا شکوک وشبہات اسے آگھیریں یا خواہشات ومیلانات اسے اپنی طرف کھینچیں یا دوسرے اسباب وعوامل اس پر اثر انداز ہونے لگیں وہ اسباب وعوامل جو انسان کے جسم اس کے اعصاب اور اس کے مزاج کو لاحق ہوتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں عقل کے اندازے بھی تغیر وتبدل کا شکار ہوتے رہتے ہیں بلکہ بسا اوقات یہ تبدیلی انسے ایک چیز کو چھوڑ کر اس کے تقیض کی طرف لے جاتی ہے۔اس لیے عقل کو ایک اٹل پیمانے کی ضرورت ہے، ایک پیمانے کی جو ان عارضی پیمانوں سے متاثر نہ ہوتا کہ وہ اس کی طرف رجوع کر سکے۔اس سے رہنمائی لے سکے اور اس رہنمائی کی روشنی میں سیدھے راستے اختیار کر سکے۔عدل پر مبنی یہ سچا اور پکا پیمانہ اللہ کی ہدایت اور اس کی شریعت ہے۔

اس بات کا تقاضا ہے کہ اللہ کے دین کی کوئی مستقل حقیقت ہو جس کی طرف انسانی عقل، دین کے مختلف مفہومات کو لے کر رجوع کر سکے، اسی طور پر یہ ممکن ہوگا کہ (عقل) ان مفہومات کو اس اٹل پیمانے سے جانچے اور اس کے ذریعہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکے۔یہ کہنا کہ اللہ کا دین ''اللہ کے دین کا وہ مفہوم جو انسان سمجھیں'' ہوتا ہے لہذا دین ''اپنے اصولوں کے لحاظ سے تغیر پذیر ہے'' اللہ کے دین کے بارے میں مذکورہ بالا بنیادی اصول یعنی اس کی حقیقت اور اس کے پیمانے کے غیر متغیر ہونے کو انسانی فہم کے ساتھ ہمیشہ بدلتے رہنے اور اس کے مطابق ڈھلتے جانے کے خطرے میں ڈال دیتا ہے کیونکہ اس رائے کے مطابق کوئی مستقل پیمانہ باقی نہیں رہ جاتا جس پر انسانی فہم کو پرکھا جا سکے۔

اس بات کے درمیان اور اس کے درمیان کہ ''دین انسانی ذہن کی پیداوار ہے'' بہت تھوڑا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے اس لیے کہ دونوں کا آخری نتیجہ ایک ہی ہے۔یہ ایک پرخطر پھسلن ہے

Marfat.com

اور انجام کے لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے۔ اس طرز استدلال سے شدت سے اجتناب ضروری ہے۔ اس طرز استدلال سے بھی اور ساتھ ہی اس کے قریب اور دور کے نتائج سے بھی۔

باوجودیکہ اس طرح، وحی کا مقدمہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے پھر بھی کفار اس سے اس طور سے پیش آتے ہیں جیسے کوئی عجیب بات ہے۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ''۔

منکرین نے کہا یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے۔ (یونس)

لوگ نبی کو ساحر قرار دیتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اس کی زبان سے جو چیز نکلتی ہے انہیں معجزہ دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ غور کرتے تو ان کے لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا کہ یہ ایک نبی ہے جس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی زبان سے جو چیز نکلتی ہے معجزہ دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے کہ سحر عظیم کائناتی حقائق زندگی کے لیے نظام، حرکت وعمل کے لیے لائحہ عمل، مسائل زندگی میں رہنمائی اور قانون سازی جیسے مہارت مسائل جیسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس پر ایک ترقی پذیر سماج قائم ہو سکے یا جس پر کسی منفرد نظام کی بنیاد رکھی جا سکے۔ ان کافروں کے نزدیک وحی وسحر ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتے ہیں اس لیے کہ تمام بت پرست قوموں میں دین سحر کے ساتھ گڈمڈ ہو گیا ہے فطری طور پر ان کے لیے وہ چیز کھل نہیں سکتی تھی جو ایک مسلمان پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے جب وہ اللہ کے دین کی حقیقت کو پا لیتا ہے اور بت پرستی اس کے اوہام وخرافات اور اس کے گورکھ دھندوں سے اسے نجات مل جاتی ہے۔

Marfat.com

صحابی درخت

حضور ﷺ نے سفر شام کے دوران چھائیں فراہم کرنے پر اس درخت کو دعا دی تھی

سرکار دو عالم ﷺ سے نسبت رکھنے والے اس مبارک درخت کو دریافت کر لیا گیا ہے۔ جس کو ساڑھے چودہ سو سال قبل حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس ''زندہ صحابی درخت'' کی موجودگی کا انکشاف اردن کی اس دستاویزی فلم کے ذریعے ہوا جسے دنیا بھر میں پذیرائی نصیب ہوئی۔ یہ مبارک درخت وہ ہے جس کو حضور کی قربت نصیب ہوئی اور اس نے حضور ﷺ سے نسبت کا اعزاز یوں پایا کہ سرکار ﷺ پر سایہ کناں رہا یعنی اپنی محبت کی چھاؤں نور نبوت پر نچھاور کرتا رہا۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوموسیٰ شعریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اس وقت 12 سال کے تھے جب انہوں نے حضرت ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی اور جس کا احترام کیا گیا۔ تجارت کی غرض سے شام جانے والے اس قافلہ نے بیت المقدس کے قریب بصریٰ کے مقام پر قیام کیا اور راستہ میں موجود ایک گھنے درخت کے سائے میں کچھ وقت گزارا یہیں قریب میں واقع ایک گرجا میں مشہور زمانہ راہب بحیرا بھی قیام پذیر تھا۔ بحیرا کو ایک بڑے عالم کے طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وہ کتاب مقدس کا مدرس بھی تھا اور یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے قبل از اسلام ان سے علم حاصل کیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ 582ء میں ظہور پذیر ہوا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ بحیرا وہاں اس لیے مقیم تھا کیونکہ اسے معلوم تھا یہاں سے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے گزرنا ہے، وہ مدتوں

Marfat.com

سے اسی انتظار میں حجاز سے آنے والے قافلوں کی راہ دیکھتا تھا۔ جب حضرت ابو طالب کے قافلہ میں بحیرا نے حضور کو دیکھا تو بھاگا ہوا آیا اور حضور ﷺ کے ہاتھ تھام کر کہا بخدا یہ تمام جہانوں کا سردار ہے، یہ پروردگار عالم کا رسول ہے، اللہ تعالیٰ انہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا بحیرا سے جب پوچھا گیا کہ اس نے حضور کو کیسے پہچانا تو اس نے کہا جب قافلہ ایک گھاٹی سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ درختوں اور پتھروں نے آپ کو سجدہ کیا ہے، بادل آپ ﷺ پر سایہ کناں ہے تو میں نے جان لیا کہ یہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وہ حضور کو مہر نبوت سے بھی پہچان سکتے ہیں جو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان ہوگی، صاحب دلائل النبوت لکھتے ہیں کہ بحیرا نے مہر نبوت دیکھی تو اس کے سر کے بال بکھر گئے اور اس نے بے اختیار ہو کر مہر نبوت کو چوم لیا۔ بحیرا نے قافلہ کے لیے ضیافت کا اہتمام بھی کیا اور حضور ﷺ سے گفتگو کا اعزاز بھی پایا بحیرا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زیتون اور کنک کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ کتب تاریخ و سیرت میں درج ہے کہ صحابی درخت نے اپنی شاخیں فرحت جذبات اور عقیدت کے ساتھ آپؐ کے سر مبارک پر جھکا دیں تھیں۔ محمد فتح اللہ گولن اپنی کتاب ''محمد نور سرمدی فخر انسانیت'' میں رقم طراز ہیں کہ بحیرا نے ابو طالب سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کو شام لے جانے کے بجائے واپس لے جائیں کیونکہ یہود آپ ﷺ میں خاتم النبین کی صفات دیکھ کر حسد کی وجہ سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے چنانچہ ابو طالب حضور کو لے کر واپس مکہ آ گئے۔ دلائل النبوت میں ابو نعیم احمد بن عبداللہ لکھتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے حضور کو پہچان بھی لیا اور بحیرا راہب نے ان کے استفسار پر اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں یہ وہی نبی ہیں لیکن تم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لہذا وہ ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔ کتب سیرت میں یہ بھی درج ہے کہ حضور نبی رحیم و کریمؐ تجارت کی غرض سے دوسری بار بھی شام گئے۔ دلائل النبوت میں لکھا ہے کہ آپ کی عمر جب 25 سال تھی آپ ﷺ حضر خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر شام جاتے ہوئے بصریٰ کے مقام پر ایک خوش بخت درخت کے پاس رکے تھے

Marfat.com

جہاں قریب ہی ایک معبد میں نسطورا نامی راہب مقیم تھا ممکن ہے یہ وہی بخت ور درخت ہو۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ نسطورا راہب میسرا کو جانتا تھا اس نے میسرا سے پوچھا یہ درخت کے نیچے کون فروکش ہوا ہے؟ میسرہ نے جواب دیا اہل حرم میں سے ایک قریشی ہے۔ نسطور نے کہا اس درخت کے سائے میں کوئی نبی ہی آکر فروکش ہوا کرتا ہے۔ پھر نسطور راہب آپ کے اوصاف جان کر گویا ہوا یہ نبی ہے اور آخر الانبیا ہے، اے کاش میں وہ زمانہ پاتا جب انہیں معبوث کیا جائے گا۔ جب قافلہ واپسی کے سفر پر تھا تو میسرہ نے بھی دیکھا کہ جب گرمی ہوتی تو دو فرشتے نظر آتے جو آپ کو سورج کی گرمی سے بچاتے تھے۔ الخصائص الکبری میں علامہ جلال الدین سیوطی نے ابن مندہؒ کی ایک روایت نقل کی ہے جسے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضور نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ اٹھارہ بیس سال کی عمر میں شام کا سفر کیا تھا اور ان کی ملاقات بصری کے مقام پر بحیرا نامی راہب سے ہوئی تھی۔ اس نے حضور ﷺ کے نبی آخر الزمان ہونے کی پیش گوئی کی اور کہا کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ کے بعد آخری نبیؑ کے سوا کوئی اور نہیں بیٹھا۔ اس روایت کے بارے میں علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اگر یہ درست ہے تو یہ ابوطالب کے ساتھ کیے گئے سفر کے علاوہ ہے۔ یہ تو ایک صحابی درخت ہے اور اس کی یہ شان اور منزلت کیوں نہ ہو کہ اللہ نے تو اپنے پیارے رسولؐ کے چاہنے والوں کو اپنی نگاہ شفقت ومحبت سے ہمیشہ نوازا ہے۔

- مشرقی اردن کے علاقہ صفوی میں وادی سرحان کے قریب موجود اس مبارک درخت کی حقیقت سے متعلق (the blessing Tree) کے عنوان سے دستاویزی فلم میں اردن کے شاہ عبداللہ دوم، شہزادہ غازی بن محمد، ڈاکٹر محمد سید رمضان، شیخ الحبیب عمر بن فتیح، پروفیسر حسین نصر اور شیخ عبدالحکیم مراد کی آراء بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے اس کے حقیقی ہونے کی گواہی دی اور اس کی زیارت کو اپنے لیے بڑی سعادت قرار دیا۔ چند افراد کے ایک قافلہ نے اس مبارک درخت کی زیارت کی اور اپنے سفر کا احوال سوشل میڈیا پر شیئر کرتے ہوئے

Marfat.com

بتایا کہ جب ہم نے اس درخت کو دیکھا تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تاحد نظر اس بیابان میں یہ اکیلا درخت کس قدر سرسبز وشاداب ہے۔ ہم اس صحابی درخت کے سائے میں بیس منٹ موجود رہے۔ ہم ان لمحوں کی کیفیات بیان نہیں کر سکتے کہ اس درخت کی شاخوں کو مس کر آئے ہیں جس نے دو عالم کے سردار کی زیارت کی ہے۔ اس صحابی درخت نے ہمیں اپنے کیف آور سائے کی دولت ان کی جو اس نے حضور پر نچھاور کی تھی۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس درخت کو ٹھنڈی اور گداز چھاؤں فراہم کرنے پر دعا دی تھی۔ اس لئے یہ آج زندہ سلامت ہے۔ قریباً ساڑھے 14 سو سال قبل حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف پانے والے اس درخت کی ایک لق و دق صحرا میں موجودگی جہاں قدرت کا کرشمہ ہے وہیں اہل اسلام کے لیے محبت اور عقیدت کا ایک مرکز بھی بن گیا ہے کہ حضور ﷺ سے نسبت حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس درخت کے سائے کو اپنے لیے قبول کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بقائے دوام بھی بخشا اور دنیا کے لیے اپنی قدرت کی ایک نشانی بھی بنا دی کہ اصحاب بصیرت و یقین کا ایمان تازہ ہو۔ محققین نے وہ شاہراہ بھی دریافت کر لی ہے جہاں سے حضرت ابو طالب کا قافلہ اس صحابی درخت تک پہنچا تھا۔ عشاق رسول ﷺ کے لیے یہ صحابی درخت یقیناً ان روحانی قوتوں کا سبب بنے گا جو حیات جاوداں کا باعث ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ خطبہ جمعہ فرمایا کرتے تھے تو ایک کھجور کی چھڑی ان ﷺ کے ہاتھ میں ہوتی تھی جب نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا تو یہ چھڑی زار و قطار کئی عرصہ تک روتی رہی۔ اس طرح ایک دفعہ ایک اونٹ آپ ﷺ کے سامنے سجدے میں پڑھ گیا نبی ﷺ نے پوچھا اے اونٹ کیا بات ہے تو اونٹ نے کہا کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور کھانا کم دیتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے مالک کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ وہ اس سے کام کم لیا کرے اور اس کو پیٹ بھر کر کھانا فراہم کیا کرے یہ وہ کرامات ہیں جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔

Marfat.com

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بنک اکاؤنٹ

مدینہ منورہ کی میونسپلٹی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر جائیداد رجسٹرڈ ہے

کیا آپ کو معلوم ہے کہ سعودی عرب کے ایک بینک میں خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کا آج بھی کرنٹ اکاؤنٹ ہے۔ یہ جان کر بھی آپ کو حیرت ہوگی کہ مدینہ منورہ کی میونسپلٹی میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام پر باقاعدہ جائیداد رجسٹرڈ ہے۔ آج بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام بجلی اور پانی کا بل آتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب ایک عالیشان رہائشی ہوٹل زیر تعمیر ہے جس کا نام ''عثمان بن عفانؓ ہوٹل'' ہے تفصیل جاننا چاہیں گے؟ یہ وہ عظیم صدقہ جاریہ ہے جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے صدق نیت کا نتیجہ ہے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پینے کے صاف پانی کی بڑی قلت تھی۔ ایک

Marfat.com

یہودی کا کنواں تھا جو مسلمانوں کو پانی مہنگے داموں فروخت کرتا تھا۔اس کنویں کا نام ''بیئر رومہ'' یعنی رومہ کا کنواں تھا۔ مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی اور اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو یہ کنواں خریدے اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے، ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں چشمہ عطا کرے گا۔حضرت عثمان بن عفانؓ یہودی کے پاس گئے اور کنواں خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔کنواں چونکہ منافع بخش آمدنی کا ذریعہ تھا اس لیے یہودی نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔حضرت عثمانؓ نے یہ تدبیر کی کہ یہودی سے کہا کہ پورا کنواں نہ سہی، آدھا کنواں مجھے فروخت کر دو۔ آدھا کنوں فروخت کرنے پر ایک دن کنویں کا پانی تمہارا اور دوسرے دن میرا ہوگا۔یہودی لالچ میں آ گیا۔اس نے سوچا کہ حضرت عثمان اپنے دن میں پانی زیادہ پیسوں میں فروخت کریں گے۔اس طرح مزید منافع کمانے کا موقع مل جائے گا۔اس نے آدھا کنواں حضرت عثمان کو فروخت کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے دن مسلمانوں کو کنویں سے مفت پانی حاصل کرنے کی اجازت دی۔لوگ حضرت عثمانؓ کے دن مفت پانی حاصل کرتے اور اگلے دن کے لیے بھی ذخیرہ کر لیتے۔یہودی کے دن کوئی شخص بھی پانی خریدنے نہیں جاتا ۔یہودی نے دیکھا کہ اس کی تجارت ماند پڑ گئی ہے تو اس نے حضرت عثمانؓ سے باقی آدھا کنواں خریدنے کی گزارش کی۔اس پر حضرت عثمانؓ راضی ہو گئے اور پورا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔اس دوران ایک آدمی نے حضرت عثمانؓ کو کنواں دوگنا قیمت پر خریدنے کی پیشکش کی۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مجھے اس سے کہیں زیادہ کی پیشکش ہے۔اس نے کہا کہ 3 گنا دوں گا۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اس سے کئی گنا کی پیشکش ہے۔ اس نے کہا کہ میں 4 گنا دوں گا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ کہیں زیادہ کی پیش کش ہے اس طرح آدمی بڑھاتا رہا اور حضرت عثمانؓ یہ جواب دیتے رہے۔ یہاں تک اس آدمی نے کہا حضرت آخر کون ہے جو آپ کو 10 گنا دینے کی پیش کش کر رہا ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میرا رب مجھے ایک نیکی پر 10 گنا اجر دینے کی پیشکش کرتا ہے۔

وقت گزرتا گیا اور یہ کنواں مسلمانوں کو سیراب کرتا رہا یہاں تک کہ کنویں کے اردگرد کھجوروں کا باغ بن گیا۔ عثمانی سلطنت کے زمانے میں اس باغ کی دیکھ بھال ہوئی۔ بعد ازاں سعودی حکومت کے عہد میں اس باغ میں کھجوروں کے درختوں کی تعداد 1550 ہوگئی۔ یہ باغ میونسپلٹی میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام پر رجسٹرڈ ہوا۔ وزارت زراعت یہاں کے کھجور بازار میں فروخت کرتی اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام پر بینک میں جمع کرتی رہی یہاں تک کہ اکاؤنٹ میں اتنی رقم جمع ہوگئی کہ مرکزی علاقہ میں ایک پلاٹ لیا گیا جہاں فندق عثمان بن عفانؓ کے نام پر ایک رہائشی ہوٹل تعمیر کیا جانے لگا۔ اس ہوٹل سے سالانہ 50 ملین ریال آمدنی متوقع ہے۔

اس کا آدھا حصہ یتیموں اور غرباء میں تقسیم ہوگا جبکہ دوسرا آدھا حضرت عثمانؓ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوگا۔

اندازہ کیجئے کہ حضرت عثمان کے اس مقدس عمل کو اللہ تعالیٰ نے کیسے قبول فرمایا اور اس میں ایسی برکت عطا کی کہ قیامت تک ان کے لیے صدقہ جاریہ بن گیا۔

Marfat.com

جامع مسجد، دہلی

اس کا شمار برصغیر کی خوبصورت اور عالی شان مساجد میں ہوتا ہے

جامع مسجد پرانی دہلی کے وسط میں ہے۔شاہجہان کی تعمیر کردہ یہ مسجد جواب شاہجہانی مسجد یا صرف جامع مسجد کے نام سے معروف ہے۔اسلامیان برصغیر کے درخشندہ ماضی کا دمکتا ستارہ ہے جہاں مغل فرمانروا شاہ جہاں، اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر آخری بدنصیب بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک سجدہ ریز رہے۔اس مسجد نے معلوم نہیں کتنے بادشاہوں کا عروج وزوال دیکھا ہے۔جامع مسجد دہلی کی تعمیر شاہ جہاں نے اپنے دور حکومت کے آخری سال 1658 میں کرائی اس کا شمار برصغیر کی خوبصورت اور عالی شان مساجد میں ہوتا ہے۔شاہ جہاں نے اس مسجد کو دلی کے بلند ترین مقام پر 450 مربع فٹ کے چوکور چبوترے پر تعمیر کرایا اردگرد کشادہ محرابیں اور ڈول نما گنبدوں کے اوپر خالص سنگ مرمر کے تین گنبد تعمیر کروائے جوان میں سے خم کی صورت نکلے ہوئے ہیں اس کے دو بلند میناروں کی اونچائی 130 فٹ ہے۔اس مسجد کی تعمیر پر روزانہ پانچ ہزار کاریگر لگائے جاتے تھے اور یہ چھ ماہ میں مکمل ہوئی اس پر ساڑھے تین سو سال قبل ایک لاکھ پاؤنڈ اسٹرلنگ کی لاگت آئی۔جامع مسجد کی تعمیر کی بنیاد رکھنے کی جو تقریب ہوئی اس میں شاہ جہاں نے کہا کہ اس کی بنیاد وہ شخص رکھے جس نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہ کی ہو۔ہر طرف سناٹا چھا گیا اور کوئی شخص آگے نہ بڑھا تو چشم فلک نے پھر یہ منظر دیکھا کہ شاہ جہاں خود آگے بڑھا اور کہا کہ الحمدللہ میں نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں کی اور پھر سنگ بنیاد رکھا دیا۔

میرے وہ تمام آباواجداد جو دلی کی خاک ہو گئے میرا غالب، درد، شاہ جہاں، دارالشکوہ، بہادر شاہ ظفر اور نہ جانے کون کون ہوں گے ان سیڑھیوں نے کس کا عروج وزوال دیکھا ہوگا، مسجد میں داخل ہو کر چاروں اطراف نظر دوڑائی مگر اس مسجد کی وہ شان وشوکت نہ تھی جو سنی یا کبھی اس کا حصہ تھی۔مسجد کی سیڑھیوں اور صحت کی حالت خستہ ہوگئی ہے یہ زبان حال سے بے

Marfat.com

دردِ ایام کا شکوہ کر رہی تھی۔ پتھر کی سلیں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہیں، جن کی تبدیلی اور مرمت کا کوئی انتظام نظر نہیں آتا۔ میں مسجد کے صحن میں وضو کے لیے تالاب کے کنارے کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہ مسجد ہماری ملی تاریخ میں کس قدر اہمیت کی حامل ہے اس نے کئی بادشاہوں کو یہاں سجدہ زیر دیکھا کتنے شاہوں کے عروج وزوال کا مشاہدہ کیا۔ انگریزوں کے قبضے کے بعد ان کے خلاف جدوجہد کا آغاز اسی مسجد سے ہوا اور اس مسجد سے فتویٰ جاری ہوا جس کے نتیجے میں مسلمان انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے صف آراء ہو گئے جس پر فرنگی حکمران آگ بگولہ ہو گئے اور علمائے کرام کو چن چن کر آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ بعض کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ بعض کو ملک بدر کر کے کالا پانی بھیج دیا گیا۔ سید اسماعیل شہید نے اس مسجد سے کلمہ حق بلند کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور دیگر اکابرین آزادی نے یہیں پر کھڑے ہو کر آوازِ حق بلند کیا۔ یہ وہ جگہ ہے جس پر 19 ستمبر 1857 کو انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ مگر جونہی حالات سازگار ہوئے تو یہی مسجد جدوجہد آزادی کی تحریک کا مرکز قرار پائی۔ آزادی کے موقع پر 1947 میں جب دلی خاک وخون میں نہا رہی تھی اور مسلم کش فسادات عروج پر تھے تو مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی مسجد کے منبر ومحراب سے ملک نہ چھوڑنے کی صدا بلند کی جس کے باعث بے شمار مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کا ارادہ بدل ڈالا۔ اب بھی بھارت ہو یا عراق، افغانستان ہو یا بوسنیا الغرض جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر ظلم وستم ہو تو یہی جامع مسجد پوری طاقت اور جرأت سے ظالموں کو للکارتی ہے۔ بھارت میں مسلم پرسنل لا کا سوال ہو یا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مسلم تشخص کا مسئلہ۔ بابری مسجد کی شہادت ہو یا مسلم کش فسادات یا مسلمانوں کے حقوق کی تحریک جامع مسجد دہلی نے ہمیشہ مسلمانوں کی آواز بلند کرنے کا اہم کردار ادا کیا۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ اندرا گاندھی، دیوگورا، آئی کے گجرال کے علاوہ دیگر سیاستدانوں نے بھی اسی مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے سر پر تاج حکومت سجایا۔ امام احمد بخاری جنہیں شاہی امام کہا جاتا ہے اس وقت اس مسجد کے امام ہیں ان سے قبل ان کے والد عبداللہ شاہ بخاری تھے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ جو بخارا کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور جنہوں نے کبھی نماز تہجد قضاء نہ کی تھی اس مسجد کی امامت ان کو سونپی گئی تھی۔ یوں صدیوں سے یہ اعزاز اسی خاندان کا حصہ ہے۔ قیام پاکستان کے

Marfat.com

وادی پرل۔۔۔قدرت کا کرشمہ

یہ وادی دنیا کا دوسرا سوئٹزرلینڈ کہلاتی ہے

راولاکوٹ قدرتی حسن اور جمالیاتی خوبیوں سے جنت ارض کشمیر کا حسین ترین خطہ سمجھا جاتا ہے۔ سرسبز شاداب پہاڑوں، بہتے چشموں، ندی نالوں، آبشاروں اور دلکش وادیوں، جنگلوں پر مشتمل یہ وادی دنیا کا دوسرا سوئٹزرلینڈ کہلاتی ہے۔ آج کل کی مادی اور افراتفری کی زندگی سے نکل کر قدرتی حسن کے نظاروں اور پرسکون لمحات گزارنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ایک بار جا کر بار بار آنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ راولاکوٹ کی اسی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے کسی انگریز نے اس وادی کو ''پرل'' کا نام دیا۔ جس کے بعد وادی، وادی پرل کے نام سے مشہور ہوگئی۔ راولاکوٹ سطح سمندر سے ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اسلام آباد سے راولاکوٹ تک ڈھائی گھنٹے کا سفر کر کے جب راولاکوٹ کی وادی میں داخل ہوتے ہیں تو جنت میں داخل ہونے کا تصور ظاہر ہوتا ہے۔ ہر طرف سرسبز جنگل، دلکشی اور پرسکون ماحول کے باعث یہ وادی اپنی مثال آپ ہے۔ یوں تو قدرت نے پورے کشمیر میں حسن کے جلوے بکھیرے لیکن راولاکوٹ کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ قدرت اس علاقے پر کچھ خاص ہی مہربان رہی۔ یہاں کوئی ایک مخصوص جگہ نہیں بلکہ قدم قدم پر حسن وجمال کے کرشمے نظر آتے ہیں۔ راولاکوٹ میں سیاحوں کی رہائش کے لیے محکمہ سیاحت کے مختلف مقامات پر ریسٹ ہاؤسز کے علاوہ پرائیویٹ سیکٹر میں قیام اعلیٰ معیار کے ہوٹل اور ریسٹ ہاؤس موجود ہیں۔ راولپنڈی سے پیرودھائی اور سواں سے راولاکوٹ کے لئے پبلک ٹرانسپورٹ چلتی ہے۔ آزاد کشمیر کے وسط میں واقع ہونے کے باعث راولاکوٹ سے آسانی سے آزاد کشمیر کے دوسرے اضلاع میں بھی جا سکتے ہیں۔ راولاکوٹ سیاحوں کے لیے اس لیے بھی دلچسپی کا مقام ہے کہ یہاں کی سرزمین کا چپہ چپہ شہیدوں کے خون سے سیراب ہے۔

Marfat.com

1832ء میں منگ کے مقام پر زندہ کھالیں کھچوانے اور 15 اگست 1947 کو راولاکوٹ کے مقام سے کشمیر کی موجودہ تحریک آزادی کا آغاز اور دیگر معرکوں کے باعث یہ ایک تاریخی مقام ہے۔ اس علاقے سے تعلق رکھنے والے مجاہدوں اور غازیوں نے آزاد کشمیر کے علاقے کوڈوگرہ سے آزاد کرایا یوں تو راولاکوٹ کا ہر مقام اپنے اندر قدرت کی بے شمار حسینیاں سمیٹے ہوئے ہیں لیکن کچھ مقامات ایسے بھی ہیں کہ یہاں جا کر جنت میں داخل ہو جانے کا تصور ہوتا ہے۔ راولاکوٹ شہر سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر سطح سمندر سے 1961 فٹ کی بلندی پر واقع بنجونسہ چھوٹا گلی اپنی دل کشی اور پرسکون ماحول کی بدولت انفرادیت کا حامل ہے۔ گھنے جنگلوں کی آغوش میں واقع قدرتی جھیل کے گردوپیش کے فطری حسن کے امتزاج دنیا میں جنت کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ یہاں سیاحوں کی بڑی تعداد موجود رہتی ہے۔ یہاں سیاحوں کے لیے گیسٹ ہاؤسز بھی موجود ہیں۔ راولاکوٹ شہر سے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر سطح سمندر سے 7 ہزار 5 سوفٹ کی بلندی پر پہاڑوں کے اوپر بنے میدان مالکِ کائنات کی صناعی کا پتہ دیتے ہیں۔ وسیع سرسبز میدان اور چاروں طرف جنگلوں کا منظر دیکھ کر انسان اپنے تصور سے بھی باہر نکل جاتا ہے۔ یہاں سے کوہ ہمالیہ کے برفانی پہاڑوں کا لمبا سلسلہ اور پورے کشمیر کا نظارہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ایک چشمہ آبِ شفاء کے نام سے مشہور ہے۔ سیاحوں کے لیے محکمہ سیاحت کا ریسٹ ہاؤس بھی قائم ہے۔ شہر سے 45 کلومیٹر کے فاصلے پر سطح سمندر سے ایک ہزار پندرہ فٹ کی بلندی پر واقع ایک سرسبز وسیع وعرض میدان کو اس کے بے شمار حسن کے باعث دیوی گلی کا نام دیا گیا ہے۔ جنگلات کے درمیان واقع وسیع وعریض میدانی علاقہ جنت کے کسی ٹکڑے کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ 10 کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑ پر واقع سرسبز شاداب جنگل پر پھیلا ایک خوبصورت مقام کوٹ متے خان ہے۔ اپنی خوبصورتی کے علاوہ اس لیے بھی مشہور ہے کہ یہاں آزاد کشمیر کے بانی صدر غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان کی قبر موجود ہے۔ اس خوب صورت پہاڑی سے یہاں ایک طرف راولاکوٹ شہر کا خوب صورت نظارہ ہوتا ہے تو دوسری طرف مری کے دل کش پہاڑ نظر آتے ہیں تتلہ پانی راولاکوٹ ضلع پونچھ اور ضلع کوٹلی کے سنگم پر واقع یہ خطہ گرم پانی کے چشموں کی وجہ سے

Marfat.com

انفرادی حیثیت رکھتا ہے یہاں سردیوں میں بڑی تعداد میں سیاح آتے ہیں۔ دریائے پونچھ نیالگوں پانی کے ساتھ ساتھ بل کھاتے ہوئے گزرتا ہے جو کوٹلی اور پونچھ کی حدوں کو الگ کرتا ہے۔ یہاں ابلتے اور کھلتے چشمے دور دور تک بھاپ اڑاتے ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ جوڑوں کی درد اور کلبی امراض سے متاثر لوگ ان گرم پانی کے چشموں کی شفائی خاصیت کی وجہ سے سردیوں میں یہاں آتے ہیں یہاں پر محکمہ صحت کا ریسٹ ہاؤس موجود ہے۔ گھمیر، مڑول اور بتایلہ تینوں الگ الگ گاؤں ہیں لیکن دریائے پونچھ کے کنارے ایک ہی گاؤں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ دریا کے کنارے پھیلی ہریالی اور دونوں طرف سرسبز شاداب جنگلوں پر پھیلے پہاڑ جنت کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ یہ گاؤں بجیرہ شہر سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بیڑی یا چھیوٹ راولاکوٹ سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر بلند بالا پہاڑ پر واقع یہ خطہ دلکش نظاروں کے علاوہ شفاف چشموں اور خوبصورت جنگلوں پر پھیلا علاقہ ہے بیڑی ایک چشمے کی وجہ سے مشہور ہے جس کا پانی استعمال کرنے سے بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے حسین کوٹ دریک پہاڑی پر واقع گھنے جنگلوں پر پھیلے خطے حسین کوٹ اپنے حسن و جمال کے علاوہ اس لیے بھی مشہور اور اہم ہیں کہ یہاں فاتح آزاد کشمیر کیپٹن حسین خان شہید کا مزار ہے اور اسی وجہ سے یہ علاقہ حسین کوٹ کے نام سے مشہور ہے جب کہ اس کے ساتھ پہاڑوں کے درمیان واقع سرسبز شاداب گاؤں دریک بھی اپنی خوبصورتی کی مثال آپ ہے۔ راولاکوٹ ایک ایسا سیاحتی مقام ہے کہ یہاں کا ہر خطہ منفرد خصوصیات و حسن کی جھلک پیش کرتا ہے۔ راولاکوٹ شہر کے ساتھ چاروں طرف پھیلے گاؤں میاں میوہ، ٹراڑ، پوٹھی پڑاٹ، کھڑی، ہورنہ میراں، دھمنی، چیڑھ، قدرتی حسن کا شہکار ہیں۔ یہاں ہر طرف خدا کی قدرت کے کرشمے بکھرے نظر آتے ہیں یہاں سیاحوں کی دلچسپی کے لیے انسانی ہاتھوں سے کوئی چیز نہیں بنائی گئی بلکہ انواع واقسام کے گل ہائے رنگ سب قدرت ایزدی کی گواہی دیتے ہیں۔ قارئین ایک تحریر میں شاید یہاں کی خوبصورتی اور اپنے جذبات کو سمویا نہ جاسکے آپ ایک بار اس خوبصورت وادی پرل کو دیکھیں تو شاید آپ کے جذبات و احساسات اس سے بڑھ کر ہوں۔

Marfat.com

بعد سید عبدالحمید بخاری امام تھے جنہوں نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی اور استدعا کی کہ مسجد کو محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں نہ دیا جائے بلکہ اس محکمہ کو صرف مرمت کا کام دیا جائے جس پر نہرو نے محکمہ آثار قدیمہ کو مرمت کا کام دے دیا۔ پھر نرسیماراوء کے عہد میں تنگ نظر ہندوؤں کو موقع مل گیا اور یہ شرط عائد کر کے کام رکوادیا کہ مسجد کو آثار قدیمہ کی تحویل میں دیا جائے اور یہ سلسلہ واجپائی حکومت تک رہا، جس کے باعث مسجد میں کوئی مرمت کا کام نہیں ہو رہا۔ اب سنا ہے کہ حکومت نے امام احمد بخاری کی درخواست پر کام کرانے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ جامع مسجد کے اردگرد جس طرح تجاوزات قائم ہیں اور جو حال ہو رہا ہے اندازہ ہے کہ کہیں یہ مسجد ویران نہ ہو جائے۔ میں ان سوچوں میں غرق تھا کہ نماز ظہر کے لیے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی ہم نے وضو کر کے نماز ظہر ادا کی۔ مسجد کا اندرونی ہال نمازیوں سے بھرا ہوا تھا۔ نماز کے بعد واپسی کے لیے مسجد کے صحن سے مشرقی دروازے (باب شاہجہان) سے باہر آئے اور سیڑھیاں اتر کر نیچے کھڑے ہو گئے دور تک پارک نظر آ رہا تھا، قریب ہی مسجد سے ایک نفیس آواز آئی۔ غور کرنے پر پتہ چلا کہ نعتوں اور قرآت پر مشتمل کیسٹ چل رہی ہے۔ دلی میں مسلمانوں کی اکثریت جامع مسجد کے گردونواح میں ہیں مگر بھارتی حکومت کے کار پردازوں نے یہاں بھی مسلمانوں کو موثر نہیں رہنے دیا۔ مسلمانوں کی طاقت کو تین مختلف انتخابی حلقوں میں تقسیم کر دیا ہے اگر ایک حلقے میں یہ تمام مسلمان رہتے تو غالب امکان تھا کہ اس علاقے کی مرکزی اور صوبائی نشستیں صرف مسلمانوں کے قبضے میں ہوتیں۔ اب تین حلقوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ نیز اسی علاقے کے قریب (دریا گنج) سے نئی دلی کے دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ اس دلی میں نیا علاقہ ''اوکھلا'' ہے جو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے، اسی اوکھلا میں یہ جامع ملیہ ہے جہاں اردو ذریعہ تعلیم ہونے کی وجہ سے مسلم طلبہ کی اکثریت ہے، اگرچہ ہندو اور سکھ طلبہ بھی ہیں لیکن مسلم طلبہ اس کے تاریخی پس منظر کے باعث ایک جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں دلی میں جامعہ ملیہ کو علی گڑھ یونیورسٹی کی طرح کا مقام دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اقبال اور مسجد قرطبہ

مسجد قرطبہ اندلس کی تاریخوں میں بھی موضوع بنی ہے

اقبال 1932 میں لندن تشریف لے گئے تا کہ تیسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوسکیں جو برطانوی حکومت نے اپنے زیر نگیں خطے ہندوستان کے آئین میں اصلاح کی غرض سے تبالہ خیال کے لیے منعقد کی۔ اس کانفرنس میں اقبال کا کردار اتنا بڑا نہیں تھا لیکن اس سفر سے واپسی پر وہ اسپین میں ٹھہر گئے اور انہوں نے وہاں ان آثار کو دیکھا جو اندلس کی عظمت رفتہ کے شاہد تھے۔ اسپین کے اس دورے سے وہ بے حد متاثر ہوئے، خاص طور پر مسجد قرطبہ نے ان کے قلب وذہن پر ایسے اثرات چھوڑے کہ ان کے خیالات اور جذبات اسی مسجد پر مرکوز ہوگئے۔ انہوں نے افسران مجاز سے اس مسجد (جواب گرجا ہے) میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت ادا کرنے کرنے کی اجازت حاصل کی۔ عبادت کے انہی لمحات سے ان پر وہ تاثرات، احساسات اور خیالات مرتسم ہوئے جن کی مدد سے انہوں نے ایک ایسی نظم کہی جوان کے تمام اردو کلام میں معروف ترین اور مقبول ترین ہے۔ اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں ان کی شاعری کی وہ خصوصیات موجود ہیں جنہوں نے اقبال کو شہرت ومقبولیت عطا کی۔ اگر چہ اس نظم کی اصل کو بھی اکثر اس کے موضوع کو قرار دیا جاتا ہے لیکن محض موضوع کو اس نظم کی سحر آفرینی کی اصل وجہ قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مسجد تو اندلس کی تاریخوں میں بھی موضوع بنی ہے اور بائیڈ کر (Baedeker) کے ہاں بھی اس سے موجود ہے۔ اس نظم میں مسجد کا موضوع ہونا بھی صرف اس لیے اہم ہے کہ اقبال نے اس مسجد کو ایک مخصوص زاویہ نگاہ کے ساتھ اور ایک خاص انداز میں اس نظم میں سمویا ہے۔ پس اس نظم کا فی نفسہ جانچنا، بندوں کے لحاظ سے اس کی ہیئت کو دیکھنا، اس میں موجود قافیہ بندی اور اس کے صوتی آہنگ نیز اس

Marfat.com

کے مشمولات ومطالب کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ مطالعہ اقبال کے سلسلے میں جو تحریریں ملتی ہیں ان میں سے بیشتر ایسی ہیں جن میں پہلے سے یہ طے کرلیا گیا ہے کہ اقبال ایک شاعر ہے اور بس ان میں اقبال کی فنکارانہ مہارت، اور ان کے شعری ہنر کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری کے جائزوں میں اقبال کے سیاسی، مذہبی اور فلسفیانہ افکار کو زیر بحث لایا گیا ہے لیکن اقبال کی شاعری میں ہئیت اور معنی کے اس سیاق وسباق کونظر انداز کر دیا گیا ہے جو ان فلسفیانہ، سیاسی اور مذہبی افکار کو خاص شکل اور مفہوم دیتا ہے۔

اس نظم میں ایک طرف تو مصرعے ان کی ترتیب، بحر اور قوافی اور دوسری طرف استعارے اور لفظیات حب مجموعی طور پر نظم کے تاثر میں مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ مزید برآں یہ کہ میری رائے میں اس نظم کا مفہوم اس کی خوب صورت فنکارانہ ساخت اور ہئیت کے ساتھ اس طرح مربوط ہے کہ دونوں کو الگ کرنا ممکن نہیں۔ یوں کہہ لیجیے کہ اس نظم میں اقبال نے صرف ایک مسجد کی مدح وثنا ہی نہیں بیان کی بلکہ اس نظم کی متناسب ساخت کی مدد سے ایک طرح سے خود اپنی ایک ''مسجد'' تعمیر کی ہے۔ میں چاہوں گا کہ پہلے اس نظم کی ساخت اور ہئیت کا جائزہ لیا جائے اور پھر اس کے استعاروں اور لفظیات پر غور کیا جائے اور آخر میں اس مفہوم کو سمجھا جائے جس کی تجسیم ساخت سے ہوئی ہے۔

اپنے جدید افکار کے باوجود اقبال نے اپنی شاعری کی ہئیت کے معاملے میں کلاسکی رجحانات سے روگردانی نہیں کی۔ ان کی نظمیں انہی بحرون میں لکھی گئیں جو مروج تھیں اور جنہیں وہ نہایت مہارت سے برتتے تھے۔ ''مسجد قرطبہ'' ایک طویل نظم ہے، اس میں آٹھ بند ہیں، ہر بند میں سولہ مصرعے ہیں جن میں سے دو آخری مصرعے بند کا اختتام ایک بھرپور شعر کی صورت میں کرتے ہیں۔ یہاں بحر اور قوافی بنیادی طور پر وہی ہیں جو غزل میں ہوتے ہیں۔ گویا یہ آٹھ بند ایک طرح سے آٹھ غزلیں ہیں۔ البتہ اس نظم میں آٹھوں بندوں کے اپنے اپنے قوانی ہیں اور یہ اپنی ساخت کے اعتبار سے ''ترکیب بند'' ہیں ہر بند کا اختتام جس شعر پر ہوتا ہے اس کی اہمیت اسطرح واضح ہوتی ہے کہ اس کے قافیے اس بند کے گزشتہ اشعار کے

Marfat.com

قوانی سے الگ ہوتے ہیں۔ ہر مصرعے میں وقف شعری ہے اور یہاں یعنی مصرعے کے وسط میں کبھی کبھی قافیہ بھی آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے بند میں قافیہ صرف پہلے دو مصرعوں اور اس کے بعد ایک مصرع چھوڑ کر ایک مصرعے ہی میں نہیں ہے بلکہ تین مصرعے ایسے ہیں جن کے درمیان میں بھی قافیہ آتا ہے۔ یہاں قافیے کی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہ ہر شعر میں گونجتا ہے اور قافیے کے انتخاب سے قاری یا سامع پر آہنگ کی وجہ سے عجیب اثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے شعر کا اختتام ''ات'' پر ہوتا ہے۔ یہاں قافیے ہیں حادثات، ممات، صفات، ممکنات، کائنات وغیرہ۔ یہ صوت رکن (Syllable) (یعنی ات) اکثر عربی الفاظ کی جمع کو ظاہر کرتا ہے۔ میری رائے میں یہاں اس کا انتخاب لہجے میں رسمی انداز، تجریدیت اور تمکنات پیدا کرتا ہے۔

اس ہئیت کے اندر رہتے ہوئے اقبال نے بعض تراکیب کی تکرار سے اور مکرر آنے والی تراکیب میں تغیر کر کے نئے نقوش ابھارے ہیں مثلاً پہلے بند کا آغاز انہوں نے ''سلسلہ روز و شب'' کی ترکیب سے کیا ہے اور بند کے آٹھ اشعار میں سے پانچ کے پہلے مصرعوں کا آغاز اسی ترکیب سے ہوتا ہے۔ اس طرح اس بند میں بلکہ اس پوری نظم میں وہ متوازی ساخت کے جملوں کے استعمال کے بڑے شائق نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بند کے چار چار یا پانچ پانچ مصرعوں میں ملتے جلتے الفاظ یا متوازی ساخت کے مرکبات ملتے ہیں جیسے

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ ☆ موت ہے تیری برات موت ہے میری برات

☆ وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

ایسی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ ایک مصرعے یا فقرے کی تکرار اس نظم میں بالعموم نئے بند کی ابتداء میں ملتی ہے جس سے نئے بند کی جانب مراجعت پُر تاثیر ہو جاتی ہے۔ نظم کے اس انداز کے سانچے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نظم گنگنا اٹھی ہے۔ اس کی سبک رفتاری اور روانی قاری کو ہپناٹائز کر دیتی ہے۔ قافیے، تکرار اور الفاظ و تراکیب کی متوازیت سے نہ صرف یہ کہ سامعین یا

Marfat.com

قاری کو بہت کچھ یاد رہ جاتا ہے بلکہ وہ تکرار اور قافیے کی پیش بندی کرنے لگتا ہے اور یہ بات اردو کی ساری کی ساری کامیاب شاعری پر صادق آتی ہے، کیونکہ یہ بنیادی طور پر وہ شاعری ہے جو خوش خوانی یعنی ترتیل کے خیال سے لکھی گئی۔ اگرچہ اقبال کی شاعری پڑھتے وقت اس میں موجود تصوف یا اشتراکیت کے بارے میں بلند پایہ خیالات کی طرف ذہن مبذول ہوتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ روائتی بحروں اور شاعری کی روائتی ہیئت کو مہارت سے برتنے کا فن ہی اقبال کی شاعری کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ شاعری محض اس قسم کی صناعی کا نام نہیں ہے لیکن صناعی یقیناً شاعری کا اہم جزو ہے۔

اقبال کی مہارت اور ہنرمندی کا ایک اور پہلو اس نظم میں موجود استعاراتی تصویروں اور لفظیات سے عیاں ہے۔ میں چاہوں گا کہ اس نظم کی میں بند بہ بند مختصر اُوضاحت کروں تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ اس میں پیش کئے گئے مرکزی خیال کیا ہیں اور شاعر نے زبان کو کس طرح برتا ہے۔

نظم کا آغاز وقت یا زمانے کے بارے میں ایک خیال سے ہوتا ہے کہ کس طرح دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا تسلسل قائم ہے۔ یہ تسلسل بذات خود تمام واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا عکاس ہے۔ اقبال کے الفاظ میں یہ وہ ''تارِ حریرِ دورنگ'' ہے جس سے خدا اپنی ''قبائے صفات'' بناتا ہے۔ اس ایک جاندار خیال کے توسط سے اقبال ہمارا تعارف اس عمیق اور پیچیدہ مسئلے سے کراتے ہیں جس کا نام خالق اور مخلوق کا باہمی رشتہ ہے۔ اگلے شعر میں وہ لمحے بھر کے لیے انسان کی ناپائیداری پر زور دیتے ہوئے روز وشب کے دائمی تسلسل کے لیے ''سازِ ازل کی فغاں'' کا استعارہ لاتے ہیں۔ وہ وقت یا سلسلہ روز وشب کی تمثیل یا تجسیم ایک ایسے صراف یا سنار سے کرتے ہیں جو مخلوق کو پرکھتا اور اسے کم عیار پاکر موت کا حقدار قرار دیتا ہے۔ وقت کو یہاں اقبال نے تکرار کے ساتھ فارسی ترکیب ''سلسلہ روزہ شب'' کی مدد سے بیان کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب وہ عام معنوں میں وقت کا لفظ لانا چاہتے ہیں تو اردو زبان میں موجود الفاظ کے انتخاب کے بھرپور مواقع سے فائدہ اٹھاتے

Marfat.com

ہوئے ''دن'' اور ''رات'' کے عام الفاظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تخلیق اور ہنر سے وابستہ ہر شے کی طرح وقت بھی فانی اور بے ثبات ہے۔ اس بند کا آخری شعر بڑا پرزور ہے اور عدم اور لاشئیت پر اصرار کرتا ہے۔ اس کے الفاظ ''منزل آخر فنا'' اس حتمی منزل کی یاد دلاتے ہیں جس کی تمنا صوفی کو ہوتی ہے لیکن ان الفاظ میں تکمیل کے بجائے خالی پن کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

دوسرے بند میں پہلے بند کے بعض الفاظ وتراکیب کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور وقت کے بہاؤ کا خیال جاری رہتا ہے اور اس میں وقت کو پانی یا سیل قرار دیا گیا ہے۔ پروفیسر این میری شمل کے بقول اس بند میں عشق کو ایک ایسا سیل قرار دیا گیا ہے جو باقی ہر شے کو تھام لیتا ہے۔ عشق مرد خاص یعنی مرد خدا، مومن بندے کی صفت ہے۔ عشق کو یہاں اقبال نے یکے بعد دیگرے مختلف تراکیب اور فقروں سے واضح کیا ہے اور اسے دم جبرائیل، دل مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کا رسول اور خدا کا کلام قرار دیا ہے، اسے فقیر اور امیر کہا ہے۔ عشق کو ابن السبیل لکھا ہے۔ خدا اور بندے کے تعلق کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق ہی میں حق کا ظہور ہوا ہے۔ اس کے بعد اقبال پھر سزا کی بات کرتے ہیں، لیکن اب کے یہ فغاں نہیں ہے مگہ ''نغمہ، نار حیات'' ہے جو ''عشق کے مغرب'' سے پھوٹا ہے۔ اس پورے بند میں تانتا کی روشنی اور آب وتاب نظر آتی ہے جو ''عشق'' کی مرہون منت ہے۔

تیسرے بند میں اقبال کے بنیادی مفہوم کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہاں مسجد کو عشق کی تجسیم کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ خون جگر کی جیتی جاگتی نمود ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ ایسا معجزۂ فن جس کی نمود خون جگر سے ہوئی ہو، چاہیے وہ مسجد کی خشت کی صورت میں ہو یا شاعر کے الفاظ کی صورت میں، موت اور فنا کے بجائے زندگی اور لافانیت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ بقول اقبال انسان کے ذوق وشوق کی قدر وقیمت فرشتوں کے سجدوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ فرشتوں کو سجدہ تو میسر ہے وہ سوز وگداز میسر نہیں جو انسان کو عطا ہوا ہے اور انسانوں میں بھی شاعر ہی ہے اور بالخصوص یہ شاعر، جسے یہ سوز وگداز بخشا گیا ہے۔ یہاں اقبال خود کو کافر ہندی

Marfat.com

کہتے ہیں اور اپنے ذوق وشوق کو جان گرتے ہیں۔ اس ذوق وشوق میں شدت اور تفاخر کا اظہار مطلوب ہے۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو نومسلم (کافر ہندی) قرار دیتے ہیں۔ اس بند کے آخری شعر میں وہ اپنے رگ وپے میں نغمہ، اللہ ہو، یعنی خود کو خدا کے نام کی تجسیم بتاتے ہیں۔

اللہ خالق ہے، وہ صناع ہے اور اس کی یہ صفات اور صفات جلال وجمال مسجد قرطبہ کے معمار میں بھی ہیں اور مسجد قرطبہ میں بھی۔ یہ خیال چوتھے بند کے آغاز میں پیش کیا گیا ہے۔ اقبال مسجد کے حسن وجمال کو اس بند میں آشکار کرتے ہیں اور اسے عشق کے جذبے سے مربوط کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے ماضی پر فخر کیا ہے اور آخری شعر میں اپنے اسلامی عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے وہ کلمہ شہادت کے ابتدائی الفاظ لائے ہیں۔

بالآخر پانچویں بند میں اقبال نے فن کار یا خالق اور خالق حقیقی کے باہمی رشتے کا مسئلہ مزید وضاحت کے ساتھ چھیڑا ہے اور کہا ہے کہ: ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

یہاں وہ بندۂ مومن کا کردار دکھاتے ہیں، اسے خالق حقیقی کی شاہ کار تخلیق اور ''مولا صفات'' بتاتے ہیں۔ یہاں بندے میں اپنے مالک کی صفات نظر آتی ہیں۔

چھٹے اور ساتویں بند میں اقبال تاریخی تناظر کو مزید آگے بڑھاتے ہیں اور مسلمانوں کے ماضی کے ان عظیم لمحات کو یاد کرتے ہیں جن کی اب صرف یاد ہی مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ بقول اقبال مسلمان حکمران ''حامل خلق عظیم'' تھے اور ان اہل دل کی سلطنت فقر پر قائم تھی، جب کہ مغربیوں کی سلطنت ''شاہی'' پر مسلمان حکمرانوں نے باقی، دنیا کی تربیت کی، اس دور کی گونج شاعر کو بھی سنائی دی، کیونکہ اس نے جن اندلسیوں کو اس وقت دیکھا وہ اسے مسلمانوں کے اثر سے گرم اختلاط اور روشن جبیں نظر آئے۔ اسے اندلس کی ہواؤں میں بوئے یمن آئی اور اسے وہاں کے نغموں میں رنگ حجاز نظر آیا، لیکن شاعر جب اس سہانے سپنے سے جاگتا ہے تو اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی عظمت اب قصۂ ماضی ہو چکی ہے۔ اب اسے پرٹسٹنٹوں کی اصلاح دین کی کوششوں اور انقلاب فرانس کا خیال آتا

Marfat.com

ہے اور یہ کہ اب ''عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جاں'' نے اسلام کی صورت میں اپنی نئی جائے قیام پالی ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ اس بحر کی تہہ سے کیا، اچھلے گا جو پوری کائنات کا رنگ بدل دے۔

نظم کے آخری بند میں اقبال ان اجزائے ترکیبی کو یکجا کرتے ہیں جن سے ان کا تصور وقت اور اس کے بہاؤ کا خیال اور موسیقی، رنگ، روشنی اور صناعی کے بارے میں ان کے تصورات عبارت ہیں۔ اس بند کی ابتداء ماضی کی یاد سے معمور اور کسی حد تک خاموش سی ہے۔ یہاں دن یا رات کے بجائے جھٹپٹے کا سماں ہے۔ اب یہاں نظم کی لے تجریدی نہیں مادی ہے، مثلاً وہ یہاں ''دختر دہقاں کے گیت'' کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح اب پانی کوئی کائناتی سیل رواں نہیں بلکہ دریائے وادالکبیر (جس کے قریب ہی مسجد قرطبہ واقع ہے) کا پانی ہے جس کے کنارے شاعر کھڑا ہے لیکن نظم جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے اس کا یہ آہنگ بدلتا جاتا ہے اور شاعر کہتا ہے کہ ایک نئی سحر اس کی نگاہوں کے سامنے بے حجاب ہو رہی ہے اور اس کے اندر ایک ایسا نغمہ خوابیدہ ہے کہ اگر وہ اس سے پردہ اٹھا دے تو فرنگ اس کی تاب نہ لا سکے گا۔ اب یہاں ان الفاظ میں جھٹپٹا نہیں بلکہ تابنا کی ہے اب وہ کہتے ہیں کہ کسی قوم کو خود اپنے عمل کا حساب کرنا چاہیے نہ کہ سلسلۂ روز و شب کو۔ اور کوئی قوم ہی اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کر سکتی ہے جس سے زندگی صحیح معنوں میں زندگی بنتی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے اور یہی وہ خون جگر ہے جس کی نمو کسی تخلیق کام کو، بشمول ایک نظم کے، اکملیت عطا کرتی ہے۔

ایک نظم جس قوت اور تاثیر کی حامل ہو سکتی ہے اقبال کی یہ نظم بیک وقت اس کا اعلان بھی ہے اور عملی اظہار بھی۔ معنی کی ایک سطح پر اقبال قاری کی تربیت کر رہے ہیں اور اسے اس کے ماضی کا احتشام اور اس کے مستقبل کی امکانی عظمت یاد دلا رہے ہیں۔ دوسری سطح پر جو کہیں زیادہ عمیق ہے، وہ اپنے طرز فکر و احساس کو مجسم شکل میں پیش کر رہے ہیں اور اسے ابدیت دے رہے ہیں۔ اپنے اس دوسرے مقصد کے حصول کے لیے وہ صناعی کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں، یعنی ایک ایسی نظم جو حسن تعمیر اور ترتیب و تناسب کی مثال ہے۔ بالکل اس مسجد کی طرح جو اس نظم کا موضوع ہے۔ گویا اس نظم کی ہیئت اور اس میں پیش کئے گئے تمثالی نقوش نہ صرف

Marfat.com

اس کی غنائیت اور مسحور کن صدائے بازگشت کی نئی کیفیت کی تخلیق کے لحاظ سے بلکہ اس نظم کے فطری خلقی مفہوم کی وضاحت کے لیے بھی اہم ہے۔

''مسجد قرطبہ'' ایک نمایاں مقام کی حامل نظم ہے کیونکہ اس میں دو ایسے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے جو بیسویں صدی کے فہمیدہ مسلم اذہان کے لیے اہم رہے ہیں۔ اول مسلمانوں کا شان دار ماضی اور ان کی تاریخ، دوم، خدا اور بندے کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی کوشش۔ یہ دوسرا مسئلہ ایسا ہے جن کی جڑیں مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار بالخصوص صوفی افکار و نظریات میں بہت دور تک جاتی ہیں اور اقبال کے ہاں اس نظریے کی ترکیب و تالیف بہت دلچسپ طور پر ہوئی ہے۔ ان دونوں مسائل کو بنیادی حیثیت دینا جدید اردو ادب کی ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس سے اردو ادب کے رخ یا مزاج کا تعین ہوتا ہے۔ یہاں ''خصوصیت'' سے ہماری مراد اردو ادب کی علمی و اخلاقی خصوصیت ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں مسدس حالی اور ڈپٹی نذیر احمد کے اخلاقی قصوں سے لے کر خود اقبال کے دور میں ترقی پسند تحریک تک اردو ادب نے قوم کو درس و ہدایت دینے کا اپنا مشن بنایا ہے۔ اقبال کی تمام شاعری اگرچہ اس درس و ہدایت کے مقصد کے تابع نہیں ہے لیکن یہ نظم یقیناً اس مقصد کو آگے بڑھاتی ہے۔

جو مفکر مسلمانوں کے طرز عمل اور وردیوں میں تبدیلی چاہتے تھے، ان میں سے کئی ایک نے ماضی پر توجہ مرکوز کی اور عہد رفتہ کی عظمت کو موضوع بنایا جس نے نہ صرف یہ کہ اس مسلمان قوم کو فخر کرنا سکھایا جو اب محکوم ہو چکی ہے تھی، بلکہ اس نے اس منزل کے لیے مثالی نمونے کا بھی کام کیا جس کا وہ خواب دکھا رہے تھے۔ ماضی پر اس طرح زور دینا ایک طرح سے اس کشمکش اور اس سوال کا جواب تھا جس سے اس وقت کے برطانوی دور کے تمام ہندوستانی مفکر اور دانشور دوچار تھے اور یہ کشمکش اور یہ سوال یہ تھا کہ ہم اتنے کمزور، اتنے لاچار کیوں ہیں؟ ہمارے اور ہمارے انگریز حاکموں کے درمیان تفاوت اتنا عظیم کیوں ہے؟

عمومی طور پر اس کا جواب مسلمانوں اور ہندوؤں، دونوں کے لیے یہی تھا کہ اس کے ذمے دار ہم خود ہیں کیونکہ ہم ایک مناسب طرز عمل، نظم و ضبط اور مناسب فکر کی پابندی نہ کر سکے اور ہماری کوتاہیوں کے سبب ہی یہ محکومی ہمارا مقصد بنی ہے اور ہم اس کے مستحق تھے، لیکن اس نتیجے پر پہنچنا بہت تکلیف دہ تھا، تاہم یہ نتیجہ اس صورت حال سے نکلنے کا راستہ بھی دیتا تھا اور اس میں وجہ تسلی یہ تھی کہ یہ محض انسانی غلطی تھی کہ ہم زوال کی اس حد تک جا پہنچے، اور یہ ہماری

Marfat.com

تہذیب وثقافت کی پیدائشی وفطری خامی نہ تھی نیز یہ کہ مذہبی متون اور ماضی کے صحیح طرز عمل کے احیاء سے اس خطے کے باشندے دوبارہ عظمت کو چھو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں میں 1830 کے مجاہدین اور اہل حدیث کے ابتدائی علماء اور ہندوؤں میں رام موہن رائے اور بنگال میں شروع کے دور کے مصلحین سبھی نے مذہبی متون کے احیاء پر زور دیا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ اگر اس نئے مواد کو جس کو بعد میں اخذ کرلیا گیا ہے الگ کر دیا جائے تو ایسی منور و مجلی حقیقت سامنے آئے گی جو افراد اور معاشرے دونوں کو صحیح راہ پر ڈال دے گی۔ انیسویں صدی میں مزید آگے چل کر بعض دیگر مصلحین نے ماضی کے ان شاندار ادوار پر زور دیا جب ان کی قوم کسی کی محکوم نہ تھی اور ان کے علوم ترقی کر رہے تھے۔ ہندوؤں میں آریہ سماجیوں نے ویدوں کے دور پر اپنی توجہ مرکوز کر کے اور مسلمانوں میں حالی، امیر علی اور شبلی کی تحریروں نے اس نقطۂ نظر کو پیش کیا۔ اپنے ماضی پر فخر کرنا دونوں قوموں کے لیے اس وقت اپنی شناخت کی خاطر انتہائی اہم بن گیا تھا۔

مسجد قرطبہ کی صورت میں اقبال کو ایک ایسی علامت میسر آ گئی جو مسلمانوں کے عظیم ماضی کی یاد موثر ترین انداز میں تازہ کرتی تھی۔ مسجد قرطبہ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے عظیم ماضی کی ابتدائی سلطنتوں کی عکاس ہے بلکہ یہ اس دور کی یاددھانی کراتی ہے، جب مسلمان سرزمین یورپ پر حاکم تھے اور یورپی اقوام سے تہذیب وفن، علم واخلاق میں کہیں آگے تھے۔ اقبال نے ماضی سے اس بندھن کا دعویٰ مذہب کی بنیاد پر کیا۔ درحقیقت اس نظم میں انہوں نے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی اس موہوم بے چینی کو صراحت سے پیش کیا ہے جس کے تحت مسلمان اسلام کے ماضی سے منسلک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے وہ اپنے مذہب یعنی اسلام کے مرکزی مقامات سے جغرافیائی فاصلے پر تھے اور ان کا ملک دارالحراب بن چکا تھا۔ اقبال نے اصرار کیا کہ ان کے دلی جذبات اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ (برعظیم پاک وہند کے) مسلمانوں کا ذہنی رابطہ اسلام کے عظیم ماضی سے قائم ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسرے انہیں ان کے عقیدے میں کسی آمیزش کے شائبے پر مطعون کریں انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو ''کافر'' قرار دے دیا لیکن ساتھ ہی یہ اصرار بھی کیا کہ ان کا ذوق وشوق انہیں اسلامی عقیدے کے اصل دھارے سے قطعی اور یقینی طور پر جوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

ماضی اور مسجد قرطبہ کو خیالات واحساسات کا مرکز بنا کر اقبال نے اس نظم کے اس ثانوی مرکزی خیال کو بھی پیش کیا ہے جسے میں سطور بالا میں اللہ اور مخلوق کے باہمی رشتے کا نام دے چکا ہوں۔ یہ مسجد اقبال کی نظر میں صناعی، تخیل واختراع ہے یہ انسان کی صلاحیتوں کے نقطہ معراج کا ٹھوس، قابل ادراک اظہار ہے۔ انہوں نے مسجد کے تعمیری حسن کی مدح سرائی کی ہے، اس جنگجو کو بھی سراہا ہے جس کی وجہ سے اس مسجد کی تعمیر ممکن ہوئی اور ساتھ ہی خود کو یعنی شاعر اقبال کو بھی سراہا ہے جس نے اس نظم کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ایسی مسجد تعمیر کر دی ہے جو سلسلۂ روز وشب کی دست برد سے ماورا رہے گی۔ اس طرح اقبال نے اس نظم میں اپنی دیگر نظموں کی طرح انسان کی قوتوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یہ نظم انسان کی غیر معمولی قوتوں اور صلاحیتوں کا ولولہ انگیز بیان ہے اور بلاشبہ یہی اس نظم کی مقبولیت کا بڑا سبب ہے۔

اس نظم کا موضوع یعنی مسجد اور اسلام کے ماضی کی عظمتیں، جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ خاص طور پر پاکستانیوں کے لیے اس کی کشش بالکل واضح ہے کیوں کہ وہ ہمیشہ اپنی مشترک بنیاد کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن اس نظم میں موضوع کو کچھ اس انداز سے برتا گیا ہے کہ اس موضوع سے کہیں آگے بڑھ کر یہ کئی آفاقی موضوعات پر محیط ہو گیا ہے اس آفاقی سطح پر اقبال نے صوفیانہ اصطلاحات، جیسے عشق اور شوق جیسے عمیق تصورات کو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کی شکل میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک جمالیاتی نظریے کو تصوف کے سیاق وسباق سے آمیخت کر دیا ہے چنانچہ ایک دن جب انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی تاریخی رومانویت از کار رفتہ نظر آنے لگے گی تب بھی اس نظم کی زیریں سطح پر موجود مفہوم کی لہریں باقی رہیں گی اور یہ نظم جیسا کہ اقبال چاہتے بھی تھے، ایک مسجد کی طرح قائم رہے گی ایک معجزہ فن کی طرح جو سلسلہ روز وشب کو بھی مات دے دے۔

Marfat.com

سعودی عرب کا سلامتی کونسل کی رکنیت لینے سے انکار ایک زبردست فیصلہ

گزشتہ روز سعودی عرب نے اقوام متحدہ کے موثر ترین ادارے سلامتی کونسل کی نشست کو ٹھکرا دیا۔ اس جرأت مندانہ فیصلے کا اعلان سعودی وزارت خارجہ کی طرف سے سعودی سرکاری خبر رساں ادارے ''سعودی پریس ایجنسی (SPA) نے کیا۔ اس سے ایک ہی روز قبل سلامتی کونسل کے پانچ غیر مستقل ارکان کے لیے جنرل اسمبلی میں انتخابات ہوئے جن میں سعودی عرب کو پہلی مرتبہ اس ادارے کا رکن چنا گیا۔ سلامتی کونسل کے کل پندرہ ارکان ہوتے ہیں۔ ان میں سے پانچ مستقل طور پر اس دنیا کی گردن پر مسلط ہیں اور ان کا تسلط سیکولر جمہوریت میں فسطائیت کی بدترین مثال ہے۔ باقی دس ارکان جو دو دو سالوں کے لیے منتخب ہوتے ہیں ان کا دورانیہ پورا ہونے پر انہیں برخواست کر دیا جاتا ہے اور ان کی جگہ نئے ارکان ممالک کا چناؤ کیا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل کے مستقل ارکان، امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور چین ہیں جبکہ اس بار جن ممالک کی مدت ختم ہوئی ہے ان میں آزربائیجان، گوئٹے مالا، مورا کو، ٹوگو اور وطن عزیز پاکستان شامل ہیں جبکہ گذشتہ مذکورہ ممالک اپنی نشستیں خالی کر دیں گے۔ اس تبدیلی کی حیثیت محض سرخی پوڈر کی تبدیلی کی سی ہے درحقیقت اس ادارے کے کل فیصلے انہیں ممالک کی آشیرباد کے متمنی ہوتے ہیں جو یہاں مستقل طور پر مسلط ہیں۔

سعودی عرب پہلی مرتبہ اس ادارے کا رکن منتخب ہوا ہے، اگرچہ یہ ایک طرح کا اعزاز اور مملکت کی خارجہ پالیسی کا روشن پہلو سمجھا جاتا ہے کہ عالمی بین الاقوامی ادارے کی اعلیٰ ترین اختیاراتی کونسل کی رکنیت حاصل ہو چکی لیکن سعودی حکمرانوں نے اقوام متحدہ کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہمت آفریں قدم اٹھایا ہے کہ اقوام متحدہ کے اجتماعی رویے کے خلاف اس نشست

Marfat.com

کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ سعودی وزارت خارجہ کے بیان میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ جیسا بین الاقوامی ادارہ اپنے دوہرے معیار کے باعث دنیا میں امن قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ بیان میں سعودی ارباب اقتدار کی طرف سے ''شام'' کے معاملے میں سلامتی کونسل کے مکروہ رویے کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جو ماضی قریب میں اس ادارے نے پیش کیا ہے۔ سعودی وزارت خارجہ کی طرف سے بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک اقوام متحدہ کے اس ادارے میں عالمی امن کے قیام کی خاطر مناسب اصلاحات نہیں کی جاتیں، اس وقت تک سعودی عرب اپنی اس نشست سے دست بردار رہے گا۔ بیان میں اقوام متحدہ کی ناکامیوں کا ذکر کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کے حل میں ناکامی اور مشرق وسطیٰ کو ہتھیاروں سے پاک کرنے میں ناکامی اور خاص طور پر ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنے میں ناکامی کو بھی دہرایا گیا ہے۔ سعودی عرب نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ اقوام متحدہ نے شامی حکومت کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ عوام کو کیمیائی ہتھیاروں سے قتل کرتی رہے اور اس پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی۔ کم وبیش اسی طرح کے خیالات کا اظہار سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے جنرل اسمبلی سے خطاب کے دوران بھی کیا تھا۔ مزید کہا گیا ہے کہ سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر کشمیری مظلوم مسلمانوں کے ممالک اور پوری دنیا میں کئی ایک ممالک میں مسلم اقلیتوں پر ظلم وتشدد ظالم قوموں اور حکومتوں کی طرف سے کئے جا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ ان پر کوئی موثر مضبوط اقدام نہیں اٹھا رہی بلکہ ظالموں کی مدد کر رہی ہے۔ غیر مسلموں کی امداد کے لیے فوری قراردادیں منظور کر کے راتوں رات انڈونیشیا، سوڈان اور دیگر اسلامی ممالک کے خلاف عمل پیرا ہے مسلمان ممالک کو تقسیم در تقسیم کیا جا رہا ہے۔

اقوام متحدہ سے پہلے بھی اسی نوعیت کے دو ادارے ناکام ہو کر تاریخ کے صفحات میں دفن ہو چکے ہیں 1889ء میں ''بین الپارلیمانی یونین' (Inter-Parlimentary Union) بنی،، اس میں چوبیس ممالک رکن بنے جو ہر سال ایک کانفرنس میں مل بیٹھتے اور باہمی معاملات گفت وشنید سے حل کر لیتے۔ یونین کی کاروائی ایک صدر کے تحت چلتی تھی۔

Marfat.com

خانہ کعبہ میں دنیا کا منفرد وھیل چیئر ٹریک

معذور عازمین حج کی وھیل چیئر کے حوالے سے آنکھوں دیکھے مسائل اوران کے حل پر مبنی رپورٹ

گزشتہ کئی سالوں سے سعودی حکومت نے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں توسیع کے جو مختلف شاندار میگا پراجیکٹس مکمل کئے ہیں۔ ان میں مسجد حرام میں معذور، کم زور اور بوڑھے افراد کے لیے لوہے کا جو عارضی ویل چیئر گول ٹریک بنوایا گیا ہے۔ اس نے معذور افراد کے علاوہ بچوں کے لیے بھی عمدہ سہولت مہیا کر دی ہے۔ جب ننھے منے بچے اپنے اپنے واکرز میں بیٹھ کر طواف کر رہے ہوتے ہیں تو دیکھنے والوں کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکل جاتا ہے۔
خادم حرمین الاشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے اس ٹریک کو بنوانے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اس ٹریک کو بن لادن کمپنی نے دبئی کی ایک تعمیراتی فرم کے تعاون سے تیار کیا ہے۔ یہ دنیا بھر میں حجم اور سائز کے منفرد اور سب سے بڑا وھیل چیئر ٹریک ہے۔ ذرائع کے مطابق لوہے کا یہ عارضی ٹریک سال 2015 میں کنکریٹ کے ڈھانچے میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے گا اور اس دوران سعودی حکومت عمرہ زائرین کو 30 دن کی بجائے صرف 15 دن کا ویزہ دینے کی پالیسی پر عمل پیرا رہے گی۔ اس پالیسی کی وجہ سے صرف 25 فیصد زائرین ہی عمرہ کے لیے حرم شریف میں داخل ہو سکیں گے۔

حال ہی میں دونوں مقدس مساجد کی انتظامیہ نے وھیل چیئر سروس کو مزید فعال بنانے کے

Marfat.com

لیے وھیل چیئر کی تعداد اور ویل چیئر چلانے والے پیشہ ور افراد کی تعداد میں اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ وھیل چیئر ٹریک کی حالیہ افادیت اور مستقبل میں مزید افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن وھیل چیئر کی وجہ سے پیدا ہونے والے درجنوں مسائل کی طرف توجہ دینے کی بھی اشد ضرورت ہے اس میں شک نہیں یہ ٹریک تیار ہونے سے معذور افراد کی تکالیف میں نمایاں کمی ہوئی ہے لیکن وھیل چیئر چلانے والے اور وھیل چیئر کے آگے پیدل چلنے والے زائرین کی تکالیف میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ وھیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے توازن خراب ہونے سے جہاں معذور افراد کو وھیل چیئر پر سے گرنے سے چوٹیں لگتی ہیں تو وہیں اردگرد پیدل چلنے والوں کی ٹانگیں، ٹخنے اور گھٹنے بھی زخمی ہو جاتے ہیں۔ پاؤں پر زخم آنا معمول بن چکا ہے۔ ان تکالیف کی سب سے بڑی اور اصل وجہ حرمین شریفین میں استعمال کی جانے والی وہ وھیل چیئرز ہیں، جو میڈیکل ضرورت کو مدنظر رکھ کر ڈائزین کی ہیں۔ یہ چیئرز رش اور بھیڑ میں چلانے کے لیے ہوتی ہی نہیں، جس کی وجہ سے یہ وھیل چیئرز مسائل پیدا کرتی ہیں۔

خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں جو ہزاروں وھیل چیئرز ہر وقت رواں دواں نظر آتی ہیں یہ سب کی سب وہی ہیں جو ہسپتالوں یا گھروں میں مریضوں کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ ان کے پچھلے پہیے ٹریکٹر کی طرح بڑے اور اگلے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تکنیکی طور پر یہ وھیل چیئرز رش اور بھیڑ میں چلانے کے لیے ڈائزائن ہی نہیں ہوئیں لیکن گزشتہ کئی سالوں سے یہ وھیل چیئرز حرمین شریف میں بدستور استعمال ہوتی چلی آرہی ہیں۔ ان وھیل چیئر کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں بیٹھنے والوں کے لیے پاؤں رکھنے کے جو "فٹ پیڈ" بنائے جاتے ہیں وہ بھیڑ اور رش میں وھیل چیئر سے آگے چلنے والے کی ٹانگوں اور ٹخنوں کو زخمی کر دیتے ہیں۔ اس وھیل چیئر کی تیسری خامی یہ ہے کہ اس کے پچھلے بڑے بڑے سائیکل نما پہیوں میں اردگرد سے گزرنے والوں کے لٹکتے ہوئے احرام اور خواتین کے عبا کے پلو پھنس جاتے ہیں جس سے یہ وھیل کیئر آنا فانا الٹ جاتی ہے۔ اس کی چوتھی خامی یہ ہے کہ اس ڈائزئن کی وھیل چیئر میں بریک سسٹم ہے ہی نہیں، اس لیے اس کو

Marfat.com

دھکیلنے والے کے لیے چڑھائی اور اترائی کی راہ عذاب بن جاتی ہے۔ اگر وھیل چیئر چلانے والا اچھی ہمت کا مالک نہیں تو وہ حادثے کا شکار ضرور ہوگا۔ خاص طور پر اس صورت حال میں وھیل چیئر دھکیلنے والی خواتین کے بس کا تو یہ روگ نہیں، اس وھیل چیئر کی پانچویں خامی یہ بھی ہے کہ اگر یہ خراب ہو جائے تو یہ اتنی وزنی ہوتی ہے کہ اس کو اٹھا کر بھیڑ میں سے نکلنے کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتی ہے۔

نئے وھیل چیئر ٹریک پر اگر ایک وقت میں ایک ہزار وھیل چیئر موجود ہوں تو ان میں سے بہ مشکل 10 وھیل چیئرز ہی آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو بھیڑ اور رش میں چلانے کے لیے ڈائزین کی ہوتی ہیں اور وہ وزن میں نہایت ہلکی پھلکی اور انتہائی مضبوط بھی ہوتی ہیں۔ ان میں بریک کی سہولت چیئر چلانے والے کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ معذور افراد کی ضروری اشیاء رکھنے اور لٹکانے کے لیے الگ سے بندوبست ہوتا ہے۔ ان وھیل چیئرز کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چاروں پہیوں کا سائز قریباً چھ انچ چوڑا اور چاروں پہیے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یاد رہے ان چیئرز کی ہیئت بچوں کے واکر کو سامنے رکھ کے ڈیزائن کی جاتی ہے۔ بلکہ اب تو بڑی موٹر ساز کمپنیوں کے علاوہ دیگر ہائی ٹیک کمپنیوں نے بھی وھیل چیئر بنانا شروع کر دی ہیں۔

دنیا بھر میں حج اور عمرہ کے علاوہ مختلف مذاہب کے جو بڑے بڑے مذہبی اور غیر مذہبی اجتماعات ہوتے ہیں اب ان میں معذور افراد کی شرکت ''میڈیکل وھیل چیئر'' کی بجائے واکر نما وھیل چیئرز یا جدید الیکٹرک وھیل چیئرز سے ہی ممکن بنائی جاتی ہے۔ حرمین شریف انتظامیہ نے سرکاری سطح پر ہر وقت 6 ہزار اور نجی سطح پر 6 سو کے قریب وھیل چیئرز کا بندوبست کیا ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ اللہ کے 50 نیک بندے بھی غریب معذور افراد کی وھیل چیئرز مفت چلانے کے لیے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ان رضا کار افراد کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ مسجد حرام کے پہلے فلور پر واقع الصفاء آفس کے مطابق ''ہم نے 100 کے قریب الیکٹرک وھیل چیئرز کرایے پر فراہم کرنے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ

Marfat.com

500 مزید الیکٹرک وھیل چیئرز گراونڈ فلور سے فراہم کرنے کی تیاریاں بھی مکمل کی جا رہی ہیں۔ رمضان شریف میں رش ہونے کی وجہ سے الیکٹرک وھیل چیئرز کے کرایوں میں اضافے کے باوجود ان کی خاطر خواہ طلب قائم رہی جس کو دیکھتے ہوئے ان کی تعداد بڑھانے پر غور کیا جا رہا ہے۔ حرمین شریف میں کرایے کی وھیل چیئر کے کام کی نگرانی کے لیے 100 اہل کار متعین ہوتے ہیں جو وھیل چیئر چلانے والوں سے متعلق شکایات کو نمٹانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور ان کی معاونت پولیس کرتی ہے۔

مکہ حرم شریف میں داخل ہونے کے لیے 13 بڑے دروازے (باب) ہیں اور ان میں سینکڑوں چھوٹے ذیلی دروازے اس کے علاوہ ہیں جن پر نمبر لگا دیے گئے ہیں۔ آج کل وھیل چیئر ٹریک تک بذریعہ لفٹ داخل ہونے کے لیے ذیلی گیٹ نمبر 15 استعمال ہوتا ہے۔ جب رش کی صورت میں مکہ ٹاور کے قریب سے بنائے گئے ایک طویل راستے کے ذریعے وھیل چیئرز کو اوپر لے جانا پڑتا ہے۔ جس میں بعض اوقات ایک سے دو گھنٹے بھی لگ جاتے ہیں۔ سعودی وزارت حج وعمرہ کے مطابق ایک ماہ میں قریباً سات لاکھ پچاس ہزار عمرہ زائرین سعودی عرب آتے ہیں۔ جن میں سے دو سے اڑھائی لاکھ زائرین وھیل چیئرز پر عمرہ کرتے ہیں۔ جب کہ اتنی ہی تعداد میں غیرہ ممالک سے آنے والے معذور زائرین صرف معلومات نہ ہونے کی وجہ سے شدید مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔

جدہ ائیر پورٹ پر معذور افراد کو بذریعہ وھیل چیئر جہاز سے اتارنے اور ائیر پورٹ سے باہر تک چھوڑنے کی مفت سہولت موجود ہے لیکن زائرین چونکہ اس سہولت کے حصول کے لیے اپنے ٹریول ایجنٹ کو مطلع ہی نہیں کرتے جس کی وجہ سے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اگر وہ آگاہ کرتے بھی ہیں تو دوسری جانب ٹریول ایجنٹ غفلت اور سستی کا مظاہرہ کر جاتے ہیں۔

جدہ ائیر پورٹ سے مکہ یا مدینہ شریف تک لے جانے والی بسوں میں عمومی طور پر وھیل چیئرز رکھنے کا انتظام نہیں ہوتا، اس لیے معذور افراد کو یہ سفر اکثر مہنگی ٹیکسی کار میں کرنا پڑتا ہے۔ سعودی حکومت کو بس سروس والوں کو اس ضمن میں پابند کرنا چاہیے۔

Marfat.com

حرمین شریف کے ہوٹلوں میں وھیل چیئرز کی فراہمی کا انتظام تو ہوتا ہے مگر یہ اسی وقت ہوتا ہے جب آپ کا ٹریول ایجنٹ قبل از وقت ہوٹل انتظامیہ کو وھیل چیئرز کی فراہمی سے آگاہ کرتا ہے۔

عمرہ اور حج کی سعادت پر جانے کے لیے جہاں دوسری سہولیات اور امور پر بے بہا پیسے خرچ ہوتے ہیں وہاں اگر ہمت کر کے آپ اپنی ذاتی واکر نما وھیل چیئر، پاکستان سے ہی خرید کر اپنے ساتھ لے جائیں تو اس کی افادیت کا اندازہ آپ کو وہاں جا کر ہوگا کہ آپ کتنی بڑی مصیبت اور مشقت سے بچ چکے ہیں۔ مریضوں کے لیے بنائی گئی واکر نما وھیل چیئر اور میڈیکل مقاصد کے لیے تیار کی جانے والی وھیل چیئر کی قیمتوں میں بمشکل چار سے پانچ ہزار روپے کا فرق ہوتا ہے لیکن سہولت کا یہ فرق وہاں جا کر آپ کو لاکھوں کے برابر معلوم ہوگا یہ فرق یہاں نہیں ہوسکتا۔ واکر نما چیئرز اور مریضوں والی چیئرز کی ساخت آپ انٹرنیٹ پر دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوٹیوب پر تو دونوں طرح کی وھیل چیئرز کو چلانے اور ان کے پرزوں کو کھولنے اور جوڑنے سے متعلق معلومات ویڈیو کلب بھی موجود ہیں۔

یہ سچ ہے کہ حرمین شریف میں سہولیات کی فراہمی کے لیے ہر کوشش کی جاتی ہے مگر اس امر کی کمی ہے کہ اگر آپ کی وھیل چیئر ٹوٹ گئی یا خراب ہوگئی تو اس کی فوری مرمت کے لیے آپ کو قریب میں کوئی ورکشاپ یا اس نوعیت کی سہولت بھی میسر ہو جائے۔ اس صورت میں یا تو آپ وھیل چیئر خریدیں گے یا پھر کرایہ پر لی جانے والی خراب وھیل چیئر کے "ڈیمج چارجز" ادا کرنے کے بعد آپ دوبارہ نئی چیئر کرایے پر لیں گے۔ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کا انتخاب، آپ کا خاصا وقت اور پیسہ ضائع کرسکتا ہے۔ اگر سعودی حکومت نجی سطح پر وھیل چیئرز کے سپیئر پارٹس اور ان کی خرابی کو دور کرنے کے لیے حج سے پہلے کوئی مناسب ورکشاپ نما سہولت فراہم کردے تو نئے وھیل چیئر ٹریک کی افادیت دوگنا سے چار گنا ہو جائے گی۔

Marfat.com

سیکولر سوچ کا حامل یہ ادارہ دنیا تو دور کی بات ہے خود اپنی جنم بھومی، یورپ، میں ہی امن قائم نہ رکھ سکا اور 1914ء میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے ساتھ ہی اس ادارے کو ابدی نیند سلا دیا گیا۔ جنگ عظیم اول کے فوراً بعد یورپ کے کونوں کھدروں سے امن کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں اور نبی آخرالزماں ﷺ نے صدیوں پہلے درس دیا تھا وہ ان سیکولرازم کے پیروکاروں کو بیسویں صدی کے آغاز میں یاد آنا شروع ہوا جب کہ اسی سیکولرازم کے ہاتھوں دنیا تباہی کی تصویر بن چکی تھی، بہرحال ''ورسائی'' کے معاہدہ امن کی بنیاد پر یکم جنوری 1920 کو ''لیگ آف نیشنز'' کو وجود بخشا گیا۔ ابتداء اس تنظیم میں 28 اتحادی اور 14 غیر جانبدار ممالک شامل ہوئے، بعد میں یہ تعداد 60 تک بھی پہنچی۔ 1935ء میں جاپان اور جرمنی نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی جبکہ 1937 میں اٹلی بھی الگ ہو گیا۔ یہ ادارہ کم وبیش وہی مقاصد رکھتا تھا جو آج اقوام متحدہ کے مقاصد ہیں یعنی امن عالم کا قیام، جنیوا اس کا صدر مقام تھا اور پوری دنیا میں امن کے خواہاں اس ادارے میں دو زبانیں بطور دفتری بانوں کے استعمال ہوتی تھیں۔ انگریزی اور فرانسیسی۔ اس ادارے کے محسنین کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ پوری دنیا کی ٹھیکیداری اٹھانی ہے تو یورپ کے علاوہ باقی دنیاؤں سے بھی کوئی ایک آدھا زبان لے لیتے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کچھ بھی ہو سفید چمڑی والے اپنے تعصب کو خیرباد نہیں کہہ سکتے۔ ''لیگ آف نیشنز'' اپنے آغاز میں تو کسی حد تک موثر رہی لیکن جب بڑی طاقتوں کے مفادات پر ضرب لگنے والی ہوتی تو سب ضابطے، قاعدے، اصول، قوانین حتیٰ کہ اخلاقیات تک دھرے کے دھرے رہ جاتے اور خاص طور پر چھوٹی اقوام کے معاملے میں لیگ محض تماشائی ہی بنی رہتی۔ 11 دسمبر 1939 کو لیگ نے اپنی آخری کاروائی میں روس کی رکنیت معطل کر دی اور اسے لیگ سے نکال دیا گیا لیکن اس وقت تک یورپ کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی بہت بڑے ہو چکے تھے اور دوسری جنگ عظیم کا بگل بج گیا اور یوں یہ ادارہ بھی اپنا منہ چھپاتے ہوئے شرمندہ انسانیت پوری جنگ عظیم دوئم کے دوران پردہ پوش رہا۔ سیکولرازم کے اس دوسرے ادارے کا کفن دفن 18 اپریل 1946ء کو ہوا جس کے آخری

Marfat.com

اجلاس کے بعد ''لیگ آف نیشنز'' اس دارفانی سے کوچ کر گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب دنیا کے ڈھیر سے بارود کی بو اور سیکولرازم کا دھواں اٹھ رہا تھا تو ''اقوام متحدہ'' کے عنوان سے تیسری دفعہ امن عالم کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ٹھیکیداران انسانیت اکٹھے ہوئے۔

24 اکتوبر 1945 جو اس ادارے کی تاسیس ہوئی۔ سیکولرازم کے نمائندہ اس ادارے کے قیام کا مقصد بھی دنیا میں امن اور انسانی حقوق کی پاسداری تھا، چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے اس ادارے کے آغاز سے ہی مشرق بعید میں ''مسئلہ کشمیر'' اور مشرق وسطی میں ''اسرائیل'' کی بنیاد رکھ دی گئی تا کہ دنیا بھر میں ''امن'' قائم ہو سکے۔ یورپ کے مسلمان اکثریتی علاقوں پر چونکہ روس کا قبضہ تھا اس لیے وہاں فوری طور پر اس طرح کے اقدام کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تاہم 1991 میں جب بوسنیا آزاد ہوا اور وہاں کی اکثریت نے اپنے اسلامی تشخص کو دنیا سے منوانا چاہا تو وہاں بھی اقوام متحدہ نے ''امن'' قائم کر دیا اور بوسنیا کی آبادی میں قتل عام سے لاکھوں انسانوں کو سینکڑوں اجتماعی قبروں میں اقوام متحدہ نے ''انسانی حقوق'' بھی فراہم کر دیے۔ کشمیر میں لاکھوں مسلمانوں تہہ تیغ ہو گئے لیکن آج تک وہاں بھی ''امن'' قائم ہے جبکہ مشرقی تیمور میں دو عیسائیوں کے قتل کے باعث اسے انڈونیشیا سے کاٹ کر الگ ملک بنا دیا اور راتوں رات اسے اقوام متحدہ کی رکنیت بھی دے دی اور یہی ''حسن سلوک'' سوڈان کی اسلامی ریاست کے ساتھ بھی کیا گیا۔ افغانستان، شیشان، برما، اریٹیریا، مصر اور شام میں بھی اقوام متحدہ بڑی خوش اسلوبی سے ''امن'' قائم کر رہی ہے اور ہر سال کے بعد سالانہ رپورٹ جب پیش ہوتی ہے اقوام متحدہ کے ارباب حل وعقد اس رپورٹ پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ان حالات میں سعودی عرب کی قیادت لائق تحسین اور باقی ممالک کے لیے قابل تقلید ہے کہ انسانیت کے استحصال کرنے والے ادارے کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا ہے۔ پس اب وہ دن قریب آ گیا ہے کہ دنیا کے دریاؤں میں پانی کی جگہ خون بہانے والا یہ ادارہ بھی اپنے پیش رو دونوں اداروں کی مانند ماضی کے کھنڈرات میں بدل جائے گا لیکن اس کے بعد انسانیت کی باگ ڈور امت مسلمہ کے ہاتھ

Marfat.com

میں ہوگی اور دنیا کی قیادت سے سیکولرازم کو دیس نکالا کر دیا جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے وارثین اس دنیا کی امامت پر فائز ہوں گے اور خطبہ حجتہ الوداع منشور انسانیت ہوگا، انشاء اللہ۔

نیو ورلڈ آرڈر کے جاری کرنے والے امریکہ بشمول اسرائیل اور بھارت تکون نے اسلام دشمنی کی بنیاد دنیا عالم میں اپنے مخالفین کو کچلنے کا جو پروگرام ترتیب دیا ہے اس کی روشنی میں اسلامی ممالک وبلخصوص سعودی عرب کے اہم دینی مدرسوں میں جہاد فی سبیل اللہ اور قتال جہاد فی سبیل اللہ دشمنان اسلام کے خلاف قرآن مجید میں حکم واحکام اور احادیث میں سے ایسی آیات کو ختم کرنے کا اسلام دشمنی کی سازش تیار کر رکھی ہے۔ اسی حکم کی روشنی میں پاکستان اور سعودی عرب کو بھی ٹارگٹ بنایا گیا جس کی مثال لال مسجد میں جو ظلم وزیادتی خواتین اور چھوٹے طالب علموں کو بموں اور گولیوں سے شہید کیا گیا اور اسی طرح وطن عزیز کے کئی ایک مقامات، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان ودیگر مقامات پر بھی ظلم وتشدد اور زیادتی بذریعہ ڈرون حملے ودہشت گردی کے تباہی وبربادی کی انتہا کر دی جبکہ سعودی عرب میں بھی عالم اسلام کی عظیم اور مثالی یونیورسٹی کو بھی اس کے مضامین اور نصاب میں امریکی سامراج کے سعودی حکومت سے سپیشل رابطہ کر کے کہا کہ یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا دہشتگرد تیار کرنے کا مرکز ہے اس کے نصاب اور منشور ودستور میں ہماری منشاء کے مطابق ترامیم کرو، لیکن سعودی حکومت کا کمال ہے کہ اس نے اسلامی اور ایمانی جرأت سے اس حکم نامے کو جوتی کی نوک پر ٹھکرا دیا اور کہا کہ آپ کون ہوتے ہیں کہ ہماری دینی وملکی قوانین میں ترمیم کرنے والے، سعودی گورنمنٹ کے اس ایمان افروز اقدام سے امریکی سامراج کا منصوبہ ناکام ہوگیا اور سعودی گورنمنٹ اپنی دینی مراکز ومدارس اور حرمین الشرافین قرآن وسنت کی للکار، پکار اور پیغامات پوری ہمت اور ایمانی جرأت سے جاری وساری رکھے ہوئے ہے۔ ہم اسلامیان پاکستان اور عالم اسلام سعودی گورنمنٹ کی اس جرأت کو سلام کرتی ہے اور امریکی سامراج کی مذمت کرتی ہے۔

Marfat.com

تاثرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غیر مسلم کتب وسکالرز کے تاثرات

زیرنظر کتاب کا مطالعہ کرنے کا موقع میاں عبدالکریم صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ کی وساطت سے ملا پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف مصنف نے کمال عرق ریزی کمال محنت وتحقیق سے مذکورہ کتاب تحریر کی۔ دوران مطالعہ یہ بھی انکشاف ہوا کہ سیرت نبوی ﷺ کے جملہ پہلوؤں کو نہایت خوبصورتی سے آسان پیرائے میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عام فہم کا قاری نہ صرف مکمل آگاہی حاصل کرسکے بلکہ اپنی زندگی کو بھی اسوہ حسنہ کے عین مطابق ڈھال سکے اور معاشرے میں اپنے معاملات سرور دوعالم حضرت محمد رسول اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں نپٹا سکے۔ علاوہ ازیں کتاب میں دیگر عالمی مذاہب کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ جس خوش اسلوبی سے لیا گیا ہے وہ یقیناً الحاج میاں عبدالکریم کی دینی امور میں خاطر خواہ دلچسپی اور قرآن وسنت کی حکمرانی کو دل وجان سے بھی زیادہ عزیز سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ایشیا اور مغربی دنیا کے غیر مسلم ممتاز محققین وسکالرز کی تحریر کردہ مذہبی کتب کے عمیق مطالعہ وریسرچ کے بعد پیارے نبی اکرم ﷺ کی عظیم شخصیت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں ان کی رائے کو خوبصورت انداز میں نمایاں طور پر کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

اسلامی انقلاب کے حصول کے لیے بلاشبہ یہ کتاب مسلم سوسائٹی کے لیے بالعموم اور اسلامک اسٹیڈیز کے طلباء طالبات کے لیے بالخصوص ایک روشن مینارہ ثابت ہوگی۔ علاوہ

Marfat.com

ازیں قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت وترویج کے لیے الحاج میاں عبدالکریم اور ان کے خاندان کے گرانقدر خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ کے صدر میاں عبدالکریم کی نگرانی میں سینکڑوں اسلامی کتب مرتب کر کے عوام الناس میں فری تقسیم کی جارہی ہیں جس سے عوام میں اسلامی کتب بینی کا شوق بڑھ رہا ہے اور دین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ بین المذہب میں ہم آہنگی، یکجہتی، بھائی چارہ، پیار ومحبت، ایثار وقربانی اور قوت برداشت جیسے جذبوں کو فروغ بھی مل رہا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ الحاج میاں عبدالکریم کے زور قلم میں مزید اضافہ کرے اور وہ خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر معاشرے کی اصلاح وفلاح وبہبود کے لیے اپنی بے لوث خدمات استقامت کے ساتھ بدستور سرانجام دیتے رہیں۔

دعا گو

محمد سلیم چوہدری

ڈپٹی ڈائریکٹر (ر) سوشل ویلفیئر

گورنمنٹ آف پنجاب، فیصل آباد

فون نمبر 0300-3523050

Marfat.com

تاثرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محترم ومکرم جناب الحاج میاں عبدالکریم مدظلہ تعالیٰ کی یہ کاوش وسعی کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے جو اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر کے سیرت النبی ﷺ کے پاکیزہ عنوان پر ایک کتاب شائع کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی دین کے ساتھ وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

میں نے اس مسودہ کو لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ واقعتہً جب یہ کتاب شائع ہوگی لوگ اس سے استفادہ حاصل کریں گے۔ پڑھنے والے کے لیے اور جس نے اس کا اہتمام کیا ہے دونوں کے لیے عمل کر کے ثواب دارین بھی حاصل ہوگا اور جنت میں جانے کا سبب بھی بنے گی۔

دعا گو

قاری عبدالروف ساجد، ایم اے عربی

فاضل وفاق المدارس سلفیہ پاکستان

مدرس جامع مسجد الکوثر اہلحدیث افغان آباد

Marfat.com

موبائل فون کی گھنٹی اور مساجد

سائنس کی ترقی ایٹمی دور سے آگے بڑھتے ہوئے زمانہ جدید کی ایجادات میں انسان کے لیے بہت سہولت، راحت اور فائدہ، مسلمہ حیات ہے۔ قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق زمینوں، آسمانوں کی اشیاء انسانیت کے لیے مسخر کردی گئی ہیں۔ ماضی میں ناممکن تصور کی جانے والی سہولیات آج کے انسان کے لیے ممکن ثابت ہوچکی ہیں۔ ان ایجادات کی بدولت انسان تکلیف دہ مشقتوں سے آزاد ہوچکا ہے۔ زمینی فاصلے سمٹ چکے ہیں رابطوں کی رفتار تیز ہوچکی ہے اور سفری آسانیاں تمام لوگوں کو حاصل ہیں۔ ان تمام اشیاء کا استعمال اگر حدود وقیود میں رہ کر کیا جائے تو بلاشبہ مفید ہے لیکن کسی قسم کی پابندی کے بغیر ان اشیاء کا استعمال انسان کے لیے مضر اور تکلیف دہ ہے۔ مثال کے طور پر موبائل کی ایجاد ہے کبھی ملاقات اور رابطے سالوں، مہینوں، ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں کے محتاج تھے اب منٹوں کے بھی محتاج نہیں رہے۔

موبائل فون کے متعدد مفید، مضر طریقوں سے قطع نظر ہم صرف مساجد، میں بار بار بجنے والی گھنٹی ہی کو مدنظر رکھیں تو طرح طرح کی تیز آواز ''ٹیونز''، اور نمازیوں کے لیے مخل عبادت ہیں۔ ہماری نمازیں تو پہلے ہی بے کیف اور بے سرور ہیں نمازوں میں جب مختلف اطراف سے مختلف قسم کی آوازیں بلند ہوتی ہیں تو نمازیوں کی توجہ اور دھیان صرف موبائل کی طرف رہتا ہے اور پھر نماز کے بعد کوئی ایک شخص سخت لہجے میں مخاطب ہوکر بے چارے موبائل زدہ نمازیوں کی خبر لے رہا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اگرچہ اکثر مساجد میں توجہ کے لیے مختلف نشان یا عبارات درج ہوتی ہیں لیکن وہ عبارات اکثر بے توجہی کا شکار ہی رہتی ہیں۔ ہمیں اس حوالے سے چند چیزوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

☆ مساجد میں داخلے یا اہم اجلاسوں میں شرکت سے قبل موبائل فون بند کرنے کی عادت اپنانی چاہیے یا کم از کم گھنٹی بند کردیں موبائل ٹونز حتی الامکان ہلکی آواز میں سادہ رکھیں

☆ ہمارے ہاں مختلف قسم کی موزیکل ٹیونز ایک فیشن بن چکا ہے۔ جس میں نمازیوں، مسافروں اور قریبی لوگوں کے آرام میں خلل کا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا۔

☆ مختلف گانوں پر مشتمل ٹیونز اسلامی شریعت، تہذیب اور مزاج کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ آس پاس کے لوگوں کے لیے باعث اذیت بھی ہیں۔

Marfat.com

مساجد کے اندر گانوں کی آواز کا بلند ہونا تو انتہائی خطرناک ہے اس لیے کہ مسجد ایک مقدس مقام ہے جسے عبادت کے لیے خاص کیا گیا ہے اور اس میں عبادات کے علاوہ عام دنیاوی باتوں سے بھی احتراز کا حکم ہے۔

مساجد میں گانوں کی آواز کا بلند ہونا تمام مسلم سوسائٹی کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اس مصیبت میں بڑا دخل نمازی حضرات کا ضروری مسائل سے نابلد ہونے کا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جس نمازی کے موبائل کی گھنٹی بج رہی ہوتی ہے وہ بند کرنے کی کوشش نہیں کرتا حالانکہ مسئلہ کے حوالے سے علماء کرام وضاحت فرماتے ہیں کہ عمل قلیل کے ذریعے موبائل فون کو دوران نماز بند کیا جا سکتا ہے۔

بعض نمازی یا آئمہ حضرات موبائل کی گھنٹی بجنے پر خاصے جذباتی ہو جاتے ہیں اور انتہائی غصے میں طویل لیکچر شروع کر دیتے ہیں اس ضمن میں اعرابی کا واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے جس میں مسجد کے تقدس سے لاعلم ہونے کی وجہ سے مسجد میں آ کر اعرابی نے حاجت ضروریہ شروع کر دیا، صحابہ کرامؓ نے سختی کرنا چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو منع فرمایا اور تسلی سے اس دیہاتی کو حاجت ضروریہ کرنے دیا بعد ازاں آپ ﷺ نے اسے طلب فرما کر نرمی اور ملائمیت سے مسجد کا تقدس سمجھایا اور مساجد کے احترام بارے درس دیا۔ یہ مساجد اللہ کے گھر ہیں۔ نماز تلاوت اور ذکر اللہ کے لیے بنائے جاتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موقع پر رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر نرمی سے مسجد کے احترام کے متعلق سمجھایا جائے، غفلت اور سستی کے نقصانات سے آگاہ کر دیا جائے۔ سخت لہجہ اختیار کرنے سے مسجد کا تقدس پامال ہوتا ہے باہمی چپقلش بھی جنم لیتی ہے جو طرفین کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے۔

اگرچہ اعرابی (بدو) اور یہاں کے طبقے میں فرق ہے لیکن پھر بھی انسان ہونے کے ناطے بھول کے عذر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عموماً نمازی حضرات اپنی بساط کی حد تک نماز سے قبل موبائل بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اگر ایک محدود سے جامر کا انتظام نماز کے اوقات میں مسجد کی حد تک ہو جائے تو پھر مذکورہ تمام مسائل جنم ہی نہ لیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مساجد کے تقدس، احترام اور عظمت کو دل و دماغ میں بٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

Marfat.com

تقریظ

حسن نیت و عمل

ایک تصویر ایک ہزار الفاظ پر بھاری ہوتی ہے۔ اسے چینی مفکر کنفیوشس کا قول قرار دیا جاتا ہے۔ قول یہ کسی کا ہو لیکن اس کا صحیح استعمال دنیا میں کم ہی ہوا ہے۔ الفاظ ہوں یا تصاویر، نقش ہو یا عکس، ہمارے اس ترقی یافتہ دور میں انسانی ذہن پر اثر انداز ہونے والے ان عناصر کو خیر کی دعوت کے لیے کم اور شر کے پھیلانے کے لیے کچھ زیادہ ہی استعمال کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ رہی کہ ایک طرف ان محیر العقول ایجادات میں اسلامی ذہن اور مسلمان ہنرمندوں کا ایک حصہ کم رہا، جنہوں نے، ابلاغ کے عمل کو تیز ترین رفتار، محترم اور مؤثر ترین بنا دیا۔ دوسری طرف ان ایجادات کے مثبت اور تعمیری استعمال میں بھی امداد خلفائے راشدینؓ و اموی و عباسیوں کے زمانے میں مسلم امہ آجکل کی جدید دنیا کے مقابلے میں ایجادات صنعتی انقلاب وزرعی ترقی وغیرہ میں مغربی دنیا اور امریکہ سے ترقی یافتہ، جنرلنالج، سامان حرب وغیرہ میں کمال حد تک آگے تھے لیکن مسلم حکمرانوں نے مسلم امہ کی غیر ذمہ داری اور دین اسلام سے دوری اور عیش ونشاط کی وجہ سے مسلمان پیچھے اور بدی کی قوتیں پیش پیش رہیں۔ لہٰذا ایک طوفان بدتمیزی ہے جو رنگا رنگ تصاویر کے جلو میں برپا ہے اور تھمنے میں نہیں آرہا۔ کتب خانے چھان ماریں، لائبریریاں گھوم جائیں۔ آپ کو مشکل سے ہی ایک آدھ تصویری کتاب ملے گی جو کسی تعمیری مقصد کے لیے ترتیب دی گئی ہو۔ البتہ منفی رخ کی طرف جائیں تو تلاش کی ضرورت نہیں۔ نظر اٹھاتے ہی دجالی فتنے زور وشور کے ساتھ تخریبی کاروائیوں میں ہمہ وقت، ہر جگہ نت نئے انداز میں خلا کو پر کرنے میں مشغول ومنہمک دکھائی دیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ آمد کی پیشن گوئیاں نمایاں طور پر مختلف ادیان، مذاہب کی کتب میں ملتی ہیں۔ جن کو جناب میاں عبدالکریم نے بہت محنت وتحقیق سے جمع اور اکٹھا کر کے دین اسلام

Marfat.com

کی حقانیت کمال حسن کے ساتھ تحریر کر کے نئی نسل پر احسان عظیم کیا ہے۔
قاہرہ، مشہد، بیروت اور سعودی عرب کے کچھ اہل علم نے اس چیز کا احساس کرتے ہوئے عزم کیا اور ماشاء اللہ تھوڑے ہی عرصے میں جغرافیہ، قرآنی، سیرت نبوی، غزوات، مقدس مقامات اور اسلامی تاریخ کے حوالے سے تصاویر، نقشوں، معلوماتی خاکوں اور اسلامی تحریوں سے مزین، بہترین اور معیاری کتابیں وجود آ گئیں۔ زیر نظر کتاب انہی لائق تحسین کاوشوں کی ایک کڑی ہے جس میں مصنف نے تین سال کی محنت سے اچھا خاصا منتخب مواد جمع کیا ہے تا کہ خاموش تصاویر، بولتا داعی بن کر امت مسلمہ کو عظمت رفتہ کی یاد دلائیں اور اسے اپنے تاریخی ورثے سے جوڑے رکھیں۔ بندہ کو اس موضوع سے کسی قدر دلچسپی ہے اس لیے مصنف کی فرمائش پر ان کے تیار کردہ اس مجموعے کو صفحہ بہ صفحہ دیکھا۔ جو سمجھ میں آیا عرض کیا۔ مشورے بھی ہوتے رہے اور غور و فکر بھی یہ کہنے میں باک نہیں کہ ان کی اس محنت میں سلیقہ بھی ہے اور معیار بھی ہے۔ انفرادیت بھی ہے اور حسن نیت و عمل بھی۔ امید ہے کہ دعوت دین کا یہ مفید طرز، اسلوب کے منفرد انداز اور طباعت کا عمدہ معیار لیے قارئین کے ہاتھ میں اس شکل میں پہنچے گا کہ وہ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے تسکین و تسلی اور کسی کو ہدیہ دیتے ہوئے فخر و مسرت محسوس کریں گے۔

دعا گو
حافظ امان اللہ مہتمم
جامعہ محمدیہ لوکو کیرج لاہور پنجاب پاکستان
فون نمبرز 03008401171
03218400371

Marfat.com

درخشندہ ماضی

ایک عرصے سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جو موجودہ نسل کو اپنی تاریخ سے روشناس کروائے وہ اپنے درخشندہ ماضی کا جاگتی آنکھوں سے نظارہ کرسکیں۔الحاج میاں عبدالکریم نے کتاب تیار کر کے نہ صرف میری بلکہ بے شمار مسلمانوں کی دلی خواہش پوری کردی ہے

مختلف ادیان کی کتب میں نبی رحمت ﷺ کی آمد وحقانیت کے ثبوت اور پروف نمایاں واضح طور پر ملتے ہیں۔ان کے حوالہ جات اور آمد مصطفےٰ ﷺ بطور خاتمین انبیا ﷺ نمایاں تحریر کر کے نئی نسل پر احسان عظیم کیا ہے۔

اس کتاب کو دیکھنے سے دیگر باتوں کے علاوہ اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کے لیے قربانیاں دیں ان کی یادگاریں آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔اور جو لوگ طاقت اور بادشاہت کے گھمنڈ میں اللہ کی زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وہ ہر دور میں عبرت کا نشان بنے۔

آج بھی مسلمان اگر اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور **حسن نیت**، **محنت** اور **دعا** کو اپنا شعار بنالیں تو اقوام عالم کی سیاست و قیادت کے حق دار یہی ہوں گے۔

الحاج بلال احمد طاہر

المدینہ منورہ سعودی عرب

فون نمبر 0509388505

Marfat.com

آب زم زم ایک زندہ معجزہ

اس میں کیلشیم اور فلورائیڈ قابل ذکر مقدار میں موجود ہیں

سعودی عرب کی سرزمین ایسی مقدس سرزمین ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کا اس روئے زمین پر پہلا گھر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی صورت میں موجود ہے اور یہیں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنی زندگی مبارک کے 63 برس گزارے۔ سرزمین عرب پر جہاں اور بہت سے مقدس مقامات ہیں وہیں پر آب زم زم کا چشمہ بھی ہے جو ہزاروں برس سے جاری وساری ہے اور اس کا پانی کبھی کم بھی نہیں ہوا ہے۔ آب زم زم ایک لطیف وشیریں، خوش ذائقہ زود ہضم، بے حد برکت، فضیلت والا پانی ہے۔ جسے دنیا جہاں کے پانیوں پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ ابتداء میں جب اس مقدس پانی کا ظہور ہوا تو اس سے گنگناہٹ کی آواز آ رہی تھی، اس سبب سے اس کا نام زم زم، زم زم، اور زمازم اسی وقت کہا جاتا ہے جب پانی بہت زیادہ ہو۔

آب زم زم وہی چشمہ حیات ہے جس نے سیدہ ہاجرہؓ کے قلب مغموم کو راحت کی نوید سے نوازا بلکتے اور تڑپتے ہوئے ایک جاں بلب معصوم شیر خوار کا پیغام مسیحا بنایا۔ یہ روح الامین کی بندہ نوازی کا کرشمہ ہے جو ہزاروں برس سے آج تک فرزندان توحید کو سیراب کر رہا ہے۔

سیدنا جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کعبہ کا طواف سات چکر لگا کر پورا کیا پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل پڑھے اور آب زم زم پیا تو اس کے تمام گناہ

Marfat.com

معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ زم زم سے مومن کا پیٹ بھر جائے گا اور منافق کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ گویا یہ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد مبارک ہے، آب زم زم ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زم زم جس مقصد کے لیے پیا جائے گا وہ ضرور پورا ہوگا اگر شفا کی غرض سے پیا گیا تو اللہ تعالیٰ شفا عنایت فرمائیں گے اور اگر پیاس بجھانے کی نیت سے نوش کیا گیا تو پیاس جاتی رہے گی کیونکہ یہ جبرائیل کا چشمہ ہے اور اس سے اللہ پاک نے اسماعیلؑ کو پانی پلایا تھا۔

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، بخار جہنم کی گرمی میں سے ہے لہذا اسے زم زم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ چیزوں کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ قرآن پاک، کعبہ شریف، والدین، عالم کا چہرہ اور زم زم، زم زم دیکھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کو استقاء (پیٹ میں پانی کا بھرنا) کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مرض نے خوفناک صورت حال اختیار کر لی۔ ایک طبیب کے پاس گیا مگر اس نے مرض کی شدت کے باعث منہ پھیر لیا اور کہنے لگا یہ آدمی تین دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مریض نے جب یہ بات سنی تو زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی شکستہ دل ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ کیوں نہ آب زم زم پیا جائے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس پانی میں شفاء ہے۔ اسی قصد سے وہ یمن سے مکہ مکرمہ آ گیا اور زم زم خوب شکم سیر ہو کر پیا، اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ پیٹ میں کوئی چیز ٹوٹ رہی ہے۔ وہ فوراً حرم شریف سے باہر نکل کر رفع حاجت کو گیا تو اسہال آیا۔ پھر اس نے دوبارہ آب زم زم پیا اور اسی طرح اسہال ہوا۔ چند یوم مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے شفا کامل نصیب

Marfat.com

فرمادی تو وطن واپس لوٹ کر اسی طبیب کے پاس حاضر ہوا حکیم نے تعجب سے پوچھا کیا تو فلاں آدمی نہیں جسے فلاں مرض تھا۔ اس نے اقرار کیا۔

عام طور پر سنت یہ ہے کہ پانی بیٹھ کر پیا جائے مگر آب زم زم کھڑے ہو کر پینا سنت ہے سیدنا علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضورﷺ کو زم زم کے کنویں کا ڈول پیش کیا گیا تو آپﷺ نے اس سے وضو فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت نبی کریمﷺ آب زم زم کھڑے ہو کر پی رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور اقدس کے ساتھ چاہ زم زم پر آئے۔ آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی کا ڈول نکالو۔ میں نے کنویں سے پانی نکال کر ڈول منڈیر پر رکھ دیا۔ حضورﷺ نے ڈول اٹھایا اور بسم اللہ پڑھ کر منہ سے لگا کر خوب پانی پیا۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور الحمد اللہ کہا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر منہ سے لگا کر خوب پانی پیا۔ دوبارہ سر مبارک اٹھا کر الحمد اللہ پڑھا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی بسم اللہ پڑھ کر پینا شروع کیا اور اب دونوں مرتبہ سے زیادہ پیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور منافق کے درمیان یہی فرق ہے کہ اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

آب زم زم انسانی جسم اور زمین پر جو صحت مند اثرات مرتب کرتا ہے، عام پانی سے ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

آب زم زم کے طبعی اور کیمیائی خواص پر جامع تحقیق کے بعد اسکندریہ یونیورسٹی کے ڈاکٹرز نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کرہ ارض پر پایا جانے والا بہترین پانی ہے جس میں انسانوں کی

Marfat.com

اچھی صحت کے لیے ضروری معدنیات متوازن مقدار میں موجود ہیں۔ یہ ہر طرح کی کثافتوں اور آلائشوں سے پاک ہے اور گردے اور دل کے امراض کے علاج، آنکھوں کی تکالیف، آدھے سر کے درد اور دوسرے امراض کے علاج کے لیے خصوصی طور پر مفید ہے۔ اس میں کیلشیم اور فلورائیڈ قابل ذکر مقدار میں موجود ہیں۔

جرمن کے عیسائی ڈاکٹر کا تجزیہ

قدرت کے معجزات اور عظیم نعمتوں میں شمار ہونے والا مقدس پانی ''آب زم زم'' دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے تبرک اور شفا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام کے خلاف بلاوجہ عداوت رکھنے والوں نے بارہا یہ مشہور کرنے کی کوشش کی کہ یہ مقدس پانی بھی عام پانی جیسا ہی ہے لیکن قدرت نے اس کے حیران کن اثرات کے ذریعے ہمیشہ ان لوگوں کو غلط ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک انتہائی اہم اور مشہور واقعہ جرمن عیسائی ڈاکٹر کا ہے جنہوں نے زم زم کے مقدس پانی پر تحقیق کی اور پھر انہوں نے اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں جو کچھ کہا وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تقریباً 12 سال قبل ان کے ایک دوست جدہ سے آب زم زم لے کر آئے تو انہوں نے اپنی لیبارٹری میں جدید ترین آلات کے ذریعے اس پانی کا مطالعہ اور معائنہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میونخ کا پانی بظاہر صاف اور خالص ہونے کے باوجود آب زم زم کے سامنے محض ایک بے فائدہ اور تباہ کن محلول ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جب میونخ کے پانی اور آب زم زم کے الیکٹرو میکنیٹک فیلڈ کی تصاویر حاصل کی گئیں تو واضح طور پر دیکھا گیا کہ آب زم زم کا فیلڈ انتہائی متوازن دائروی اور ہموار تھا جبکہ میونخ کے پانی کا فیلڈ اس کے مقابلے میں بالکل غیر ہموار اور بے فائدہ تھا۔

Marfat.com

اے ایمان والو اللہ کا کثرت سے ذکر کرو

جب بھی --------------

کوئی کام شروع کریں تو کہیں	بِسمِ اللّٰہ
کام کرنے کا ارادہ کریں تو کہیں	اِنْ شَآ ءَ اللّٰہ
کسی چیز کی تعریف کرنا ہو تو کہیں	سُبحَانَ اللّٰہ
کسی کی تعریف مقصود ہو تو کہیں	مَاشَآ ءَ اللّٰہ
کسی کا شکریہ ادا کرنا ہو تو کہیں	جَزَاكَ اللّٰہ
بیدار ہوں تو کہیں	لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
گناہ سے توبہ کرتے وقت کہیں	اَستَغفِرُ اللّٰہ
جدا ہوتے وقت کہیں	فِی اَمَانِ اللّٰہ
خیرات کرتے وقت کہیں	فِی سَبِیلِ اللّٰہ
خوشگوار تبدیلی ہو تو کہیں	تَبَارَكَ اللّٰہ
ناخوشگوار معاملہ ہو تو کہیں	نَعُوذُ بِا اللّٰہ
سختی و پریشانی کا سامنا ہو تو کہیں	یَا اللّٰہ
کوئی نعمت ملے تو کہیں	اَلحَمدُ لِلّٰہ
جب چھینک آئے تو کہیں	اَلحَمدُ لِلّٰہ
چھینک کے جواب میں کہیں	یھدی کم اللّٰہ
کوئی کام خلاف توقع ہو تو کہیں	اِنِ الحُکمُ اِلَّالِلّٰہ
مشکل یا کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کہیں	تَوَکَّلتُ عَلَی اللّٰہ
موت یا رنج و غم کی خبر سنیں تو کہیں	اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون
گھر سے نکلنے کی دعا	بِسمِ اللّٰہِ توکلتِ علیٰ اللّٰہ

Marfat.com

۵- رُمُوزِ اَوْقاف

نمبر	رموز	اسمائی رموز	احکام
۱	م	وقف لازم	یہاں ٹھہرنا لازمی ہے۔
۲	○	آیت مطلق	یہاں وقف کیا جائے
۳	۵	آیت کوفی	یہاں بھی وقف کیا جائے
۴	ط	وقف مطلق	ٹھہرنا ضروری ہے
۵	ج	وقف جائز	ٹھہرنا اور ملانا دونوں جائز ہیں مگر ٹھہرنا بہتر ہے
۶	لا	لا وقف علیہ	یہاں ہرگز نہ ٹھہریں
۷	ز	وقف مجوز	یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے
۸	ص	وقف مرخص	اگر سانس ٹوٹ جائے تو ٹھہر سکتے ہیں ورنہ ملا کر پڑھیں
۹	صلے	قد یوصل	ملا کر پڑھنا بہتر ہے
۱۰	قف	یوقف علیہ	یہاں ٹھہرنا چاہئے
۱۱	وقفہ	وقف	تھوڑا سا قیام کریں مگر سانس نہ ٹوٹے
۱۲	سکتہ، س	سکتہ	یہاں اس طرح قیام کریں کہ سانس نہ ٹوٹے
۱۳	ق	قیل علیہ الوقف	ملا کر پڑھنا بہتر ہے
۱۴	∴ ∴	معانقہ	پہلے تین نقطوں پر ملا کر پڑھیں اور دوسرے تین نقطوں پر ٹھہر جائیں یا پہلے تین نقطوں پر ٹھہر جائیں اور دوسرے تین نقطوں پر ملا کر

نوٹ:- جہاں دو علامتیں ہوں وہاں اُوپر کی علامت کے مطابق عمل کریں۔

Marfat.com

تلاوتِ قرآن مجید میں احتیاط ضروری ہے

قرآن مجید میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اعراب کے ردّو بدل سے معنے تبدیل ہو جاتے ہیں مندرجہ ذیل میں تمام ایسے ہیں جن کو غلط پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے۔ لہٰذا تلاوتِ قرآن کے وقت ان مقامات پر احتیاط کرنا لازمی ہے

نمبر شمار	پارہ	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۱	۲	۴	إِيَّاكَ نَعْبُدُ (بالتشدید)	إِيَاكَ نَعْبُدُ (بلا تشدید)
۲	۱	۲	۶	أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	أَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ
۳	۱	۲۵	۷	وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهِمَ رَبُّهٗ	وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهِمُ رَبَّهٗ
۴	۲	۵۴	۹	قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ	دَاوٗدَ جَالُوْتُ
۵	۳	۵۵	۹	اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ	أَللّٰهُ (بالمد)
۶	۳	۵۸	۳	وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ	يُضْعِفُ
۷	۶	۱۳۶	۴-۳	رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ	مُبَشَّرِيْنَ وَمُنْذَرِيْنَ
۸	۱۰	۲۴۳	۷	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ	وَرَسُوْلِهٖ
۹	۱۵	۳۶۷	۷	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ	وَمَا كُنَّا مُعَذَّبِيْنَ
۱۰	۱۶	۴۱۸	۱۳	وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ	وَعَصٰى اٰدَمَ رَبُّهٗ
۱۱	۱۶	۴۳۰	۱۱	إِنِّيْ كُنْتُ	إِنِّيْ كُنْتَ
۱۲	۱۹	۴۹۳	۴	لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ	مِنَ الْمُنْذَرِيْنَ
۱۳	۲۲	۵۷۴	۱	يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤا
۱۴	۲۳	۵۸۸	۲	فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ	فِيْهِمْ مُّنْذَرِيْنَ
۱۵	۲۶	۶۷۶	۸	صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ	صَدَقَ اللّٰهَ رَسُوْلُهٗ
۱۶	۲۸	۷۲۳	۱۲	الْمُصَوِّرُ	الْمُصَوَّرُ
۱۷	۲۹	۷۵۲	۴	إِلَّا الْخٰطِئُوْنَ	إِلَّا الْخٰطَئُوْنَ
۱۸	۲۹	۷۶۲	۴	فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ	فِرْعَوْنَ الرَّسُوْلُ
۱۹	۲۹	۷۷۲	۷	فِيْ ظِلٰلٍ	فِيْ ظَلَالٍ
۲۰	۳۰	۷۷۷	۳	إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ	مُنْذَرٌ

Marfat.com

الحاج میاں عبدالکریم

جو نصف صدی سے خدمت انسانیت کا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں

معاشرے میں یہ روایات بڑی تیزی سے سرائیت کرتی جارہی ہیں اور ہماری یہ پختہ سی عادت بنتی جارہی ہے کہ جو کوئی زندہ ہے اس کے بارے میں ہمیشہ چشم پوشی و تنگ نظری سے کام لیا جاتا ہے۔ بے شک وہ اپنے شعبہ میں مسلمہ اہمیت کا حامل ہی کیوں نہ ہو اور اس کی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع اور طویل تر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک وہ صالح ہی نہیں صالح ترین زندگی گزار رہا ہو۔ اسے اہمیت نہیں دی جاتی الحاج میاں عبدالکریم نصف صدی سے بھی زائد عرصہ سے اس شہر میں بھلائی اور خدمت خلق کے کاموں میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چلتے پھرتے سماجی راہنما ہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے کی جستجو میں مگن اور بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔ سماجی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ان کا نام ہی اسم با مسمی بن چکا ہے۔ مخصوص ''ٹوپی رومال'' آپ کا طرہ امتیاز ہے شہر بھر میں کسی سے بھی پوچھ لیں کہ میاں عبدالکریم سے ملنا ہے تو بتانے والے فوراً بتائیں گے کہ اچھا وہ میاں عبدالکریم جو سوشل راہنما ہیں۔ شہر کے دل کچہری بازار میں ان کا دفتر ہر آنے جانے والے کے لیے چشم براہ ہے۔ جس میں خدمات انسانیت کے لیے صبح سے شام تک اور شام سے رات تک فلاح داریں اور فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف عمل ہیں بے حد درجہ مرنجان بھری گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام، اسلامی تعلیمات خاص کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی تفسیر ہیں جہاں برائی دیکھی تحریر سے اور تقریر سے ان کے خلاف کمر بستہ ہو گئے اس وقت 75 سال کے قریب عمر ہے مگر اس عمر میں بھی الحمد اللہ تمام سرگرمیاں اسی شدت اور توانائی کے ساتھ جاری ہیں جیسے جوانی میں جاری رہی تھیں۔

Marfat.com

1967 میں وفاقی وزارت تعلیم کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر فضل الرحمن نے تعلیمی نصاب میں اسلام کے بارے میں انتہائی توہین آمیز مواد شامل کرنا چاہا اس مواد کے بارے میں جب پاکستان کے صاحب درد افراد کو علم ہوا تو انہوں نے اس کا بہت سخت نوٹس لیا اور ملک گیر احتجاج شروع ہو گیا۔ میاں عبدالکریم نے بھی اس جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور اس کے خلاف ایک بھرپور تحریک کا آغاز کیا۔ شہر میں تاریخ ساز ہڑتال ہوئی جس کی کامیابی کا تمام تر سہرا میاں عبدالکریم کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ ہڑتال اس قدر کامیاب تھی کہ حکومت وقت نے فوری طور پر اس اسلام دشمن ڈائریکٹر جنرل کو محکمہ تعلیم سے تبدیل کر دیا۔ موصوف میونسپل کارپوریشن کے تین مرتبہ کونسلر رہ چکے ہیں۔ سابق جنرل ضیاءالحق کے دور میں فیصل آباد کے سب سے متحرک کونسلر تھے، یاد رہے کہ لوکل گورنمنٹ میں نکاح طلاق ولین دین کے تنازعات کے حل کے لیے اختیارات وفیصلہ کے اختیارات حلقہ کونسل کو ہوتے ہیں ان فیصلوں کے خلاف اپیل ڈپٹی کمشنر ضلع کے پاس کی جاتی ہیں۔ فیصل آباد میں ''ڈپٹی کمشنر سمیع سعید'' اپنے خصوصی اختیارات سے یہ تمام اپیلیں خاص ان کی طرف بھیج دیتے تھے اور وہ ان کیسوں کے فیصلے اس جرات دلچسپی خوف خدا اور انصاف سے کرتے تھے کہ اس حوالے سے شہر بھر میں آپ کا نام ایک مسلمہ حیثیت کا حامل بن گیا ان فیصلوں میں ان کی بھرکوشش ہوتی تھی کہ کسی کا گھر نہ اجڑے اور اس کا گھر بس جائے۔ آپ کی ذاتی مساعی جمیلہ اور کوشش سے آج بہت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ چکے ہیں یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح جاری ہے بحیثیت میونسپل کونسلر فیصل آباد شہر کی تعمیر وترقی کے لیے ان کی گرانقدر خدمات ہیں۔ میاں عبدالکریم کا مثبت تعمیری اور موثر کردار زندہ جاوید بن چکا ہے۔ مجھے علم ہے کہ متعدد مرتبہ کمیشن اور کرپشن کے دلدادہ صاحبان اقتدار میاں عبدالکریم کے گھر پر بڑی بڑی آفریں لے کر حاضر ہوئے ہر طرح سے رام کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب بات نہ بنتی تو پھر دھمکیاں دینے پر اتر جاتے مگر ایک اللہ کے آگے جھکنے والے ایک اللہ کو مالک وملک ماننے والے اور ایک ہی

Marfat.com

اللہ کے در کے سوالی اور ایک ہی اللہ کے دروازے کے سائل کب در غیر کے آگے جھکتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے سات سے زائد مرتبہ جیل بھی جا چکے ہیں جو دین کی سربلندی کے لیے تھی۔ آپ کی اسیری کے ایام چھ ماہ سے زائد ہیں ابھی طالب علم تھے کہ ملک میں تحریک ختم نبوت ﷺ 1953 کا دور شروع ہوا اس تحریک میں پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے پھر یہ سلسلہ نکلا مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے الیکشن 1964 میں بھرپور کردار ادا کیا اور اس میں بھی گرفتاری ہوئی ایوب خان کے خلاف پی ڈی ایم اور ڈیک میں موثر و مضبوط کردار ادا کر کے اس تحریک میں اہم نام پیدا کیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں جرات مندانہ کردار ادا کرتے ہوئے دو مرتبہ گرفتار ہوئے اور 29 دن کے قریب فیصل آباد ڈسٹرکٹ وسنٹرل جیل میں دوسرے قائدین کے ساتھ گرفتاری کے دن گزارے۔ اس تحریک میں جلوسوں کے دوران موثر حصہ لینے پر آپ کے بازو اور پسلیوں پر پولیس تشدد سے شدید چوٹیں آئیں اسی طرح نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کے دور میں بھی گرفتار ہوئے 2004 میں بھی ایک مرتبہ فیصل آباد کی جیل میں ایک ہفتہ گزار چکے ہیں۔ حکمرانوں کو ان کی ادا پسند نہ آئی اور گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا وہ حکومت کے حوالے سے مجبور ہیں جبکہ وہ اپنے مشن پر ڈٹے رہے یہ گرفتاریاں مصائب اور مشکل حالات بھی ان کو حق کہنے سے نہ روک سکے اور نہ روک سکیں گے۔

محمد ارشد قاسمی
سیکرٹری جنرل بی اینڈ سی جامعہ زرعیہ یونیورسٹی فیصل آباد
و سیکرٹری جنرل ڈویژنل سوشل ویلفیئر رابطہ کونسل رجسٹرڈ

Marfat.com

برائے ایصال ثواب

مرحومین والد محترم الحاج میاں خوشی محمد، والدہ محترمہ ومرحوم چچا محترم الحاج میاں محمد رمضان، مرحومہ چچی جان جنہوں نے بندہ ناچیز کی پرورش وتربیت کی اور کمال حد تک اپنا حق والدین ادا کیا انہی کی دعاؤں وبرکتوں سے عزت وتکریم ملی۔

الحمد اللہ رب العالمین اللہ کریم اپنے خصوصی انعام وکرم سے جنت الفردوس عطا کرے۔

(آمین ثم آمین)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

منجانب

الحاج میاں عبدالکریم

صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ

مرکزی دفتر: P-490 مدینہ چوک افغان آباد، فیصل آباد، پاکستان

فون نمبر 2620797-2648999 فیکس 2620799

موبائل 03009668076

Hppt://www.sautulislam.org

abdulkareem@live.com.pk

Marfat.com

گستاخانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عبرتناک انجام

اللہ تبارک وتعالیٰ پیارے نبی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔اے نبی تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے مگران کا مذاق اڑانے والوں پر آخر وہی حقیقت مسلط ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ان سے کہو ذرا زمین پر چل پھر کر دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا(6-10)

مکہ کے گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انجام کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

ابولہب :ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ کا باپ کی طرف سے بھائی تھا۔اعلان نبوت سے پہلے وہ ایک مہذب اور اخلاق پسند شخص تھا۔ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سعادت کی اطلاع دینے والی لونڈی کو اس نے اظہار خوشی میں آزاد کر دیا تھا اس کے بعد اس کے دو صاحبزادوں عتبہ اور عتیبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزدیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔پھر اعلان نبوت سنتے ہی وہ بدترین دشمن بن گیا وہ اتنی دشمنی تک گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا نام لے کر قرآن پاک میں اپنے غصے کا اظہار کیا ہے۔اِس کے بغض اور دشمنی کی انتہا اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بازار میں لوگوں کو اسلام کی باتیں بتا رہے ہوتے تو یہ پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برساتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ شخص (معاذ اللہ) کذاب ہے۔پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی بھی تھا۔دوسرا شخص عتبہ بن ابی محیط تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھران دونوں کے درمیان تھا۔یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہ لینے دیتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر بکری کی اوجھری پھینک دیتے اور کبھی پکنے والی ہنڈیا میں غلاظت پھینک دیتے۔ابولہب کی بیوی ہندہ صبح سویرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامنے خاردار جھاڑیاں پھینک دیتی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابولہب کی

Marfat.com

موت نہایت عبرتناک ہوئی موت سے سات روز قبل جنگ بدر میں شکست کی خبر ملی وہ خود جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔اسے شدید رنج کا جھٹکا لگا۔پھر اسے ایک بیماری عدسہ لگ گئی۔ اس بیماری کی وجہ سے اس کے گھر والے اسے چھوڑ گئے کیونکہ انہیں اچھوت لگنے کا ڈر تھا۔ مرنے کے بعد تین روز تک اسے کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔لوگوں کے طعنوں سے تنگ آ کر بیٹوں نے حبشیوں کے ذریعے لاش اٹھوائی حبشیوں نے گڑھا کھودا پھر لکڑیوں سے لاش دھکیل کر اس گڑھے میں ڈالی۔یہ تو تھا اس کا انجام دنیا میں اب آخرت میں سورۃ الھب کے مطابق وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا۔

ابوجہل: ابوجہل بھی آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں سے تھا وہ آپ ﷺ کو اذیتیں دینے میں پیش پیش ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے نکلتے تو وہ پیچھے لگ جاتا اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ صفا کے پاس سے گزر رہے تھے۔اس نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں اور اسلام کے بارے میں نہایت برے الفاظ استعمال کئے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہاں غصے کا اظہار فرمایا۔

ہاں اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے گھسیٹیں گے پیشانی بھی کیسی اور خطاکار (العلق) اس گستاخ رسول ﷺ کا انجام یوں ہوا کہ دو نڈر بچوں معوذؓ اور معاذؓ نے اسے جنگ بدر میں قتل کر دیا۔بچوں نے اس سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ابوجہل کے بارے میں دریافت کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اسے اس لیے قتل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ رسول ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔اس کا سر دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا اس قوم کا فرعون مر گیا۔تعریف اس ذات کی جس نے تجھے ذلیل کیا ان کے علاوہ کعب بن اشرف جو مسلمان عورتوں پر الزام تراشی کرتا تھا اس نے حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش بھی کی تھی مسلمانوں نے اسے 3 ہجری کو قتل کر دیا تھا۔

Marfat.com

آخری گزارشات

فخر کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ پورے عرب میں متعدد بار مال تجارت کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ راستے میں سردار ابو طالب کے ہمراہ تجارت کا مال فروخت کیا اور بالخصوص الحرمین الشریفین میں ہر چوک وگلی اور اضافی بستیوں میں قبائلی سرداروں و بدوؤں کو دین اسلام دینے کے لیے تشریف لے گئے۔ 13 سال کی مکی زندگی، 10 سال مدنی زندگی کی ایک بہت بڑی کتاب کی حیثیت میں محفوظ و مامون ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی 63 سالہ زندگی میں 40 سال سے بالعموم اور نبوت کے 23 سال بالخصوص دن ورات کا ایک ایک لمحہ روایات میں رقم ہے اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درودیوار گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ سورۃ یہاں نازل ہوئی اور اس کا سبب وپس منظر یہ ہے کہ سعودی گورنمنٹ نے جگہ جگہ بورڈ آویزاں کر رکھے ہیں کہ اس جگہ پر قرآن پاک کی فلاں سورۃ نازل ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ کریم نے خود فرما دیا کہ میرا نبی ﷺ تمہارے لیے نمونہ ومکمل رہنمائی ہے۔ دنیائے عالم میں تمام مذاہب کے کسی بھی رہنما ولیڈر کی لائف قلم بند نہ ہے۔ آج کے دور میں عیسائیوں کی بڑی یلغار ہے لیکن بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا صرف 3 سال کی زندگی کا حصہ بیان ہے باقی زندگی کا کوئی ثبوت نہ ہے۔ یہی حال دنیا میں دوسرے مذاہب، دوسرے جملہ قائدین کا ہے اور یہ سعادت صرف اور صرف مسلم امہ کو حاصل ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی پوری کی پوری زندگی حدیث میں قلم بند ہے اس نبی ﷺ کی جملہ دعوتی وتبلیغی وجہادی اور دینی معاملات کو جمع کرنا اس کمترین وکم علم کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ کاوش وکوشش اپنے جذبہ ایمانی کو بڑھانے اور ہر زائر وحجاج کرام کی راہنمائی و بہترین اور جذبہ ایمان کو بڑھانے کے لیے سرانجام دیا ہے۔ تحریر ومشاہدات میں غلطی یا کوتاہی کی اطلاع دینے والے شخص کے ہم مشکور وممنون ہوں گے اور آئندہ ایڈیشن میں اصلاح شکریہ کے ساتھ کریں گے۔ اللہ کریم ہماری اس کوشش کو قبول ومنظور فرماتے ہوئے توشہ آخرت

Marfat.com

بنائے۔(آمین ثم آمین)، کتاب کی تیاری میں علمی اور عملی تعاون فرمانے والے تمام حضرات
ہماری اگلی کاوش ان شاء اللہ آپ کے سامنے ہوگی اگر اس کے نتیجہ میں کسی ایک فرد کی سوچ
بھی بدل گئی تو ان شاء اللہ ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔

الراقم

الحاج میاں عبدالکریم

صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ فیصل آباد، پاکستان

وصدر نظریہ پاکستان فورم فیصل آباد ڈویژن

مرکزی دفتر: P-490 مدینہ چوک افغان آباد فیصل آباد

فون نمبر 2620797-2648999 فیکس 2620799

موبائل 03009668076

Hppt://www.sautulislam.org

abdulkareem@live.com.pk

Marfat.com

المشتہر الحاج
میاں عبدالکریم
صدر ادارہ صوت الاسلام ٹرسٹ
مرکزی دفتر
P-490 مدینہ چوک افغان آباد فیصل آباد
فون 2620797-2648999

سوچنے کی باتیں 9 جمادی الاول بمطابق 10 جولائی 2003ء تعداد 5000

مصنف کی دیگر کتب

1- اسلام اور عیسائیت سلسلہ تبلیغ نمبر 27 پہلا ایڈیشن 7 صفر المظفر 1384ھ تعداد 5000

2- سوشلزم یا اسلام سلسلہ تبلیغ نمبر 59 پہلا ایڈیشن 27 جمادی الثانی 1388ھ 22 ستمبر 1968ء تعداد 5000

3- خطبہ حجۃ الوداع سلسلہ تبلیغ نمبر 151 پہلا ایڈیشن 8 جمادی الثانی 1419ھ یکم اکتوبر 1998ء تعداد 5000
دوسرا ایڈیشن 7 شعبان المعظم 1419ھ 27 نومبر 1998ء تعداد 5000

4- تحریف بائبل سلسلہ تبلیغ نمبر 29 پہلا ایڈیشن یکم رمضان المبارک 1383ھ 21 دسمبر 1963ء تعداد 2000
دوسرا ایڈیشن یکم رمضان المبارک 1419ھ 21 دسمبر 1998ء تعداد 2000

5- اسے کیا کہیں الہام خدائے رحیم یا کلام شیطان الرجیم سلسلہ تبلیغ نمبر 19 پہلا ایڈیشن 17 محرم الحرام 1383

6- جادو اور کہانت کی حیثیت سلسلہ تبلیغ نمبر 155 پہلا ایڈیشن 30 ذیقعد 1419ھ مارچ 1999ء تعداد 3000

7- الحرمین شریفین کے دیس میں سلسلہ تبلیغ نمبر 182 پہلا ایڈیشن شعبان المعظم 1422ھ تعداد 5000
دوسرا ایڈیشن شعبان المعظم 1424ھ بمطابق اکتوبر 2003ء تعداد 5000

8- دین اسلام میں جمعۃ المبارک کی فرضیت واہمیت سلسلہ تبلیغ نمبر 199 پہلا ایڈیشن محرم الحرام 1430ھ

9- اہل فکر ودانش کے لئے یاددہانی سلسلہ تبلیغ نمبر 203 پہلا ایڈیشن رمضان المبارک 1431ھ تعداد 5000

10- حج وعمرہ زیارت مسجد نبوی سلسلہ تبلیغ نمبر 158 پہلا ایڈیشن 30 ذیقعد 1419ھ تعداد 3000

ودیگر کتب اور مقالہ جات ومضامین وغیرہ

مندرجہ ذیل مقامات سے آپ مفت حاصل کر سکتے ہیں

1- P-490 مدینہ چوک افغان آباد شہر فیصل آباد/ پاکستان فون 2648999

2- عمر فاروق شاپنگ سنٹر کچہری بازار فیصل آباد/ پاکستان فون 2620797

3- جامع مسجد الحاج محمد رمضان والی بالمقابل نیاب گلی نمبر 2 رشید آباد جھنگ روڈ فیصل آباد

Marfat.com